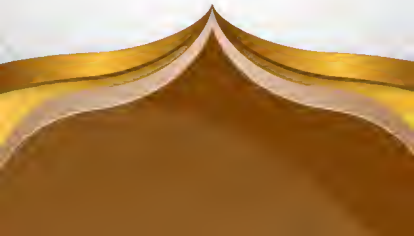
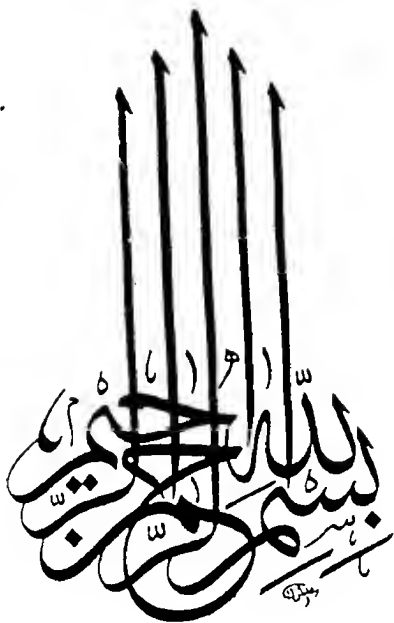


مثالی خواتین اسلام







الضيق والهم والشدائد يا سيدي يا سيدي يا سيدي
وعلى الذي واظمناك يا سيدي يا سيدي يا سيدي

اللهم الله محمد رسول الله

صلى الله تعالى عليهم وآله في صلته

مولاي صل وسلم دائماً أبداً

على حبيبك خير الخلق كلهم

هو الحبيب الذي رزق شفاعته

لكل مولود من الأهل والمقيم

محمد سيد الكونين والفقين

والقريبين من غرباء من عجم

فإن من جودك الدنيا وضرتها

ومن علومك علم التوج والقلم

أَهْبَاتُ الْمُؤْمِنِينَ بِنَاتِ النَّبِيِّ عَظِيمِ مَحَابِيَاتٍ أَوْ جَبِيلُ الْقَدَرِ
وَنُخْرَانِ الْإِسْلَامِ كَاتِزُكَرَةِ جَبِيلِ جَنِّ كِي زَنْدِگِیَاں مَاضِی کا وَقَارِ
عہدِ حَال کا اعزاز اور مستقبل کیلئے شمعِ روشن ہیں۔

مثالی خواتین اسلام

مُصَنَّف

پروفیسر محمد اکرم رضا

نام کتاب ----- مثالی خواتین اسلام
مصنف ----- پروفیسر محمد ابراہیم رضا
نظر ثانی ----- محمد نعیم اللہ خان قادری
پروف ریڈنگ ----- محمد نعیم اللہ خان قادری
اشاعت بار اول ----- 2009ء

صفحہات ----- 448
کمپوزنگ ----- محمد نوید گوہر انوال
زیرنگرانی ----- چوہدری محمد ظلیل قادری
تحریک ----- چوہدری محمد ممتاز احمد قادری
ناشر ----- چوہدری عبدالحمید قادری
قیمت ----- 240/- روپے

انتساب

کائنات کی عظیم ترین خاتون

سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ (سلام اللہ علیہا) کے نام
کہ جن کی آغوشِ رحمت میں عین کائنات بھر موجودات
حضور محمد مصطفیٰ ﷺ جلوہ گر ہوئے کہ بزمِ ہستی پکارا اٹھی۔

۔ بعد اندازہ یکائی بنامت شانِ زیبائی
امیں بن کر امانتِ آمنہ کی گود میں آئی

پروفیسر محمد اکرم رضا

فہرست

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۱	سیدہ آمنہ <small>ؓ</small>	16
۲	ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ <small>ؓ</small>	38
۳	ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ <small>ؓ</small>	60
۴	ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ <small>ؓ</small>	69
۵	ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر <small>ؓ</small>	88
۶	ام المومنین حضرت زینب بنت خزمہ <small>ؓ</small>	97
۷	ام المومنین حضرت ام سلمہ <small>ؓ</small>	101
۸	ام المومنین حضرت زینب بنت جحش <small>ؓ</small>	111
۹	ام المومنین حضرت جویہ <small>ؓ</small>	126
۱۰	ام المومنین حضرت ام حبیبہ <small>ؓ</small>	133
۱۱	ام المومنین حضرت صفیہ <small>ؓ</small>	143
۱۲	ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث <small>ؓ</small>	158
۱۳	ام المومنین حضرت ریحانہ <small>ؓ</small> بنت شمعون	166
۱۴	ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ <small>ؓ</small>	171
۱۵	حضرت زینب <small>ؓ</small> بنت محمد رسول اللہ <small>ﷺ</small>	178
۱۶	حضرت زقیہ <small>ؓ</small> بنت محمد رسول اللہ <small>ﷺ</small>	188
۱۷	حضرت ام کلثوم <small>ؓ</small> بنت محمد رسول اللہ <small>ﷺ</small>	198
۱۸	سیدہ فاطمہ الزہراء <small>ؓ</small>	206



224	حضرت فاطمہؓ بنت اسد	۱۹
233	حضرت حلیمہ سعدیہؓ	۲۰
242	حضرت ام ایمنؓ	۲۱
251	حضرت منیہؓ بنت عبدالمطلب	۲۲
264	حضرت ام الفضلؓ لبیہ الکبریٰ	۲۳
271	حضرت زینبؓ بنت علی (کرم اللہ وجہہ)	۲۴
294	حضرت سیدہؓ بنت خطاب	۲۵
303	حضرت فاطمہؓ بنت خطاب	۲۶
315	حضرت ام سلمہؓ بنت سلمان	۲۷
326	حضرت ام عمارہؓ	۲۸
336	حضرت اسماءؓ بنت عمیس (ؓ)	۲۹
347	حضرت ام رومانؓ	۳۰
354	حضرت شفاءؓ بنت عبد اللہ	۳۱
362	حضرت ام معبدؓ	۳۲
370	حضرت ام خالدہؓ بنت خالد بن سعید	۳۳
376	حضرت شیماءؓ بنت حارث	۳۴
381	حضرت ام عاصمؓ	۳۵
385	حضرت اسماءؓ	۳۶
406	حضرت رابعہؓ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا	۳۷
423	صحابی رسول حضرت ضرار بن ازور اور آپ کی مجاہدہ بہن	۳۸
431	حضرت جنید بغدادیؒ اور راحلہ	۳۹

مثالی خواتین اسلام ایمان افروز کاوش

خواتین اسلام کے کارناموں سے کون آگاہ نہیں۔ اہمات المؤمنین تو انتہائی معزز اور سر بلند امتیاز تھیں ان کے زمانے میں اور آنے والے ادوار میں بھی خواتین اسلام کے کارناموں سے کئی زمانے فیضیاب ہوتے رہے۔ محدث ماں بھی ہے، بہن بھی ہے اور بیٹی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ عورت کا وہ بھی ہے، سلمیٰ شخصیت بھی ہے، علم و عمل کا نمونہ بھی ہے۔ اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عورت سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء ؑ ہو تو ان کی گود میں امام حسن ؑ اور امام حسین ؑ ہی پلے ہیں۔ خواتین نہ صرف خود تاریخ اسلام کا اعزاز تھیں بلکہ انہوں نے آنے والی سطوں کی اس اعزاز سے تربیت کی کہ وہ آنے والے ادوار میں ستاروں کی طرح جگمگاتے نظر آتے ہیں۔

کیا ہم خواتین اسلام کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ ؑ کے کردار کو فراموش کر سکتے ہیں۔ جب وہ حضور ﷺ کی غلامی میں آئیں تو مکہ کی امیر ترین خاتون تھیں مگر انہوں نے اپنا سب کچھ اپنے آقا و مولیٰ حضور محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نذر کر دیا۔ کیا ہم ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؑ کے کردار کو بھلا سکتے ہیں جن کے مدنی علم کے حلق یہ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتیں تو اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا حصہ وہاں اس تک پہنچنے سے محروم ہوتا۔ اہمات المؤمنین کے پہلو پہلو ساتھی (صحابیہ) کا کردار تاریخی حیثیت رکھتا ہے ان میں سے بالخصوص سیدہ فاطمہ الزہراء ؑ کا کردار جس شخص روشن ضرور بڑ رہا ہے اقبل کے لشکروں میں:

مدرغہ تسلیم را حاصل بقول

ملوای را ائوہ کامل بقول

حضرت فاطمہ بنت اسد، حضرت ام الفضل، حضرت ام عمارہ، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، سیدہ زینب بنت علی، حضرت خنساء، حضرت ام معبد، حضرت حلیمہ سہدیہ، حضرت سمیہ (سلام اللہ علیہا) سمیت بے شمار خواتین اسلام تاریخ اسلام کا اعزاز نبی ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان عظیم المرتبت خواتین والا مرتبت کے کارناموں کو زیادہ سے زیادہ عوام الناس تک پہنچایا جائے۔ دورِ حاضر مادیت کی تاریکیوں کا دور ہے۔ عوام الناس اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ انہیں روشنی کی کوئی تازہ کرن نظر نہیں آتی۔ ایسے پریشان کن دور میں ان عظیم خواتین محترم کے کارناموں کو عام کرنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے نہ صرف گھر کی چار دیواری میں عشقِ مصطفیٰ (ﷺ) اور کردارِ رسول ﷺ کے اُجالے بکھیرے بلکہ ضرورت پڑی تو میدانِ جہاد میں بھی دشمنانِ اسلام کو لٹکارتی ہوئی بہترین جذبہٴ عمل سے کام لینے لگیں۔ آج اسلام کا رُخ روشن ان کے کارناموں فیضیاب ہو رہا ہے۔

میرے لئے یہ امر بے پناہ مسرت اور خوشی کا باعث کہ میرے محترم بھائی، معروف نعت گو شاعر اور نامور محقق پروفیسر محمد اکرم رضا کی اس حوالے سے مرتبہ کتاب ”مثالی خواتین اسلام“ کے نام سے منظرِ عام پر آرہی ہے۔ میں نے یہ تحریر ایک سال پیشتر لکھی تھی اور اس وقت سے مسلسل اس کی اشاعت کا فخر ہوں۔ میرے ساتھ محبِ کرم پروفیسر جعفر بلوچ نے بھی ایک خوبصورت تحریر ارسال کی تھی۔ ہم دونوں پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعتیہ محققانہ اور ادبی کاوشوں کا اکثر تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم تینوں کا ساتھ بڑا پرانا ہے۔ ماہنامہ ”شام و سحر“ کے نعت نمبر اور ماہنامہ ”حمایت اسلام“ کے صفحات اس کے گواہ ہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا گونا گوں ادبی اور علمی مناصات کے مالک ہیں۔ ادیب ہیں

خطیب ہیں، شاعر ہیں، محقق ہیں، نامور انشاء پرداز ہیں۔ تاریخِ انسانیت خاص طور پر تاریخِ اسلام پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ گویا نواز کے ایک دورِ اقامتہ گاؤں (کوٹلی نواب) میں ایک علمی گہرانے میں جنم لیا اور ابھی ساتویں آٹھویں جماعت ہی میں تھے کہ ملک کے اخبارات اور رسائل و جرائد میں چھپنے لگے۔ چالیس سال سے زائد عرصے سے لکھ رہے ہیں۔ آج ایک زمانہ ان سے فکری راہنمائی لے رہا ہے۔ فی البدیہہ اور برجستہ لکھنے میں اپنی مثال آپ ہیں، جس کا میں نے بارہا مشاہدہ کیا۔ ”مجلسِ اردو“ کے مشاعروں میں کئی بار اچانک چلے آتے، طرحِ مصرعہ کی خبر نہیں، جب انہیں بتایا جاتا تو مشاعرہ کے دوران میں ہی لکھنے بیٹھ جاتے۔ آخر میں جب ان کی باری آتی تو غزل یا نعت کھل کر کے سُنا رہے ہوتے اور داد بھی وصول کر رہے ہوتے۔

تحقیق و تنقید میں خوب نام پیدا کیا۔ آج ماہنامہ ”شام و سحر“ کے نعتِ نبویوں کے ادبی اور تحقیقی کام کا ایک زمانہ محرف ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضوانے ان نعتِ نبویوں کیلئے خوب خوب لکھا۔ مجھے علم تھا کہ جب نعت کے حوالے سے سٹری مضامین اور تحقیقی شہ پارے منظر عام پر نہیں آ رہے تھے تو یہ اس وقت سے بہت پہلے بھی ماہنامہ ”نبیائے حرم“ لاہور اور اس نوعیت کے دوسرے جرائد میں لکھ رہے تھے۔ میں نے مرحوم راز کا شبیری کی معرفت ان سے رابطہ قائم کیا اور اپنے رسالے کیلئے لکھنے پر آمادہ کیا۔ آج میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ کئی مضامین ایسے ہوتے ہیں جن پر دوسرے انشاء پرداز لکھتے ہوئے جھجکتے تھے مگر میں نے بعد اصرار جب ان سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے لکھنے کی حامی بھر لی اور ایسا خوبصورت مضمون لکھا کہ نعتِ نبوی کا اعزاز بن گیا۔ پروفیسر صاحب ایک مردِ مسلمان ہی نہیں، صحیح معنوں میں مردِ مومن ہیں۔ ویسے میں اس خیال کا حامی ہوں کہ اچھا مسلمان وہی ہوتا ہے جو مردِ مومن کے تقاضوں پر پورا اترتا



ہو۔ میرا اُن کا ساتھ قریباً پچیس سال سے زیادہ کا ہے۔ میں نے کبھی انہیں قارغ نہیں بیٹھنے دیا۔ جب ماہنامہ ”شام و سحر“ کے بعد ماہنامہ ”الجامعہ“ اور ماہنامہ ”حمایتِ اسلام“ کیلئے خصوصی مضمون درکار ہوتا تھا تو ان کیلئے میرا ایک فون یا ایک خط ہی کافی ہوتا تھا۔ جب تک میری صحت برقرار رہی اور قمر طاس و قلم کے رشتہ سے آشنائی رہی تو پروفیسر محمد اکرم رضا اور میں لازم و ملزوم ہوتے تھے۔ اب تو بیماریوں نے وبال لیا، بہر حال محبت کا دو طرفہ سلسلہ اسی شان اور وقار سے جاری ہے۔

میں یہ سطور محبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں لکھ رہا بلکہ حق تو یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ و سوانح اور تنقیدِ نعت پر اتنا کام کیا ہے کہ برصغیر میں اپنی مثال آپ ہیں۔ یہ میری محبت کی نظر نہیں بلکہ عہدِ حاضر کا اعتراف ہے۔ یوں تو انہوں نے کوئی میدان بھی نہیں چھوڑا، غزل، نظم، نثر اور نعت تمام اسالیب میں تنقید کا پرچم سر بلند رکھا مگر نعت کے میدان میں ان کی تحریروں کی ادبی افغان ہے۔ تصوف اور روحانیت سے ان کا گہرا رشتہ ہے۔ اس کا سبب ان کا کثیر مطالعہ اور گھر کا ماحول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف اور اہل تصوف کے حوالے سے ان کی کئی کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

زیرِ نظر تصنیف میں انہوں نے نامور خواتینِ اسلام کو جی بھر کر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ تاریخ نگاری بذاتِ خود مشکل امر ہے۔ اس میں جب عظیم ترین شخصیات کا ذکر چھیڑنا ہو تو اذ حدِ احتیاط لازم ہوتی ہے۔ سنین اور زمانوں کی تحقیق، شجرہ ہائے نسب کے حوالے سے شدید محنت، حالاتِ زندگی میں صداقت کے ساتھ ساتھ احترام کے جذبے کو ملحوظِ خاطر رکھنا، تاخذ و مراجع سے درست راہنمائی لینا، حوالہ جات کی صحت کا خیال رکھنا ان کی تحقیق کا خاصہ ہے۔ کسی محبوبِ شخصیت کی محبت و عقیدت کا غیر معمولی شکار ہو کر حقائق سے دامن چڑا جانا یا کسی شخصیت کے بارے میں تعصب کا شکار ہو کر تاریخ کے

اصل حائق کو مسخ کر دینا، مؤرخ کے شایانِ شان نہیں۔۔۔۔۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذہن اور قلم کو افراط و تفریط کا شکار نہ ہونے دے اور جس شخصیت کو خدائے کریم نے جس قدر بلند رتبہ سے نوازا ہے اس میں کمی نہ آنے دے اور پھر جلیل القدر خواتینِ اسلام اللہ اکبر! سر بلندی ہی سر بلندی، وقار ہی وقار، عظمت و صحت کی جلوہ گری پائیزگی اور صالحیت کا جمال اور پھر ان صحابیات کا تذکرہ جنہوں نے آگئے دو عالمہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور بار بار کی زبانِ رسول ﷺ سے دعائیں لیں۔ محبوبِ خدا ﷺ کی رحمتوں سے اپنا دامن بھر لیا اور پھر سلطانِ عرب ﷺ کی تعلیمات سے دلوں کو آباد کیا اور آنے والے ادوار میں تعلیماتِ رسول ﷺ کے فروغ اور اشاعت کا اہم ذریعہ ثابت ہوئیں ان کا تذکرہ حسنِ بیان کا اعزاز نظر آتا ہے۔

اُتھاتِ المومنین کی غیر معمولی فہم و فراست اور بلندیِ درجات۔ حضرت اُمّ معبد کی زبان سے سراپائے حضور سرورِ کونین ﷺ حضرت علیہ سیدیہ کی شفقتیں، حضرت اسماء بنتِ صدیق اکبر کی جانثاری، سیدہ فاطمہ بنتِ علیؓ خیر خدا کا کر بلا سے لے کر کوفہ اور دمشق کے درباروں میں شانِ خلافت کے ساتھ پیغامِ حق سنانا۔ حضرت اُمّ سلیم کی حقیقتِ باریاں، حضرت اُمّ الفضل کا جذبہٴ عشقِ رسولِ نباتِ رسول کے غیر معمولی کردار کی جھلکیاں، مادرِ رسول سیدہ آمنہؓ طیبہ طاہرہ کی اپنے ننھے محمد (ﷺ) سے محبت کی دلائلِ بیزبیاں، حضرت اُمّ عمارہ کی دلیری و شجاعت اور پھر میلہ کذاب کے مقابلے میں ڈٹ جانا۔ میدانِ اُحد میں صحابیاتِ رسولِ اکرم ﷺ کا جذبہٴ ایثار و خدمت، صحابیاتِ رسولِ اکرم ﷺ کا بالخصوص فروغِ تعلیماتِ مصطفویٰ ﷺ کے حوالے سے کردار، اُتھاتِ المومنین کا آپس میں محبت آمیز برتاؤ، رجسٹروں کا وجود اور پھر ان رجسٹروں کا انتہائی پیار و محبت میں تبدیل ہونا، صحابہ کرام کا اُتھاتِ المومنین اور دیگر محترم صحابیات



سے ایمان آفریں سلوک۔ غرض تاریخ اور سیرت نگاری کی انٹ روشنی چاروں طرف بکھری ہوئی نظر آ رہی ہے۔ کتاب میں بڑی تعداد میں عالی مرتبت خواتین اسلام کا تذکرہ ہے۔ بعض کا تحصیل اور بعض کا مختصر۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک تاریخی شاہکار کا درجہ حاصل کر گئی ہے۔

مجھے یہ سوچ کر غیر معمولی روحانی خوشی کا احساس ہوتا ہے کہ پروفیسر محمد اکرم رضا کا قلم جس طرح شاعری اور تنقید نگاری میں رواں دواں ہے اسی طرح تاریخ اور سیرت کے حوالے سے بھی ان کا ذہن اسی برق رفتاری سے سوچتا اور ان کا قلم اسی جذباتی تیز رفتاری کے ساتھ لکھتا ہے۔ میں نے ان سے درجنوں مضامین لکھوائے، فتوانات اور مسدراجات مختلف حقے مگر انہوں نے ہر مضمون کو تحقیقی تکمیل کا درجہ عطا کر دیا۔ بھی کمال اس مسخر کتاب میں بھی نظر آتا ہے۔ ذہن کی زرخیزی، مطالعہ کی وسعت، الفاظ کی سدا بہاری، فقرات کے جمال اور تحقیق کے کمال نے ان کی تحریروں کو تاریخ و تحقیق کے ساتھ ساتھ ادبی انتہاء پر دازی کے نادر نمونہ بھی بنا دیا ہے۔ بلاشبہ یہ اعزاز بہت کم افراد کو نصیب ہوتا ہے کہ تمام ادبی میدانوں میں یکساں مہارت کے ساتھ فکری خامہ فرسائی کر سکیں۔ لکھنے کو تو آدمی ہر میدان میں دو چار تحریریں لکھ لیتا ہے مگر پروفیسر محمد اکرم رضا کی طرح علم و ادب کے اتنی بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے صحراؤں کو ادبی گل ہائے صد رنگ سے بھر دینا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اس پر یہ لائق تحسین بھی ہیں اور اعترافِ عظمت کے حقدار بھی۔

آج اگر ہم پھر سے عہدِ باطنی کی شان و شوکت کو دیکھنا چاہتے ہیں، اگر پھر سے عظمتِ رفتہ کو لوہنا چاہتے ہیں، اگر ہم پھر سے حضور نبی اکرم ﷺ کے لافانی دورانی جھلکیاں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہماری خواتین کو ان خواتین اسلام کے کارناموں سے روشنی

لینا پڑے گی جن کا کردار اہل لای اُجالا تھا جن کا اُسوہ پاک ان کی اولادوں کے لئے حسین ترین مثال تھا اور جن کے لادروال کا نام آج ہماری تاریخ کا جگمگا تاباں ہے مگر اس باب کو صرف تاریخ کے صفحات ہی تک رہنا نہیں چاہئے بلکہ نسل کو کس جگہ رہے باب سے عملی راہنمائی لینا ہوگی۔

پروفیسر محمد اکرم رضا نے تاریخ و سیرت اور تحقیق کی خشک دلیلوں میں سفر کرتے ہوئے بھی ادبی جمال آفرینیوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں نے خواتین اسلام کی سیرت کے تمام مضامین دیکھے ہیں مجھے ان میں ادبی چاشنی اور انشاء پر دلاوی کے دلکش نمونے جھلکتے نظر آتے ہیں۔ میں اس ضمن میں چند طور اس مضمون سے چسپ کرتا ہوں جو مصنف نے فقر کو نین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ اور ہمارے لئے انتہائی محترم شخصیت سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے اس مضمون کی ابتدائی طور ملاحظہ کیجئے۔

”حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے مقدر پر بزم ہستی تابانہ ناز کرتی رہے گی۔ صورت دلاویز تو سیرت مہکھار نہایا مشرم کی ذرہ بھر تصویر دور شباب شروع ہوا تو لگا ہوں نے جھکا سیکہ لیا ہر وقت لگا ہوں پر چلوں کی ہمارا رہتی انسی حسین و جمیل کہ بلند مرتبہ گھرانوں کے رشتے آتے مگر والدین صاف انکار کر دیتے۔ دراصل تقدیر کو یہی منظور تھا کہ سیدہ آمنہ کو ام محمد (ﷺ) کا شرف حاصل ہو اور جہاں اس شرف کی بات چلے پھر والدین کی لگا ہوں میں دوسرا کون چلتا۔“

سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ کے خاوند محرم حضرت عبداللہ (شاہی سے پہلے) کے حوالے سے ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت عبداللہ کی پرنسوزیا کیزہ اور ہاکردار جوانی نے ایک زمانے کو آپ کا



گردیدہ بنا دیا تھا۔ ہر صرے گزرتے مکہ کی دولت مند حسینائیں اپنی پلکیں آپ کے راستے میں بچھائے آپ کا انتظار کرتیں۔ بعض کی ہوس انگیز نگاہوں میں گناہ و معصیت کی ترغیب ہوتی اور بعض کمال کر شادی کرنے کا اظہار کرتیں مگر آپ شرعیہ لڑکوں کی طرح شادی کا پیغام دینے والیوں سے فرماتے کہ ایسی باتیں مجھ سے نہ پوچھو یہ معاملات میرے والد محترم اور بزرگوں سے قطع رکھتے ہیں۔“

فرض پوری کتاب میں جہاں گنجائش محسوس ہوتی ہے پروفیسر صاحب اپنی ادبی دلاویزی سے حقیقت اور ارادت کا سامان مہیا کر دیتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ یہ کتاب صرف خواتین ہی کیلئے طبع راہ ہدایت نہیں ہوگی بلکہ اس سے مردوں کو بھی خواتین سے بہترین برتاؤ اور اولاد کی اعلیٰ ترین انداز سے تربیت کا پیغام ملے گا۔

دعا ہے کہ رپ کریم پروفیسر محمد اکرم رضا کی اس علمی اور تحقیقی کاوش کو قبول فرمائے اور یہی قبولیت ان کیلئے بخشش و رحمت کا عظیم گوشہ ثابت ہو۔ (آمین)

خالد شفیق

سابقہ مدیر ”ماہنامہ شام و سحر“

ماہنامہ ”حمایت اسلام“

۲ جنوری ۲۰۰۸ء

لاہور

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

جنابِ آمنہ کی شان دو جگہ سے زالی ہے
 حسینِ فرزندِ ان کا جانِ جاں ہے سب کا والی ہے
 زالی صبحِ قحطی، نئے فرشتوں نے سنائے تھے
 کہ اُن کی گود میں سرکارِ دیں تحریف لائے تھے
 جہاں بھر کی حیثیتوں کو اُن پہ رشک آتا تھا
 بنیں یہ مادرِ احمدِ مُقَدَّرِ مجُومِ جاتا تھا
 شہِ دیں کی ولادت پر سراپا نورِ قحطی دُنيا
 مُنَوَّرِ اُن کا گھر تھا اور مثالِ طورِ قحطی دُنيا
 ہوئے پیدا محمدؐ بھک گیا فقیم کو عالم
 بھکا کعبہِ ادب کو ہو گیا شیطان کا سرِ غم
 جنابِ آمنہ ' جانِ کرمِ سرکارِ کی ای
 جنابِ آمنہ کوئین کے عطر کی ای
 خدا نے اے رضا اُن کو بڑا اعزاز بخشا ہے
 شفیعِ عاصیاں سا خلق کا دسارِ بخشا ہے



سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے مقدر پر بزمِ استی تابدناز کرتی رہے گی۔ صورت و لادیز تو سیرتِ مہکبار۔ نہایت پاکیزہ ماحول میں پرورش پائی۔ خاندانِ حسب و نسب اسلافِ سب کے سب سر بلند حیا و شرم کی زونگار تصویرِ دورِ شباب شروع ہوا تو نگاہوں نے جھٹکا کچھ لیا کم گنگو کرتیں ہر وقت نگاہوں پر پلکوں کی ہمار رہتی ایسی حسین و جمیل کہ بلند مرتبت گھرانوں کے رشتے آئے مگر والدین صاف انکار کر دیتے۔ دراصل تقدیر کو یہی منظور تھا کہ آمنہ کو ام محمد ﷺ کا شرف حاصل ہو اور جہاں اس شرف کی بات چلے پھر والدین کی نگاہوں میں دوسرا کون چٹا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے نسب نامہ کی طہارت کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے:

”اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رگوں میں خفل فرماتا رہا۔ ہر آنکھ سے پاک کر کے ہر آنکھ کی سے صاف کر کے۔ جہاں کہیں دو شاخیں پھوٹیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شاخ میں خفل کیا جو سب سے بہتر تھی۔“

جب حضرت عبداللہ جوان ہوئے تو خوبصورتی اور رعنائی میں اپنی مثال آپ تھے۔ نگاہوں میں عورتوں سے بھی زیادہ حیا تھی۔ چہرے پر ہر لمحہ انوار و رقصاں رہتے تھے۔ آپ حضرت عبدالطلب کے سب سے چھوٹے اور سب سے پیارے فرزند تھے وہ بھی انہیں نگاہوں سے ادجمل نہ ہونے دیتے۔ گاہے گاہے تجارتی قافلے کے ہمراہ بھیج دیتے جہاں سے وہ ہمیشہ کامیاب معاملات کر کے واپس لوٹتے۔ حضرت عبداللہ اس لئے بھی بہت زیادہ عزیز تھے کہ یہ ایک سو سرخ اُونٹوں کا فدیہ بارگاہِ الہی میں پیش کر کے دوبارہ حاصل ہوئے تھے۔ آپ نے قسم کھائی تھی کہ اگر خدا نے مجھے دس بیٹے عطا کئے تو ایک اللہ کی راہ میں قربان کروں گا۔ جب حضرت عبداللہ جوان ہو گئے اور بیٹوں میں



”حضرت عبداللہ قریشی میں ایک تابندہ نور تھے اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ قریش کی عورتیں ان کے دامِ محبت میں اسیر تھیں اور قریب تھا کہ ان کی محبت میں ہوش و حواس کھو بیٹھتیں۔“

لیکن حضرت عبداللہ کی شرکیں لگاؤں بھی رتھیں۔ مکہ کی کئی دو شیرازوں کے ہاتھ سے صبر کا دامن ہار ہار بچھوٹ جاتا تھا۔

حضرت عبدالطلب کو اپنے صاحبزادہ عبداللہ کے حسن و جمال اور پاکیزہ کردار و شخصیت کا اعلاہ تھا اس لئے آپ بھی ان کیلئے ایسی ہی بیوی اور گھر کیلئے ایسی ہی بھوکى تلاش میں تھے جو حسن و جمال میں یکساں، کردار و سیرت میں بے مثال، صفت و صحت اور پاکیزگی و پاکہیزی کا دلکش نمونہ ہو۔ آپ کی فطرت شناس نظروں نے بنو زہرہ خاندان کے سردار و ہب بن عبد مناف بن زہرا کی نورِ نظر اور بیاری صاحبزادی ”آمنہ“ کا انتخاب کیا۔ آپ و ہب کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے اپنے سب سے پیارے بیٹے عبداللہ کیلئے آمنہ کا رشتہ مائل۔ و ہب نے دیکھا کہ مکہ سے بنو ہاشم کے سردار عبدالطلب ان کے گھر تشریف لے آئے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اس خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا پھر جلد ہی تقریب نکاح انجام پذیر ہوئی اور آپ اپنے عظیم المرتبت سر کی نگرانی میں اپنے شوہر نامدار کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگیں۔ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کی ازدواجی زندگی بڑی راحت اور سکون کے ساتھ گزر رہی تھی۔ حضرت عبداللہ نے شادی ہوتے ہی ایک عجیب انتخاب دیکھا کہ جو عورتیں آپ پر مرتی تھیں۔ آپ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے توجہ ہی نہ کی۔ آپ نے ان کی اس بے اعتنائی پر ان سے استفسار کیا تو ان میں سے بعض نے کہا ”عبداللہ ہمیں تمہاری نہیں اس نور کی حاجت تھی جو تمہاری پیشانی کا مقدر بنا ہوا تھا لیکن آج وہ نور



تہاری پیشانی پر نہیں جکڑا رہا بلکہ وہ کسی اور کا (سیدہ آمنہ) مقدر بن چکا ہے۔

سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ ابھی اس خوش بخت جوڑے کی شادی کو دو تین دن ہی گزرے تھے کہ حضرت آمنہ تک ہاتھ فسمی کی پی آواز دیکھنے لگی۔
 ”آمنہ تم حاملہ ہو اور تمہارے وطن مقدس میں اس اُمت کا سردار تشریف فرما ہوا ہے۔“

شادی کو چھ عوامہ گزرے تھے کہ حضرت عبداللہ کو ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ملکِ شام جانا پڑا۔ حضرت آمنہ تڑپ کر رہ گئیں۔ یہ محبوب خاوند سے جدائی کا پہلا موقع تھا مگر حضرت عبداللہ مسلسل تسلی دیتے ہوئے ملکِ شام کو روانہ ہو گئے۔ تجارتی اُمور سے فارغ ہو کر جب آپ مکہ جانے کیلئے روانہ ہوئے تو مدینہ پہنچ کر آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی اس لئے وہ اپنے نہال میں رک گئے مگر بیماری نے طول پکڑا اور آپ ایک مہینہ وہاں بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ اس انتقال کی خبر سے دوسروں کو تو صدمہ ہوا ہی ہوگا مگر سیدہ آمنہ کے دل پر قیامت بیت گئی۔ جوانی کا عالم ہیٹ میں عبداللہ کی امانت ہے اور یہ امانت پیدائش سے پہلے ہی جیم ہو گئی ہے۔ آپ نے اپنے عظیم خاوند کی المناک وفات پر دردناک مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

”بطلما وادی کے کنارے نے ہاشم کے بیٹے کو موت کی خیمہ سلا دیا۔ وہ مختلف

پردوں میں لپٹا ہوا مکہ سے باہر لحد کا پڑوسی بن گیا۔ موتوں نے اُسے اچانک و موت دی جسے اُس نے قبول کر لیا اور موت نے لوگوں میں ہاشم کے بیٹے کا کوئی حل نہیں دیکھا۔
 عشاء کے وقت جب اس کے دوست اس کی چار پائی کو اٹھا کر لے جا رہے تھے تو وہ انہو کی وجہ سے باری باری کند حابل رہے تھے۔ اگرچہ موت اور اُس کی مشکلات نے اُس کو چھوٹا کر دیا ہے لیکن وہ درحقیقت بہت بڑی اور رحم کرنے والا تھا۔“



مَلَّامَ احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”تسیر و الترویہ“ میں لکھتے

ہیں:

”حضرت امین عباس ؑ سے مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو فرشتوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے ہمارے الہ! اے ہمارے سردار! حیرانیِ حقیقہ ہو گیا، اُس کا باپ نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ ہم اس کے محافظ اور مددگار ہیں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا ”میں اس کا دوست ہوں، ہمدان ہوں، اُس کی مدد کرنے والا ہوں، اُس کو رزق دینے والا ہوں اور ہر بات میں اُس کیلئے کافی ہوں۔“ تم اس پر مدد پڑھا کرو اور اس کے نام سے برکت حاصل کیا کرو۔“

حضرت عبداللہ ؑ کی وفات کے بعد سیدہ آمنہ ؑ اپنے مُحَرَّم سُر حضرت عبدالطلب کے زیر سایہ ان کے مکان میں تشریف لے آئیں۔ حضور نبی کریم ؐ جب سیدہ آمنہ ؑ کے شکمِ اقدس میں تشریف لائے تو انہیں کسی تکلیف کا احساس نہ ہوا۔ فرماتی ہیں:

”مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں نہ مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوا جو ان حالات میں دوسری عورتوں کو محسوس ہوتا ہے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوا کہ میرے ایامِ ماہواری بند ہو گئے ہیں۔ ایک روز میں خواب اور بیداری کے درمیان تھی کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور اُس نے پوچھا: آمنہ! تجھے علم ہے تو حاملہ ہے اور تیرے بطن میں اس اُمت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہوا ہے اور جس دن یہ واقعہ پیش آیا وہ سوموار کا دن تھا۔“ (الوقادہ ابن جوزی ص ۸۸)

امام زہری ؒ فرماتے ہیں کہ سیدہ آمنہ نے فرمایا ”حمل سے وضعِ حمل تک میں نے کوئی تکلیف محسوس نہ کی۔“ (عیون الاثر)



جوریں ہیں ہم سب بحکمِ خدا تمہاری خدمت کیلئے جنت سے آئی ہیں۔“

پھر فرمایا کہ ”اللہ نے میری آنکھوں سے پردہ ہٹایا، پس میں نے دنیا کے مشرق و مغرب دیکھ لئے اور تین جہنم بھی دیکھے۔ ایک جہنم مشرق میں گڑا تھا دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی چھت پر اس کے بعد حضور ﷺ پیدا ہوئے۔“

(مواعظ اللہیہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا گھر نور سے بھر پور تھا ایسا لگتا تھا کہ ستارے آسمانوں سے نیچے اتر رہے ہیں۔ موقعہ پر موجود خواتین کو یوں لگا جیسے یہ ستارے ان پر گر پڑیں گے۔ حضور سرِ پائوڑ بن کر پیدا ہوئے۔ آپ کے ساتھ کسی قسم کی آلائش نہ تھی آپ بالکل پاک و صاف اور نفیس و لطیف پیدا ہوئے۔ (مواعظ اللہیہ: بحمد اللہ علی العالمین)

ع..... آگیا وہ نور والا جس کا سارا نور ہے

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ کا اشارہ پا کر حضرت عبدالمطلب کو اطلاع دینے کیلئے ایک آدمی بھیجا گیا۔ اس وقت آپ حلیم میں اپنے بیٹوں اور اپنی قوم کے مردوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ کی ولادت کی خبر پاتے ہی آپ کی خوش و مسرت کی کوئی حد تک نہ رہی۔ آپ حضرت آمنہ کے پاس آئے۔ حضرت آمنہ نے حضور ﷺ کی ولادت کے وقت جو انوار و تجلیات دیکھے تھے اور جو آوازیں سنی تھیں ان کے بارے میں سب کچھ عرض کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب حضور ﷺ کو لے کر کعبہ شریف میں گئے۔ وہاں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور جو انعام اس نے فرمایا تھا اس کا شکریہ ادا کیا۔ ابنِ ابی نعیم کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی زبان پر یہ اشعار تھے البدیہ

جاری ہو گئے جن کا ترجمہ راجپوتوں نے:

☆ "سب تو نہیں اللہ کیلئے جس نے مجھے پاک سمجھو وہ سچا مغرباً"

☆ ”یہ اپنے بھگسوزے میں مارے پھل کا سردار ہے“ میں اسے جیت لے
شریف کی پتاہ میں دیتا ہوں۔“

☆ یہاں تک کہ میں اس کو طاقتور اور توانا دیکھوں، میں اس کو ہر دشمن اور ہر ماسخ
آنکھوں کھانے والے کے شر سے اٹھ کی پتہ میں دیکھوں۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب یہاں پہنچے تو خون تھے اور ہاتھ کٹی ہوئی تھی۔ یہ معلوم کر کے حضرت عباسؓ کو بلا لیا اور فرمایا لیکھو تو؟ یہی خانہ کسرے اس بچے کی بی بی تھیں۔

حضرت مطلب نے آپ کا نام ”مُحَمَّد“ رکھا۔ عجب ولادت کی خوشی میں قریش اس بات کو نہ بھولے کہ حضرت عبدالطلب سے پوچھتے کہ انہوں نے اپنے بچے کا نام محمد (ﷺ) کیوں رکھا ہے؟ اپنے آباؤ اجداد کے نام پھونک کر عرب معاشرہ میں یہ نام معروف نہیں تھا۔ امام مکی رحمۃ اللہ علیہ طبع فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت سے قبل ہمارے عرب میں صرف تین آدمی اس نام سے مشہور ہوئے۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مہدالمطہ کا ایک خواب بھی نقل کیا ہے جسے قیروانی نے کتاب الامکان میں نقل کیا ہے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی پشت سے ایک زنجیر نکلتی ہے اس کا ایک سرا آسمان سے اور دوسرا زمین سے متصل ہے۔ پھر یہ زنجیر ایک درخت کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس کے ہر چے پر ایک نور ہے۔ اہل شرق و مغرب اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ حضرت مہدالمطہ نے یہ خواب ایک مہجر کو سنایا تو اس نے یہ تعبیر بیان کی کہ



”آپ کی نسل میں ایک بچہ پیدا ہوگا“ مشرق و مغرب والے اس کی اتباع کریں گے اور ارض و سما والے اس کی تعریف کریں گے۔“

حضور ﷺ کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کی اہم ذمہ داری پوری ہو گئی ہے مگر ابھی اس بچے کی تربیت باقی تھی۔ آپ صحرا سے آنے والی عورتوں کے انتظار میں تھیں جو بچوں کو شہر کی آلودہ فضا سے دُور صحرا میں لے جاتی تھیں۔ آپ نے حضرت عبداللہ کے کھمال کا جو غم کھایا تھا اس سے آپ کا دودھ بھی خشک ہو گیا۔ اس کے بعد ابولہب کی لونڈی ثویبہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا۔ چند دنوں بعد قبیلہ بنو سعد کی عورتیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نوہال کے پاس پہنچ گئیں لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ یتیم ہے تو داہیں لوٹ آئیں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمات پر انعام و اکرام سے نوازے گا۔ بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کریں گے؟ حضرت حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ جب میرے سوا ہر ایک کو بچہ مل گیا اور ہم نے خالی ہاتھ داہیں جانے کا ارادہ کر لیا تو میں نے اپنے خاوند سے کہا ”میں خالی گود نہیں جاؤں گی“ قسم خدا کی میں جاتی ہوں اور اسی یتیم بچے کو لے آتی ہوں۔ خاوند نے رضامندی ظاہر کر دی۔ تم لے آؤ ہو سکتا ہے اللہ ہمیں اُسی سے برکت عطا کر دے۔

اور پھر احادیث اور تاریخ اسلام کے شواہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کے گھرانے پر وہ فضل ہوا جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاوند آئے تھے تو ان کے ساتھ لاغر اونٹنی اور لاغر گدھی تھیں۔ مریل اونٹنی کے قہن خشک تھے۔ دونوں جانور ہی مریل تھے مگر جب یہ ننھے محمد ﷺ کو لے کر چلیں تو ان کے جانور یکھٹ فریبہ ہو گئے۔ سامنے کی خشک گھاس سرسبز و شاداب ہو گئی۔ لاغر اونٹنی کے فریبہ ہوتے ہی اس کے قہن دودھ سے بھر گئے جب یہ جانور چلے تو اتنا تیز



چلے کہ بھروسے زمین سستی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ تندرست و توانا جانوروں کی مالک دایاں اس انقلاب پر حیران تھیں۔ یہ انقلاب ذاتِ محمد کے سبب سے وجود میں آیا تھا جسے حضرت علیہ السلام یہ سمجھنے لگ گئی تھی۔ نئے حضور ﷺ نے ان کے گھر میں قدم رکھے تو ان کی لاغر بکریوں پر گوشت آگیا۔ تھنوں سے دودھ کے قطرے پھٹنے لگے۔ حضرت علیہ السلام کی چھاتیاں دودھ سے لبریز ہو گئیں۔ پیارے محمد ﷺ بھی جی بھر کے پیچے اور حضرت علیہ السلام کے اصرار پر بھی دوسری چھاتی اپنی رضاعی بہن کیلئے چھوڑ دیجے۔ گھر میں رزق کی فراوانی ہو گئی۔ غربت نے آسودگی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ وہ اور ان کے پیچے حضرت محمد ﷺ کو ایک ہل بھی اپنے آپ سے جدا نہ ہونے دیجے۔ دو تین سال گزرے تو نئے محمد ﷺ کا جسم مضبوط تر ہو گیا، خوبصورت نکنگو فرماتے۔ حضرت علیہ السلام ان کو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے ملانے کیلئے مکہ لائیں تو سیدہ آمنہ کے دل و جان میں خوشیوں کی لہر بھر گئی مگر ابھی حضرت علیہ السلام اپنی اُنسیت کی پیادہ پر انہیں اور اپنے پاس رکھنا چاہتی تھیں اس لئے مکہ کی مسموم فضا کا ذکر کر کے محمد ﷺ کو واپس قبیلہ بنو سعد میں لے آئیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کی یاد میں تڑپ رہی تھیں۔ بیٹے کو دیکھا تو قرار آ گیا۔ وہ اسے خود سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر علیہ السلام کا اصرار دیکھ کر اجازت دے دی اور پھر سے خوابوں کی دنیا میں کھو گئیں۔ ادھر حضرت علیہ السلام کی دنیا میں بہاری بہار تھی۔ دن ہفتوں میں اور ہفتے سالوں میں گزرنے لگے جب پیارے محمد پانچ سال سے زائد عمر کے ہو گئے تو ایک دن حضرت علیہ السلام کے بیٹوں نے بتایا کہ ہمارے قریبی بھائی کو دو حوسورت آدمیوں نے لٹا کر ان کا سینہ چاک کر دیا ہے۔ حضرت علیہ السلام یہ سن کر لرزتی کانپتی پریشان حال وہاں پہنچیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے۔ انہوں نے میرا سینہ چاک کیا، آپ زحرم سے میرا دل دھویا اور اسے پھر دیں رکھ کر میرا سینہ سی

دیا۔ تمام واقعہ سن کر حضرت علیہ سہیہ ﷺ کو حیرہ یقین ہو گیا کہ عمر انتہائی عزت اور شرف والی غیر معمولی شخصیت ہیں۔ پھر آپ نے یہودیوں کو آپ کی طرف اشارے کرتے اور باتیں کرتے سنا تو اس ڈر سے کہ اس مقدس ترین امانت کو نقصان نہ پہنچ جائے، دل پر جبر کر کے سیدہ آمنہ ﷺ کی خدمت میں لے آئیں۔ اب علیہ سہیہ

ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جدائی کے تصور سے مغموم تھیں اور سیدہ آمنہ شاداں و فرماں تھیں کہ اب عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ میرے پاس رہیں گے اور میں ان کے نورانی چہرے میں حضرت عبداللہ ﷺ کے نقوش و صوٹ لیا کروں گی۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت علیہ سہیہ کو اس قدر انعام و اکرام سے نوازا کہ وہ خوشی سے کھل اٹھیں۔ انعامات کی اس فراوانی کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ہم نے حضرت علیہ سہیہ کے حوالہ سے آپ کی رضاعت کے ذکر کو انتہائی مختصر کیا ہے کیونکہ زیر نظر تحریر کا تعلق اُمّ رسول اللہ سیدہ آمنہ سے ہے۔ جب علیہ سہیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لے کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو گھبرائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے تم عمر رضی اللہ عنہ کو لے کر آئیں تو خدا کر کے واپس لے گئیں اب اصل میں کیا معاملہ ہے؟ اصرار پر حضرت علیہ رضی اللہ عنہا نے تمام حیرت انگیز واقعات بیان کر دیئے تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”اے علیہ! کیا تمہیں خوف ہے کہ میرے نورِ نظر کو شیطان کوئی نقصان پہنچائے گا؟ بخدا ہرگز نہیں، شیطان اس کے قریب بھی نہیں جھک سکتا۔ تم دیکھو گی کہ میرے اس بچے کی شان نزالی ہوگی اور میرا یہ بچہ آفتاب بن کر چمکے گا۔ علیہ! کیا میں اس بچے کے بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں؟ علیہ نے عرض کیا: ضرور بتائیے فرمانے لگیں:

”جب مجھے حمل قرار پایا تو عام عورتوں کی طرح نہ مجھے اس کا کوئی بوجھ محسوس ہوا نہ کوئی تکلیف محسوس ہوئی، حمل کے دنوں میں میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے

۔ اندر سے نور خارج ہوا جس کی روشنی میں مجھے شام کے عکالت نظر آئے۔ ولادت کے وقت انہوں نے اپنے دلوں ہاتھ زمین پر لٹکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ اب اسے میرے پاس ہی رہنے دو میں خود اس کی خبر گیری کروں گی۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے تختِ جگر پر خوب توجہ دی۔ اپنی بساط سے بڑھ کر ان کی نگہداشت کی کیونکہ ایک آپ ہی تو اپنی ماں کی آنکھوں کا نور اور آرزوؤں کا مرکز تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مقدس کے اس حصہ پر سیدہ آمنہ کے کردار نے جو اثر مروج کیا اس کا اعتراف سیرت نگار بھی کرتے ہیں۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پروان چڑھایا، خوب چڑھایا۔“ (سیرت ابنِ اشام)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس خصوصی توجہ کی بدولت حضرت محمد ﷺ میں اوائلِ عمری میں عظمت و بزرگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ جب چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ کو آپ کی ذات میں ایک عظیم آدی کی جھلکیاں جلوہ گر نظر آئیں۔ حضرت عبدالمطلب کے والد گرامی حضرت ہاشم نے یثرب کے بنی نجار خاندان کے رئیس عمرو بن لبید کی صاحبزادی سلمیٰ سے شادی کی تھی جس کے وطن سے شیبہ و عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ حضرت ہاشم نے ایک تجارتی سفر میں انتقال کیا۔ حضرت عبد اللہ شادی کے بعد کچھ عرصہ مکہ رہے پھر بغرض تجارت شام گئے۔ وہیں آئے تو بخار نے آلیا اور کچھ عرصہ اپنے والد عبدالمطلب کے نہال میں قیام کیا لیکن طبیعت نہ سنبھلی۔ یہاں تک کہ آپ نے یثرب ہی میں دائمی اُجل کو لبیک کہا۔ اس صدمہ سے حضرت عبدالمطلب اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے دل و جان ایک دائمی الم میں ڈوب گئے۔ انہوں نے تو اپنے خاوند کو حتیٰ بھر کے



دیکھا بھی نہ تھا کہ وہ ہمیشہ کیلئے جُدا کی دے گئے۔ اب جب محمد بن حنفیہؓ ان کے پاس آئے اور حضرت محمد بن حنفیہؓ کو صحت مند و توانا دیکھا تو خیال آیا کہ شرب جائیں۔ اپنے ماہِ و تمام کی قبر کی زیارت کریں۔ ان کا عظیم بیٹا اپنے والد کی لحد دیکھ لے۔ انہوں نے اپنے سُر حضرت عبدالطلب سے اپنی اس دیرینہ خواہش کا ذکر کیا۔ انہوں نے دل پر ہاتھ رکھ کر انہیں اجازت دے دی۔ سیدہ آمنہؓ اپنے ہمراہ نفعیہؓ (مکہ مکرمہ) اور کنیز اُم ایمن کو لے کر شرب روانہ ہوئیں۔ یہ مختصر سا قافلہ حضور ﷺ کے جدِ امجد حضرت عبدالطلب کے تنہا بیٹے بنی ہاشم کے ہاں ہوا۔ وہیں پھر قیام ہوا حضور ﷺ بھی کبھی کبھی اس ماہ کی یادوں کو تازہ کرتے۔ یادوں کو تازہ کرنے کی بات ہجرتِ مدینہ کے بعد کی ہے۔ آپ فرماتے:

”میں اسی مکان میں اپنی والدہ کے ساتھ اتر اٹھا اور میں نے بنی ہاشم بنی ہاشم کے تالاب میں تیرنے کی مہارت حاصل کی تھی۔ اس مختصر سے قیام میں ایک یہودی نے حضور ﷺ کو دیکھ کر آپ کا نام پوچھا۔ آپ نے احمد بتلایا۔ پھر اس نے آپ کی پیٹھ کی طرف دیکھا پھر وہ چلایا ”یہ اس اُمت کا نبی ہے“ پھر وہ اپنے یہودی علماء کے پاس گیا اور انہیں بتلایا۔ سیدہ آمنہؓ کو ظلم ہوا تو ان کے دل میں یہودی کی طرف سے اعدائے جہنم لینے لگے۔ یہودی کے بعد دیگرے آتے تھے اور یہ کہتے ہیں:

”اس اُمت کے یہ نبی ہیں اور یہ جگہ ان کی دارِ ہجرت بنے گی۔“

جب اندیشوں کو عروج آیا تو حضرت آمنہؓ حریدِ قیام کے بجائے مکہ کی طرف چل پڑیں جب ابواء کے مقام کے قریب یہ مختصر سا قافلہ پہنچا تو آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ ابوہشیم نے دلائلِ النبوةؓ میں اسماء بنتِ رہم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری ماں حضرت آمنہؓ کی وفات کے وقت حاضر تھی۔ آپ نے اپنی پالین کے قریب اپنے سوگوارِ عزیزِ عزیز کو دیکھا تو یہ اشعار پڑھے:

ترجمہ: "یعنی میں نے جو خواب میں دیکھا اگر وہ سچ ہے تو آپ تمام لوگوں کی طرف
نہی بنا کر بھیجے جائیں گے۔ کل اور حرام ہر جگہ آپ نہی ہوں گے۔ آپ کو اپنے باپ
ابراہیم کے دین اسلام پر مجبوت کیا جائے گا میں آپ کو قوتوں سے خدا کا واسطہ دے کر
روکتی ہوں کہ آپ دوسری قوموں سے مل کر ان کی دوستی نہ کریں۔"

اس کے بعد سیدہ آمنہ نے حرمہ اور شاد فرمایا:

"ہر زعموت کا حرمہ چمکے گا ہر جی جڑ پھلی ہو جائے گی اور ہر بڑی جڑ قاتل
جائے گی میں تو مردی ہوں لیکن میرا ذکر یہ ہوتا رہے گا میں نے ایک پاک ہلاچ
جنا ہے۔"

حضرت آمنہ ؓ تو نبوی خیرہ کو گئیں لیکن نئے حضور ﷺ کی آنکھوں
سے آنسوؤں کی جھریاں لگی ہوئی تھیں۔ آپ اپنی جان سے ہاتھیں کر رہے تھے۔ پتا
ماجرائے غم جان کر رہے تھے مگر اب آپ کو کھلی دینے والا آپ کے سر پر رحمت کا ہاتھ
رکھے والا کوئی نہ تھا اور ام ایمن ؓ نے سیدہ آمنہ ؓ کے جسد مبارک کو کپڑے سے
لیٹ دیا اور چہرے مبارک پر کپڑا باندھ کر آنکھوں کو بند کر دیا۔ پھر جسدِ خاکی کو اٹھا کر
قرعہ گاؤں ابواء لے گئیں تاکہ وہاں آپ کی آخری آرام گاہ کا بندوبست کیا جائے۔
حضور ﷺ پیچھے پیچھے آرہے تھے جب ان کو قبر میں دفن کرنے کے تو عمر ؓ اپنی
ماں کے ساتھ چٹ گئے۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ یہ معرکہ کچھ لوگوں پر
گر یہ وزاری کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بالآخر حضور ﷺ کو طمہ لے جا کر میت کو سپرد
خاک کر دیا گیا۔

جب ام ایمن اس دُورِ جہیم کو لے کر تک پہنچی تو ماجرا سن کر اہلِ مکہ پر سکھ طاری
ہو گیا۔ یہی عمر ؓ ایک ماہ پہلے سکھاتے ہوئے اپنی امی کے ساتھ بیڑب گئے تھے

اور آج تین عورتیں تھیں اور ماں کی ہمدانی کا بوجھ لے کر واپس لوٹ رہے ہیں۔ حضور علیہ
 الصلوٰۃ والسلام بڑے ہوتے گئے مگر اپنی امی جان کا تصور ہمیشہ دل و جان میں جلوہ گر رہا
 ۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور ﷺ کو حضرت عبدالطلب نے اپنی کفالت
 میں لے لیا۔ آپ کا بے حد خیال رکھتے۔ حرم کعبہ میں آپ کیلئے طہنہ لٹیت بنائی جاتی
 دادا جان کی وفات کے بعد پیارے چچا حضرت ابوطالب نے کفالت میں لے لیا۔
 مشیق چچی قاطرہ بنت اسد نے محبت و شفقت کی انتہا کر دی مگر آپ کو اپنی ماں نہیں بھولتی
 تھی اور ماں بھول بھی کس کو سکتی تھی۔ وہ پاک ہستی اپنی ماں کو کس طرح بھول سکتی تھی۔ جس
 نے دنیا بھر کی ماؤں کو عزت دینے کیلئے ان کے قدموں تلے جنت رکھ دی تھی۔

ابن سعد رحمہ اللہ اپنی طبقات میں روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے عمرہ میں جب
 نبی پاک اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی
 والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ آپ اپنی امی کی قبر پر تشریف
 لائے۔ اسے ہاتھوں سے دُست کیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کی
 کیفیت دیکھ کر صحابہ بھی رونے لگے۔ آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ماں کی
 شفقت یاد آگئی تھی اس لئے میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱)
 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ایک دن نبی کریم ﷺ باہر نکلے
 ہم بھی ساتھ چل پڑے۔ حتیٰ کہ ہم چند قبروں کے پاس پہنچے۔ آپ نے ہمیں وہیں بیٹھنے
 کا حکم دیا اور خود ان قبروں کے پاس سے گزر کر ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور بہت دیر تک
 مناجات میں مصروف رہے۔ پھر آپ کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ یہ دیکھ کر ہم بھی
 رونے لگے۔ پھر حضور ﷺ ہماری طرف تشریف لائے۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ
 عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس کی یاد نے آپ کو رولا لیا ہے۔ آپ نے تو ہمیں بھی رولا دیا۔

آپ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر اشارہ کر کے فرمایا: کیا تم بھی خوفزدہ ہو گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے دو یا تین حربہ پوچھا پھر ارشاد فرمایا: تم نے مجھے جس قبر کے پاس مناجات کرتے دیکھا وہ میری والدہ آمنہ بنت وہب کی قبر ہے میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی اس نے مجھے اجازت دے دی۔ (صحیح مسلم: ۱۱۱، سنن ابوداؤد)

قریش مکہ کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کی قبر کا علم تھا۔ حتیٰ کہ جب بعدہ بنت حُبہ مشرکین کے اس لشکر کے ساتھ ایماء کے مقام سے ٹوڑی جو بدر کے متحلین کا بدلہ لینے کیلئے مدینہ جا رہا تھا تو اس نے حضور ﷺ کو ایذا پہنچنے کیلئے بھر حرب بھی سمجھا کہ ان کی والدہ کی قبر اُکھیز کر وہمہ پاک کا بومیں کر لیا جائے۔ اس بد بخت نے قریش کی حفاظت کے خیال سے اُمّہ (ﷺ) سیدہ آمنہ کے اصحاء کو قریش کی حفاظت کیلئے سب سے بھتر پایا۔ بشام بن ہاشم اسکی روایت کرتے ہیں ”تو بعدہ نے اپنے خادم ابوسفیان سے کہا ”ہمیں (ﷺ) کی والدہ کی قبر اُکھیز کر اصحاء کو بچنے میں کر لینا چاہئے تاکہ اس جنگ میں تم میں سے اگر کوئی قید ہو گیا تو اس کے اصحاء کے بدلے میں اُسے چھرا لیں۔ (تاریخ مکہ نام سیوطی: ۱۱۱)

ابوسفیان نے قریش سے ابھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ بعدہ پر احتجاجی خوف طاری ہو گیا اور اس نے حج کر اپنے خادم سے کہا ”اُسے رہنے دہم پر ہلاکت کا یہ دروازہ مت کھولو۔“

زمانے کے حوادث اپنے نقوش ثبت کرنے لگے۔ اب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور عسکرانی کا پرچم ہر سو لہرا رہا تھا۔ عمر بہت آگے کو بڑھ چکی تھی مگر اپنی والدہ سیدہ آمنہ کی یاد اُن سے محو نہیں ہوتی تھی۔ جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ

ان مقامات سے گزرے جو آپ نے نصف صدی پہلے دیکھے تھے۔ جب آپ نے صدی بن بنجار کے محلہ کو دیکھا تو ارشاد فرمایا ”یہاں میں اپنی والدہ کے ساتھ آیا تھا اور اس گھر میں میرے والد حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے۔“ (طبقات ابن سعد)

جب آپ صدی کے قلعے کے قریب سے گزرے تو آپ کے دل پر رقت طاری ہو گئی۔ فرمایا: یہاں میں اپنے ماموں زادوں کے ساتھ کیلا کرتا تھا اور بنو بنجار کے تالاب میں تیراکی لیکھی۔“ آپ کو اپنی والدہ کی یثرب میں رہائش گاہ ماموں زاد اور اہل جان کے تنہا کے گھر نہیں بھولے۔ یہ سب کیا تھا؟ فقط والدہ محترمہ کی نسبت پاک کا فیض تھا۔ آپ کو اپنا وہ گھر کبھی نہیں بھولا جہاں آپ کی ولادت ہوئی اور جسے آپ کی والدہ کی وفات کے بعد دروازے بند کر کے خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سات برس کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئیں۔ مگر اب پھر ایسا وقت آیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ہر طرف اسلام کا پرچم چمانے لگا مگر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی یادیں آپ کبھی بھی فراموش نہ کر سکے۔

یہ اپنی بیاری ماں سے محبت اور ان کی دلاؤیز یادوں ہی کا ثمر تھا کہ آپ نے کتنی ہی عمر سیدہ عورتوں کو ماں سمجھ کر نوازا۔ آپ نے اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو کئی مرتبہ بہت زیادہ انعامات و اکرامات سے نوازا۔ ان کی بیٹی شیماء بنت حارث کو نوازا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ سے اتنی محبت تھی کہ جس کا ان کی امی جان سے تعلق رہا۔ اُسے تمام ذمہ داریاں نوازا۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے سیدہ آمنہ کو ایواء کے مقام پر دفن کیا۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہے۔ پھر حضرت ام ایمن نے اپنے آنسو پونچھے دُرّ جیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آغوشِ محبت میں لیا اور دونوں کی آنکھوں سے

پھر سے آنسوؤں کے چشمے بہہ نکلے۔ اب ماں کے بدلے ایک سیاہ رنگت والی آنہا مکن حضور ﷺ کو خود سے چٹائے ہوئے تھی۔ خدائے کریم نے پیارے آقا ﷺ کو سیاہ رنگت والی مادرِ شفیقِ امّ مکن ﷺ تھی ہستی صلا کر کے ہمیں جلا دیا کہ یہ وہ نبی ہے جس نے کالے اور گدے کے امتیاز کو ختم کر کے عکسِ تقویٰ اور پیرِ گاری کو ہی بلندی کی سب سے بڑی معراج قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ امّ مکن ﷺ سے کس حدِ محبت کے تھے اس کا اندازہ اس روایت سے کیجئے۔

”نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو کسی کو مار دلائے ہوئے سنا

”اے کالی ماں کے ہے“

تو حضور ﷺ کو یہاں آئے خطبہ نہ پڑھا کرے جو شہر اور غصب سے فرمایا

”خانہ جھک گیا، خانہ جھک گیا، کسی سفید رنگ والے ماں کے بچے کو کسی سیاہ

رنگ والی ماں کے جیے پر کوئی فعالیت نہیں، بھرتھوٹی کے۔ پس عمر (۱۳۸) سفید رنگ والی ماں کا فرزند ہے۔ اس کی پیدائش کالے رنگ والی ماں نے کی ہے۔ پس وہ اس دونوں کا بچہ وقت پڑا ہے۔ (خاتم النسخین ص ۱۳۸)

حضور ﷺ نے تمام مرعرت اہل ایمان ﷺ کو اپنی محکمات جیسا کہ ہوا۔

اپنی والدہ محترمہ طیبہ و طاہرہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے قصور کے حوالے سے حضور
طیبہ الصلوٰۃ والسلام کو بزرگ خواتین سے جنہوں نے کبھی نہ کبھی آپ پر لطف فرمایا تھا
بہت اُلفت ہو گئی۔ ہر گام پر ماں یاد آتی تھی جس نے ابھی ان کے باپ کی جوفنی کا تھی
بھر کا نگار ابھی نہیں کیا تھا کہ خود میں شباب میں آغوشِ لہ میں اتر گئی۔ حضرت طیبہ
سیدہ پر تو آپ نے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے متعدد مرحہ کرم ہاریاں کی۔ آپ کہتے
کرمہ میں یاہ ینہ منورہ میں جہاں بھی رہے جہاں بھی ٹھہرے عیاری ای جان کی یاد میں

آپ سے صلہ نہ ہونے پائیں۔ آپ مکہ میں حضرت زویہؓ سے بھی غیر معمولی لطف و کرم فرمایا کرتے تھے جنہوں نے بچپن میں آپ کو دودھ پلایا تھا۔ یہی حال حضرت خدیجہؓ کے لطف و کرم کا تھا۔

آٹھویں صدی ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف سے فتح و نصرت کے ساتھ لوٹے تو آپ کے ساتھ بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں سمیت چھ ہزار قیدی اور لاکھ اداوت اور بکریاں تھیں۔ ان قیدیوں میں سے ایک نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ان میں آپ کی رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں کیونکہ حلیمہ سعدیہؓ بھی اس قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔“

اس کی اس درخواست پر رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے تصور سے آپ کا دل تڑپ اٹھا اور پہلے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد فرمایا تو آپ کی تقلید میں تمام صحابہ اپنے اپنے حصے سے دستبردار ہو گئے۔ ہزاروں قیدی عورتوں اور مردوں کے ساتھ ان کے جالور بھی انہیں لوٹا دیئے گئے۔ یہ اپنی رضاعی ماں سے تعلق کی کرشمہ سازی تھی۔

جناب محمد ﷺ کو اپنی چچی فاطمہؓ جنتِ اسد کی محبت میں بھی اپنی امی جان کی محبت کی جلوہ گری نظر آتی تھی۔ آپ ان کو بھی اپنی ماں کے بعد ماں تصور کیا کرتے تھے۔ سیرت نگاروں کے مطابق جب حضرت فاطمہؓ جنتِ اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص انہیں پہنائی اور ان کی قبر میں لیٹے۔ صحابہ کے استفسار پر اس خصوصی کرم کو انبیاء کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ”حضرت ابوطالب کے بعد ان سے بڑھ کر کسی نے مجھے عزیز نہیں رکھا۔ میں نے انہیں قمیص پہنائی تاکہ انہیں جنت کا لباس پہنایا جائے اور میں قبر میں لیٹا ہوں تاکہ ان پر قبر کی منزلیں آسان ہو جائیں۔“

اپنی ماں تو اپنی ماں تھی اور خود سے پیار کرنے والی محترم بڑی رگِ خواتین کو اپنی

ماں سمجھتے تھے۔ لیکن آپ کو اپنے بچے سے پیار کرنے والی ہر ماں میں اپنی ماں دکھائی دیتی تھی۔ آپ جتنے کسی ماں کی ماحول سے محاذ موڑتے اچھے کسی ماحول سے محاذ نہ موڑتے۔ روایت میں ہے کہ کچھ قیدی مدینہ طیبہ میں جب آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ ان میں سے ایک ماں بھی تھی۔ اس عورت نے اپنے بچے کو قید یوں میں دیکھا تو اسے سینے سے لگا کر رونا پلانے لگی۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا ”کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟“ انہوں نے عرض کیا ”نہیں“ اگر اس کے بس میں ہو گا تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں پھینکے گی۔“ آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جنہی یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے۔“

ایک صحابی ماریہ بن حمزہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے جہاد کی اہادت طلب کی۔
فرمایا: تمہاری ماں زعمہ ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا: "جاؤ اپنی والدہ
کی حُسنِ ادب کے ساتھ خدمت کرو" انہوں نے عین ہار جہاد میں شرکت کیلئے اصرار کیا تو
آپ نے فرمایا: "خدا تمہارا بھلا کرے۔ اس کے پاؤں کو لازم پکڑو وہی تمہاری جنت
ہے۔" (الاشعباب: ۱۳/۳-۱۳)

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد انسانیت کیلئے ماں پر حق کرنے کیلئے اور
کیا حق باقی رہ جاتی ہے۔

”اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پاؤں۔ اس حالت میں کہ
مشاء کی نماز میں ہوتا اور میں سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہوتا اور پھر میری ماں مجھے آواز دیتی تو
(ﷺ) تو میں اُن کی آواز پر ایک کہتا“ (رواہ اللمعی فی شعب الایمان)

حضور ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور آپ کی امی جان سیدہ دو جہاں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے دوسب کا ایمان و رجوع احادیث کتب سیرت

اور محمدؐ شین گرامی کے استدلال سے ثابت ہے۔ چونکہ اس کے بارے میں دورانے نہیں ہو سکتیں لہذا ہم آپ کے والدین کے ایمان کو اپنی محبتوں کا امتحان پیش کرتے ہیں۔

سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا اس کرۂ ارضی پر سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ آپ نے اس کائنات کی سب سے محترم پاکیزہ برگزیدہ محبوب و محرم ہستی جناب محمد ﷺ کو جنم دیا جنہوں نے آپ کی یادوں کو دل و جان میں سمیٹے رکھا اور آپ کی محبت اور عزت و منزلت کے حوالے سے دنیا بھر کی خواتین کو باعثِ صدوقار بنا دیا۔“

خدا کی لاکھوں رحمتیں ہوں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پر جو مقام الہیاء پر اپنی آخری آرام گاہ میں آسودہ خواب ہیں مگر ان کے بیٹے (محمد ﷺ) کا نام ارض و سما میں وشت و جبل میں زمینوں کی پستیوں اور آسمانوں کی بلندیوں میں لا تعداد عشاقِ حضور کی زبانوں پر فرشتوں اور مخلوقاتِ ارض و سماوی کے لبوں پر وظیفہ حیات بن کر گونج رہا ہے۔

سلام اے سیدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کہ آپ نے دنیا کی سب سے عظیم ہستی کو اپنی محبت سے سرشار کر دیا۔

سلام اے ام محمد (ﷺ) کہ آپ کے اس شرف سے پوری کائنات انوارِ اسلام سے شرف یاب ہو گئی۔

سلام اے آمنہ! اے مادرِ محبوبِ بُجانی

سلام اے آمنہ! تاریخِ حق کی صمغِ نورانی

سلام اے زینتِ ہستی سلام اے رُوحِ ایمانی

سلام اے جانِ عبد اللہ سلام اے نورِ انسانی

سلام اے سرورِ کونین کی آفتی و قارِ جاں

سلام اے راحتِ جانِ محمدؐ فخرِ لاقانی (رضاً)

اہلِ مومن

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

بادرائے فکر ہے حضرت خدیجہؓ کا کمال
 اُن کی صفت اُن کی رخصت یومِ ہستی کا کمال
 اولیں بیوی وہ کونئیں کی زوجہ عمل
 آپؓ کی ساتھی رفیقہ، حسنِ خدمت کی مثال
 اپنا سب کچھ کر دیا قربان وہ کونئیں
 آپ سے ہی سرورِ دارین نے پائی ہے آل
 مستند ساتھی نبی پاک ﷺ کی ہر حال میں
 تھے صدقِ شوہرِ حال پہ ان کے جان و مال
 آپ کے مالی فحائل اور محاسن بے شمار
 مہربان، شفیق، سراپا لطف اور شیریں خصال
 حشکوں میں بائی اسلام کی ڈھارس تھیں وہ
 آپ کی ہر اک مصیبت میں رہیں وہ بن کے ڈھال
 اے رضا حضرت خدیجہؓ کا جہاں ممنون ہے
 تمہارا مات جن کی آقاؐ کے لئے روشن مثال



حضور ﷺ کی اولین رفیقہ حیات

ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

تاریخ انسانی نامور خواتین کے کارناموں سے بڑھ جاتی ہے جنہوں نے بزمِ ہستی کی فلاح و بہبود کے لئے لازوال کارنامے سرانجام دیئے۔ ان میں سے بعض سلطنتوں کی حکمران تھیں۔ بعض نے میدانِ جنگ میں سپہ سالاری کے جوہر دکھائے۔ بعض نے اپنے اصلاحی کارناموں سے زمانے کو متاثر کیا اور بعض کے کردار نے لازوال نقوشِ مثبت کیے لیکن یہاں ذکر ہے اُس ہستی کا جس نے رہتی دُنیا تک حق کے لئے وہ شہرت و مقبولیت حاصل کی جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

یہ ہستی محمد و مہ کائنات اور حضور نبی کریم ﷺ کی اولین زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ خدمتِ سرورِ کونین کی بلند ترین مثال 'خوش حراج و خوش خصال' ہر لحظہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خوشنودی و رضا کو ملحوظِ خاطر رکھنے والی اس وقت ایمان لائیں جب سارا زمانہ حضور نبی کریم ﷺ کا دشمن تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے لئے ڈھارس تھیں۔ تسلی و راحت کا پیغام تھیں۔ آپ مکہ کی امیر ترین خاتون تھیں مگر شادی ہوتے ہی سب کچھ اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے لئے وقف کر دیا۔

حضور نبی کریم ﷺ بھی آپ کے ایثار و قربانی کی بہت قدر کرتے تھے۔ اسلام کی ابتدائی ترقی میں آپ کی دولت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپ نے مکان 'جائیداد' زمینیں آواز اپنے سارے غلام اپنے خاوند کی تحویل میں دے دیئے اور امارت

سے غربت پر آگئیں۔ آپ ﷺ سمجھیں تھیں کہ آپ نے تمام دولت آپ نبی کریم ﷺ کے قدموں میں ڈال کر کر کے دنیا و آخرت کی تمام مساعادتیں خرید لیں ہیں اور واقعی ایسا ہی تھا۔ آپ کو تمام اُمہات المؤمنین سے زیادہ حضور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی نصیب ہوئی۔ جب حضور نبی کریم ﷺ مصائب و آلام میں گھرے ہوتے اور پریشانوں کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جھکے مائدے مگر عکریف لاتے تو آپ ان کا حوصلہ بڑھاتیں اور بہت جلد کامیابی کی لہر لاتیں۔ آپ سے ہی حضور نبی کریم ﷺ کو تمام اولاد عطا ہوئی۔ خوب فرمایا ہے حضرت قاضی بریلوی نے:

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی

اس سرائے سلامت پر لاکھوں سلام

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نام اُمہات المؤمنین میں سرفہرست ہے۔ ان کو نہ صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کی پہلی بیوی ہونے کا شرف حاصل تھا بلکہ یہ اسلام کے اولین مساعداًئین میں سے تھیں۔ انہوں نے جس طرح سے اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد کی زندگی بسر کی اس کا ایک ایک لمحہ عبادتِ اسلام کے لئے شیعہ ہدایت ہے۔

انہوں نے قریش کے ایک بہت بڑے رئیس خویلدہ کے گھر جنم لیا۔ باپ کی طرف سے شجرہ نسب یوں تھا خدیجہ بنت خویلدہ بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ۔ قصی رسول اللہ ﷺ کے پردادا حضرت ہاشم کے دادا تھے اس طرح سے آپ کا شجرہ نسب حضور اکرم ﷺ سے جا ملتا ہے۔

ماں کی طرف سے شجرہ نسب یوں تھا۔ خدیجہ بنت قاطرہ بنت زائدہ بن اہتم ہرم بن واعر بن حجر بن عبد بن معص بن عاتر بن لوئی۔ ماں کی طرف سے شجرہ نسب



حضور اکرم ﷺ سے دسویں پشت پر جا کر ملتا ہے۔ عرب کے تمام معزز قبیلے عدنان کی اولاد ہیں۔ ان کی دسویں پشت میں فہر بن مالک ہیں جن کا دوسرا نام قریش تھا۔ عرب کا قبیلہ قریش انہی کی اولاد تھا، انہی کی چھٹی پشت سے قصی بن کلاب تھے۔ جن کی اولاد آپ اور رسول اکرم ﷺ تھے۔ آپ سب اصہات المؤمنین میں سے رسول خدا ﷺ سے قریب تر خاندانی تعلق رکھتی تھیں۔

شاہ یمن ابراہیم کے مکہ مکرمہ پر ہاتھیوں کی فوج کشی والے سال سے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ صیوی حساب سے یہ ۵۵۵ء تھا۔ آپ کے والد خلیلہ بن اسد مالدار سوداگر تھے۔ شام و یمن تک ان کی تجارت تھی۔ قریش ان کی عزت کرتے تھے۔ آپ کی پرورش پر خاص توجہ دی گئی۔ جس دور میں آپ نے آنکھ کھولی وہ انسانیت سے قطعاً بے بہرہ تھا مگر یہ شروع سے ہی زمانہ جاہلیت کی آلائشوں سے الگ تھلگ رہیں اور شریف النفس اور پاکیزہ خیال واقع ہوئیں اور اسی پاکیزہ اخلاق کی بناء پر ”طاہرہ“ کا لقب پایا۔ ان کے والد محترم بھی غریبوں کے ہمدرد تھے اسی بناء پر ان میں بھی ہمدردی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

صحرائے عرب میں چلنے والی ایک دو شیزہ جلد ہی منازل شباب طے کر لیا کرتی ہے۔ جس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال ہوئی تو آپ کی شادی ابو ہالہ سے کر دی گئی۔ ابو ہالہ بھی ایک متمول خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس قدر بھی ازدواجی عرصہ گزرا خوب گزرا۔ ابو ہالہ سے ان کے دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق ہالہ تو بچپن میں مر گیا تھا لیکن دوسری روایت کے مطابق یہ دونوں لڑکے رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت پر مسلمان ہوئے اور حضرت ہند جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

حضرت علیؓ کی طرف سے لائے ہوئے شہید ہوئے۔

ابو ہاشم کے بعد ان کی دوسری شادی حقیق سے ہوئی اور ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور جس کا نام بعد رکھا گیا۔ اسی عہد پر حضرت خدیجہ کی کنیت ام بنو تمی۔ بعد نے رسول اکرم ﷺ کے سایہ چاھت میں پھر فی پائی اور نبوت کے پہلے سال ہی وہ آپؐ پر ایمان لے آئی تھیں۔ حقیق آپ کے پہلے شوہر ابو ہاشم سے بھی زیادہ علاحدہ تھے۔ اسی عہد پر پیدت بھی آسودگی میں گزری۔ اسی عہد میں عرب کی مشہور چار سالہ جنگ شروع ہو گئی تھی "جنگ فہر" کہتے ہیں اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔ اس جنگ کے دوران بنو ہاشم اور بنو تریلہ کے بے شمار آدمی مارے گئے۔

حضرت خدیجہ کے شوہر حقیق اور آپ کے والدہ خلیلہ بھی اسی میں کام آئے۔ اس بار نہ صرف یہ ہو نہیں سکے سایہ چھائی سے محروم ہو گئیں۔ ان کی اسوحت سے آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے کبھی بھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

آپ کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ ایک تو والدہ ہی کافی ترک چھوڑ کر مرے تھے اور دوسرے دونوں حمول خاندانوں کی جائیداد بھی ملی تھی۔ لہذا ان کے بعد بھی انہیں کسی معاشی غلجی سے دوچار نہ ہونا چاہا۔ چونکہ والدہ نے اپنی زندگی کے آخر میں ہی اپنا کاروبار ان کے سپرد کر دیا تھا لہذا ان کو کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ اب جبکہ جائیداد کا ہو چکی تھی انہوں نے اپنی پوری توجہ تجارت کے فروغ میں صرف کر دی۔ شروع سے ہی ذہین اور حصل مند تھیں۔ اسی ذہانت سے کام لیا اور کاروبار کو اتنی ترقی دی کہ آمدنی کہیں سے کہیں جا پہنچی۔ کام کرنے کے لیے بہت سے ملازم رکھے گئے اور شاہدین جو اس وقت کی مشہور ترین منڈیاں تھیں آپ کی تجارت کا مرکز بن گئیں۔



آپ نہ صرف یہ کہ دولت مند تھیں بلکہ ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کو حسن بھی خدا داد ملا ہوا تھا اور پھر ابھی عمر بھی شادی کے قابل تھی۔ لہذا بہت سے امراء کے پیغام شادی کے لئے آنے لگے مگر ان کا دل کچھ اس قدر اچاٹ ہو گیا تھا کہ شادی کے لئے تیار نہ ہوئیں اور تمام پیغام ٹھکرا دیئے۔

اپنے پاکیزہ عادات و خصائل کی بناء پر آپ شروع سے ہی ”طاہرہ“ کے لقب سے پکاری جاتیں تھیں۔ آپ کو عرب کی فرسودہ رسوم سے نفرت تھی اور دولت مندی کے باوجود بھی مذہب کا تصور دل کی خلوتوں میں جا گزیں تھا۔ اپنا بہت سا وقت خانہ کعبہ میں جا کر صرف کیا کرتی تھیں۔ اس وقت کا ہن مردوں اور کاہن عورتوں کو خاصی وقعت اور عقیدت کی نظر دے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کو بھی مذہب کے تصور کی وابستگی کی بناء پر ان سے بڑی عقیدت تھی۔ آنے والے انقلاب کے متعلق ان کی باتیں بڑی توجہ سے سنا کرتیں تھیں اور ان کو اپنے گھریلو گھرانے کی تواضع کرتیں اور مذہبی باتیں سنا کرتیں۔

چونکہ آپ کا کاروبار وسیع تھا لیکن آپ کی طبیعت مائل بہ تنہائی واقع ہوئی تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک عورت انتہائی دانش مند اور معاملہ فہم ہونے کے باوجود کاروبار کو آگے بڑھانے میں سکتی۔ اس لئے ان کو ایسے دیا نندار دیندار اور قابل آدمی کی ضرورت تھی جو ان کے کاروبار کی نگرانی کر سکتا اور ان کے پھیلے ہوئے کاروبار کو سنبھال سکتا۔..... اسی دوران حضور نبی اکرم ﷺ بھی انتظام معاش کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں تجارت کو ہی فروغ حاصل تھا۔

آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ تجارتی سفر کے تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ لہذا تجارت کرنے کی ہی ٹھانی مگر آپ کے پاس اتنا سرمایہ کہاں تھا کہ اس سلسلے کا آغاز کر سکتے اسی لیے آپ دوسروں کا مال لے کر بغرض تجارت دوسروں ممالک میں جاتے اور خرید و فروخت کرتے۔

آپ کی زندگی شروع سے ہی اہل عرب کی فلاح کاریوں سے الگ بسر ہو رہی تھی۔
تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی دیانتداری، راست بازی، تجربہ کاری اور خوش معاملگی کی
سارے مکہ میں شہرت ہو گئی اور ہر سرمایہ دار بھی خواہش کرنے لگا کہ آپ کے پاس کامل
لے کر تجارت کریں تاکہ مال جلد بک سکے اور تجارت کو فروغ حاصل ہو۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی کاروبار سنبھالنے کے لیے ایک ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی، وہ ایسے ہی دیانتدار اور راست معاملہ کارکتوں کی جستجو میں رہتی تھیں جو ان سے دھوکہ نہ کریں۔ لہذا جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی دیانتداری و امانت دہری کی شہرت سنی تو آپ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اپنے پیچھے کو آپ کے پاس درخواست دے کر بھیجا کہ.....“میرا مال لے کر تجارت کیلئے شام جائیں۔ میں آپ کی مدد کے لئے اپنا غلام میسرہ آپ کے ہمراہ کر دوں گی اور جو رقم میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دو گنی رقم آپ کو دوں گی“

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے دریافت کیا۔ انہوں نے اس پیغام کو بھیجے کی کامیابی کی ضمانت سمجھا اور اجازت دے دی تو آپ نے اس پیغام کو منظور فرمایا اور حضرت خدیجہ کا مال لے کر تجارت کی غرض سے بصری روانہ ہو گئے۔



یہ تجارتی سفر تاریخی حیثیت کا حامل اور خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب سردر کائنات ﷺ کی چند ممتاز خصوصیات منظر عام پر آئیں۔ حضرت خدیجہؓ کا ظلام میسرہ اور آپ کا جتنجا بھی آپ کے مہر لہ تھے۔ انہیں تاکید کر دی گئی تھی کہ آپ کے کسی معاملہ میں دخل نہ دیں اور کسی حکم سے سرتابی نہ کریں اور انہیں جو بھی منظر و خصوصیات نظر آئیں وہ آکر کہہ سنا لیں۔

اس سفر میں میسرہ نے آپ کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا اور اسے آپ میں عام انسانی سطح سے ہٹ کر فوق البشری خصوصیات نظر آئیں۔ جب یہ قافلہ راستے میں ایک بار قیام کے لیے ٹھہرا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ایک راہب کی کنیہ کے قریب ہی اُگے ہوئے درخت کے نیچے آرام فرمایا۔ راہب فوراً کنیہ سے برآمد ہوا اور دیکھتے ہی پکار اٹھا کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ پھر کتاب نکال لایا اور کبھی آپ کا رخ اقدس دیکھتا اور کبھی کتاب کو۔ قافلے والوں کو اندیشہ ہوا سب اسی جگہ پر اکٹھے ہو گئے۔ راہب ڈر کر کنیہ کے اندر چلا گیا اور چمت پر چڑھ کر چلایا ”یہ یقیناً اللہ کا آخری رسول ہوگا اسے تمام ملکوں پر غلبہ ہوگا اور اسے یہودیوں کے شر سے بچانا۔“

اس سے قبل شام تک جانے کا ارادہ تھا لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا اور بھرہ میں ہی سامان فروخت کر دیا گیا۔ حضور ﷺ کی خوش خلقی اور خوش معاملگی کی بدولت مال نہ صرف جلد فروخت ہو گیا بلکہ وگنا نفع ہوا۔ مال فروخت کر کے یہ عازم مکہ ہوئے۔

قافلہ کی واپسی کی خبر سن کر حضرت خدیجہ کو ٹھے پر چڑھ گئیں۔ سامنے سے ایک شتر سوار آتا ہوا دکھائی دیا جس کے سر پر ابر کا ایک ٹکڑا سیاہ کئے ہوئے تھا۔ یہ حضور

۴۵
حکایت ۴۵
اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کافر کی طاقت کی خبر ملے تو حضرت خدیجہؓ نے خوش ہو کر وہ دن منبر پر اتر کر فرمایا۔

کافر کے کہنے پہ آپ نے اپنے تمام عمرہ سے سارا مال بیچ کر چھانو
عمرہ نے آپ کے فضل کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ اس نوجوان کی سرشت اپنے
تمام معصروں سے باطل ملک ہے۔ دوسروں کے برعکس یہ عجمی اور طبرستان کا ملک
ہے۔ شہر کے شہر و قصب کے ستارے میں ماحول سکون ماحول سے زیادہ ہے۔
اور اسے عجمی کی رنگینیاں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے عمرہ کو دس ہزار دینار دے کر آؤ کر دیا اور جو
فضل بن کا حضور ﷺ سے استوار ہو گیا تھا اس میں حرمہؓ کی آگے بادل میں آپ
کی عزت و عظمت پر حق کی۔ حتیٰ کہ شادی کا خیال بھی پیدا۔

اسی اثناء میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان کا چاند آپ کی گود میں
آگیا ہے۔ اس خواب کی تعبیر محمدؐ کا اسباب سے حد و ملت کی جس نے بتایا کہ اسے ایک
خاتون آپ کا پیرا فرما رہی ہے۔ جس کے بعد یہی مدعی سے ملایا گیا
منور ہو جانے کی۔ آپ نے حضور کا حضور لے لیا اور چاہا کہ آپ کا دعا جان کر آپ کی
لوہری فیض حضور کے پاس آئی اور کہا کہ آپ کی ایک صحبت سے طلاق کیوں نہیں کر
لیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ بے زری مدعی ہے۔ فیض نے پوچھا کہ اگر کوئی ایک
چلن عورت آپ سے شادی کی خواہش مند ہو تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہے کن
جو مجھ فریب سے شادی کرے گی۔ اس پر فیض نے حضرت خدیجہؓ کا نام بتا دیا تو
آپ راضی ہو گئے اور معاملہ اپنے چلایا اور طالب کے پروردگار۔



حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی رضامندی کی اطلاع پاتے ہی اپنے چچا عمرو بن اسد اور چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کو ابوطالب کے پاس بھیجا۔ ابوطالب کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس بات کو نتیجے کی خوش قسمتی پر محمول کیا اور راضی ہو گئے۔ تاریخ مہین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب، امیر حمزہ اور اپنے دوست ابوہریرہ کے ہمراہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے آئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عمرو بن اسد وکیل نکاح مقرر ہوئے۔ ابوطالب نے نکاح پڑھایا اور پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا اور یہ سنت بحسن و خوبی انجام پذیر ہوئی۔

آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ سال بڑی تھیں، عمر چالیس سال تھی مگر قوی کے درست ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کم سن نظر آتی تھیں۔ یہ شادی بہت مبارک ثابت ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی بہت مالدار تھیں اس لئے نکاح کے بعد سارا اثاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیا اور آپ نے بھی اس پیشکش کو بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور اس کو غریب و مسکین لوگوں، مسافروں، یتیموں، مقلوموں اور غلاموں کی امداد پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رحمہ لی اور احسان شناسی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ نے ان لوگوں کو کبھی فراموش نہ کیا، جنہوں نے طفلی اور لوجوانی کی عمر میں آپ سے حسن سلوک رکھا تھا۔

ابوطالب نے آپ کی پرورش کی تھی لیکن وہ کثیر العیال تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی پرورش میں لے لیا اور اس طرح شیر خدا سایہ نبوت میں پروان چڑھنے لگے۔

حضرت خدیجہ ؓ بھی آپ کے اس سلوک میں پوری طرح شریک تھیں اور صلہ رحمی کرنے میں ہمراہ آپ کی مدد کرتی رہتی تھیں۔ ان دونوں کی زعمی دور حقیقت ایک جنت تھی جو کہ انہوں نے خدا اپنے لئے بنائی تھی۔

حضور ﷺ کی طبیعت شروع سے ہی تنہائی پسند واقع ہوئی تھی چنانچہ آپ ہر سال چند مخصوص دنوں میں شہر سے دور پہاڑوں کے درمیان اللہ کی یاد میں گزارا کرتے۔ بعض اوقات حضرت خدیجہ ؓ خود آپ کو کھانا دینے جاتی تھیں۔ ایک بار حضور نبی کریم ﷺ غار حرا میں عبادت کر رہے تھے کہ خنساء النبی کی تکمیل کا وقت آگیا۔ یہ رمضان کی رات تھی اور سن عیسوی ۶۱۱ء تھا۔

جب آپ کو نبوت عطا ہوئی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اولین پیغام خدا سے روشناس کروایا۔ آپ نے پہلی بار ایک ایسی ہستی کو دیکھا جو کسی سے مشابہت نہ رکھتی تھی۔ آپ سم گئے اور گہرا کر چادر اوڑھ کر سو گئے۔ جب طبیعت کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہ ؓ کو سارا ماجرا کہ سنایا۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ نے کبھی کوئی فطرت نہیں کئی کسی کا دل نہیں دکھایا اور خدا سے ڈرتے رہے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرتے رہے ہیں۔ اس لئے خدا آپ کو تنہا کبھی نہیں چھوڑے گا اور آپ کی ضرورت مدد کرے گا۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ وہ ایک عالم تھا تو ریت اور انجیل پر اسے کھل میوہ حاصل تھا وہ ان کتابوں کی باریکیوں اور کجلی نبوتوں سے بخوبی واقف تھا۔ سارا واقعہ سن کر اس نے کہا کہ اے خدیجہ: اگر تو مجھے سہا جانتی ہے تو اصل بات یہ ہے کہ تیرے شوہر کے پاس وہی نامور فرشتہ جبرائیل آیا تھا



جو کہ اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آچکا ہے۔ ”محمد یقیناً اللہ کے نبی ہیں۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خیال گزرا کہ شاید ورقہ نے خاندانی قرابت کی وجہ سے تسلی دی ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو ایک عیسائی راہب عدا اس کے پاس لے گئیں جس نے سارا واقعہ سن کر آپ کی پشت انور سے کپڑا اٹھایا اور مہربانیت کو چوم کر بولا بخدا! آپ وہی نبی ہیں جن کی بشارت زبور، انجیل اور توریت میں دی گئی ہے۔ آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں اور آپ کے دشمنوں کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤں۔ ایک روز حضور ﷺ کیل اڑھ لے لیٹے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لائے۔ یا ایہا المدثر قم فانذر

(اے چادر اڑھنے والے اٹھیے اور قوم کو عذاب الہی سے ڈرائیے)

اسی اثناء میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آگئیں اور آپ کی نظروں کو متلاشی پا کر سب دریافت کیا تو آپ نے وحی کے الفاظ کہہ سنائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسی وقت حضور ﷺ کے قدموں میں گر پڑیں اور پھر آنکھیں اور کہا:

اے اللہ کے رسول میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس طرح آپ کو عورتوں میں سے سب سے پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول خدا کے ساتھ ثابت قدمی اور سچی ہمدردی کا جو نمونہ پیش کیا اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ کفار مکہ کی طرف سے جب آپ کی تکذیب کی جاتی اور آپ پر ظلم و ستم کئے جاتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہی

ذات ہوتی تھی جو اس آڑے وقت میں آپ کی قسلی اور تسکین کا سبب بنتی تھی۔ آپ نے اپنا تن من و جن سب کچھ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی خاطر قربان کر دیا تھا۔ آپ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کیلئے جس کی خاطر رسول خدا کو مہجوت فرمایا گیا تھا ہمیشہ پیش پیش رہیں۔ سچا وجہ ہے کہ اشاعت اسلام میں آپ کا کردار فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ عورتوں میں تبلیغ کیا کرتی تھیں۔

حضور ﷺ سے بے حد محبت تھی اور ۲۵ سال کا عہد زوجیت بڑی اچھی طرح گزرا اور ایک بار بھی بدحرکی پیدا نہیں ہوئی۔ آپ نے ہجرت کے تین سال قبل رمضان المبارک کے مہینہ میں رقات پائی۔ چونکہ اس وقت نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے صرف کفن دے کر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ کی قبر حجون میں ہے جس کو اب جنت المصلیٰ کہا جاتا ہے۔ آپ نے ۶۵ سال کی عمر پائی۔

آپ کے بطن سے پہلے شوہر ابو ہالہ سے دو لڑکے ہالہ اور عبد اللہ پیدا ہوئے۔ اور دوسرے شوہر حقیق سے ایک لڑکی عبدہ پیدا ہوئی اور جب آپ حضور اکرم ﷺ کے حوالہ نکاح میں آئیں تو دو لڑکے اور چار لڑکیاں نبوت سے پہلے ہی پیدا ہوئے۔ بڑے قاسم تھے جن کی وجہ سے حضور ابو القاسم کہلائے اور حضرت قاسم دو یا تین برس کی عمر میں فوت ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت زینب پیدا ہوئیں اور پھر حضرت عبد اللہ جنہیں طیب و طاہر بھی کہا جاتا ہے پیدا ہوئے جو دو سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ کے بعد تین لڑکیاں حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام پیدا ہوئیں۔ چند لوگوں کے سوا باقی تمام مسلمان اور یورپین مؤرخین کا اسی تعداد پر اتفاق ہے۔ بعض لوگ خواہ مخواہ رسول اللہ ﷺ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی



تعداد کے بارے میں غلط باتیں کرنے لگتے ہیں جن کی غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ ثابت شدہ حقائق کو مخ کر کے حق سے کھلم کھلا روگردانی کر کے باطل کی پیروی کی جائے حضور ﷺ کو آپ کی اعانت اچھی طرح یاد تھی۔ اسی بناء پر آپ کی زندگی میں دوسری شادی کا خیال تک بھی دل میں پیدا نہ ہوا اور حضور ﷺ کا آپ کے ساتھ عہد جوانی اس طرح سے گزرا کہ امت کیلئے ایک نمونہ ہے۔ نہ صرف ان کی زندگی میں انہیں عزیز رکھا بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی تازیت انہیں یاد کرتے رہے اور تمام ازدواج مطہرات پر فضیلت دیتے رہے۔ حضور ﷺ کی رائے میں آپ ایک سچی مشیر تھیں اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سرگرم رکن تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ فرما کر انہیں موجودہ امت کی تمام عورتوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ دنیا میں سب سے بہتر عورت مریم بنت عمران تھیں اور اس امت میں سب سے بہتر عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔“ (طبقات ابن سعد)

اور یہ فرما کر آپ کے وجود کو قاطعی تقلید قرار دیا کہ تم کو تقلید کیلئے چار عورتیں تمام دنیا کی عورتوں میں کافی ہیں۔ مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت خویلد (ترمذی شریف)

ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا ”جب بھی کفار کی کوئی بات مجھے ناگوار گزرتی تھی تو میں خدیجہ بنت خویلد سے کہہ دیا کرتا تھا اور وہ مجھے اس طرح کا جواب دیا کرتی تھیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی اور مجھ کو کوئی رنج نہیں ہوتا تھا۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب خاوند یہ محسوس کر رہا ہو کہ بیوی اس کے ہر دکھ کا دوا ہے اور اس کی بہترین مونس و ہدم ہے۔ حضور ﷺ نے آنے سے کوئی مات نہیں چھائی، اور

ایک محبت کرنے والے خادموں کی طرح ہر بات آپ کے سامنے ظاہر کر دی اور ہر مشکل مقام پر آپ سے مشورہ لیا۔

جس سال حضرت خدیجہ ؓ نے وفات پائی۔ حضور ﷺ کو بہت صدمہ ہوا اسی سال ابو طالب بھی فوت ہوئے۔ آپ نے اس سال کا نام ماہ الحزن یعنی غم کا سال رکھا..... حضرت خدیجہ ؓ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ ؓ آپ کو بہت عزیز رہیں مگر ان کو بھی وہ مقام نہ مل سکا جو حضرت خدیجہ ؓ کو حاصل تھا۔ آپ حضرت خدیجہ ؓ کو اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کو رشک ہوا کرتا۔ ایک بار حضرت عائشہ رو نہ سکیں اور کہہ دی آپ ان کو اب بھول جائیے خدا نے آپ کو اس سے بہتر عیوایاں دے رکھی ہیں۔ حضور طیب السلام نے فرمایا:

وہ اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے انکار کیا اور اس وقت میری تصدیق کی جب سب نے جھٹلایا اور اس وقت مجھے مل دیا جب سب نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی محبت کا یہ عالم رہا کہ آپ کی سسلیوں کی خاطر ہدایت کیا کرتے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: گھر میں جب بھی بکری ذبح ہوتی آپ حضرت خدیجہ ؓ کی لٹے والیوں کو ضرور بھیجے۔ (بخاری شریف)

جب گھر میں کوئی اچھی چیز آجایا کرتی تو حضور ﷺ فرماتے کہ اسے فلاں فلاں عورتوں کے ہاں دے آؤ وہ خدیجہ کی دوست تھیں۔ (زرقاتی)

آپ کو امور خانہ داری میں بھی خاص مہارت حاصل تھی اور بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام بہت اچھی طرح کیا کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:



وہ بچوں کی بہترین ماں اور گھر کی منتظم تھیں۔ (طبقات ابن سعد)

ایک دفعہ حسان بنت حرینہ آئی۔ حضور ﷺ اس وقت تک اس سے باتیں کرتے رہے جب تک وہ خود اٹھ کر نہ چلی گئی۔ حضرت عائشہ کے استفسار پر بتایا یہ خدیجہ کی کھلی تھی۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چچا زاد بہن حالہ حضور سے ملنے آئیں تو ان کو امدد بلایا اور دیر تک باتیں کرتے رہے اور بار بار فرمایا ”مجھے خدیجہ سے بھر پوری نہیں ملی۔“

غزوہ بدر کے بعد جبکہ قیدیوں کو فدیہ پر رہا کیا جا رہا تھا تو آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص کو رہا کروانے کیلئے وہ بار بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حمزہ میں دیا تھا۔ آپ دیکھ کر پر غم ہو گئے اور نہ صرف وہ بار واپس کر دیا بلکہ صحابہ سے کہہ کر ابوالعاص کو بھی رہا کر دیا۔

لاکھ لاکھ رحمتیں اور برکتیں ہوں تربت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر جن کی مساعی جلیلہ اور وقاداری کی بدولت تاریخ اسلام میں ایک ذرین اور درخشاں باب کھلا۔

ایسی سمجھدار روشن ضمیر بیوی ایسی پاک و بے مثل ہمد ام ایسی محبت کرنے والی رفیقہ حیات اور خود کو شوہر کیلئے وقف کر دینے والی بیوی کا وجود ایک انعام سے کم نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے حکم الہی کی تعمیل میں بتوں کو جھٹلایا تو قریش آپ کے دشمن بن گئے۔ آپ کو ستایا جاتا اور مذاق اڑایا جاتا۔ آپ دل برداشتہ ہو کر گھر تشریف لاتے تو آپ حضور ﷺ کو تسلی دیتیں کہ دنیا کا یہی قاعدہ چلا آ رہا ہے کہ پیغمبروں کو جھٹلایا گیا ہے۔ آپ تبلیغ جاری رکھتے اور لوگوں کے مذاق اڑانے کی پروا نہ کیجئے ایسی ایسی تسلی و تشفی

آپ نے حضور ﷺ کا حوصلہ قائم رکھا اور آپ کی کئی بڑی اسلامی خدمتیں۔

حضور اکرم ﷺ تو مردوں میں دعا و صحبت کرتے مگر آپ مجالس نساء میں جاتے اور انہیں ایک نئے دین سے آگاہ کرتے اور یہ آپ کی انہیں بے حال کوششوں کا ثمرہ تھا کہ قریش کی کلی حوزہ یہاں مسلمان ہو گئی تھی۔

ایک تحریک کو پودا ان چار خانے کیلئے روپیہ کی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ ایک مؤقف خواہ کتنا ہی حق و صداقت پہنچی کیوں نہ ہو اس کی ترویج اس وقت تک محال ہے جب تک کہ مادی وسائل نہ ہوں۔ ضرور رسالت مآب ﷺ نے ایک غریب گمراہ میں جہنم لپکا تھا اور پھر والدین کا سایہ بہت چلاؤ اٹھ گیا۔ لہذا مادی وسائل کو بروئے کار لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

خدا نے یہ معاشی غلّی بھی دور کر دی اور اس لحاظ سے بھی اسلام کو تقویت بخشی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا کاروبار آپ کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور آپ کو تمام تجارتی معاملات میں سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا۔ اب حضور علیہ السلام پوری توجہ سے اپنے مشن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی موقع پر بھی مالی اعانت سے گریز نہیں کیا۔
تاریخ بھی بتاتی ہے کہ بے شمار مواقع ایسے آئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی اعانت کی
ضرورت پڑی تو آپ نے کبھی بھی مایوس نہ کیا اور اشاعت اسلام کیلئے جس مالی قربانی
کی ضرورت تھی اس سے کبھی بھی مفر اختیار نہ کیا۔

ایک روز حائے بے کساں نے ایک قریشی مالک کو اپنی لوطی کو بدرجے :



ہوئے دیکھا تو آپ تڑپ اٹھے۔ اس قریشی کو مارنے سے منع کیا مگر وہ بولا ”یہ لوٹری
میری ہے تمہیں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں“۔ آپ خاموش ہو کر گھر چلے آئے۔

بے چینی دے قراری میں آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا
نے اس اضطراب کا سبب دریافت کیا تو آپ نے سارا ماجرا سنا کر کہا ”جو قوم عورتوں
پر ظلم کرتی ہے اس کا حشر کیا ہوگا؟“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، فکر نہ کیجئے صبح ہو لینے دیجئے میں اس
لوٹری کو آزاد کرادوں گی۔ چنانچہ صبح ہوئے ہی آپ نے مالک کو معقول رقم دے کر
لوٹری کو آزاد کرادیا۔

اسلام کی اشاعت اور تبلیغ دین میں آپ کا زبردست حصہ تھا۔ خدا تو حامی و
ناصر تھا ہی ظاہر میں آپ بھی حضور علیہ السلام کی مدد و معاون اور حامی و مددگار تھیں۔
آپ حضور اکرم ﷺ کے سارے کام خود کیا کرتی تھیں۔ یہ کام تو کرانٹوں سے بھی کرو
اسکتی تھیں مگر آپ اپنے شوہر کی اطاعت گزار و فادار اور جائز بیوی تھیں۔ آپ کا یہ عمل
واقعی اس دور کیلئے مشعل راہ ہے جب ایک بیوی خاوند کو گلاں بھر کر پانی دینے میں بھی
اپنی توہین سمجھتی ہے اور بات بات پر شکر رنجیاں اور جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ آپ نے
دکھلادیا کہ کس طرح از و واجی زندگی کو خوشگوار بنایا جاسکتا ہے اور اپنی جان و مال کو کس
طرح اپنے خاوند پر نچھاور کیا جاسکتا ہے۔

غرباء کی امداد کیا کرتیں اور بعض کو قرضے دیا کرتیں۔ وہ وقت جبکہ کفار مکہ کی
قطع تعلق پر بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں پناہ لینا پڑی، خاندان رسول کیلئے بہت

بازگ تھا اور بیرونی دنیا سے ان کے تعلقات پوری طرح سے کٹ چکے تھے۔ آپ نے اس موقع پر اپنا سرمایہ ہوشیارم پر بے دریغ خرچ کیا اور باہر سے سامان منگوا کر ان کو دیا کرتی تھیں۔

اور یہ اس محبت والہت و قادیانی جانگزی اور فساد کاری کا ثمرہ تھا کہ ایک بار حضور ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر سلام بھیجتا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سلام آپ تک پہنچایا تو آپ نے فرمایا ”بے شک اللہ پاک خود سلامتی والا ہے جبریل علیہ السلام پر اور اسے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر سلام ہو“۔

اس سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہو سکتا ہے کہ خود خدا بھی سلام بھیجے اور جنت کی بشارت دے۔

عائشہ ہوں یا خدیجہ یا کہ ہو بہت جہش
خاتم احمد اور نکمیں ہیں اُمہات المؤمنین
ہیں نبی کے عقد میں ان کے مقدس رواج میں
روح فتم المرسلین ہیں اُمہات المؤمنین

(راجہ رشید محمود)

ظاہر ہے کہ ایسی اہل درد اور دل سوز بیوی جو شوہر کی رضامندی اس کی اطاعت اور راحت رسانی میں کوشاں رہنے کے علاوہ اپنی جگہ سے تمام مصدات کو دور کر دیتی ہو اور مخالفوں اور مشرکوں کی مخالفت غیر اہم ثابت کر دیتی ہو شوہر کو کہاں

تک محبوب نہ ہوئی چنانچہ آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کر کے ان کی اچھی طرح تعریف کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”بتنا رنگ مجھے خدیجہ رضی اللہ عنہا پر تھا“ کسی اور بیوی پر نہ تھا۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا: بخدا مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ وہ اُس وقت ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے اس نے میری تصدیق اس وقت کی جب سب نے مجھے جھٹلایا اس نے میری مال سے مدد کی جب دوسروں نے محروم رکھا۔ اللہ نے مجھے اس سے اولاد دی۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپ ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اولاد پر بہتر مہربان تھیں۔ امور خانہ داری سے کما حقہ واقف تھیں۔ گھر کا انتظام بہت اچھا کرتی تھیں۔ انہیں خوبیوں کا احساس فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں ”کانت امہ العیال وریعہ البیت“ فرمایا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی تعظیم و تکریم آپ کا شعار تھا اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے آپ اس کی تصدیق کرتی تھیں اور یہ حالت آپ رضی اللہ عنہا کی ہر زمانہ میں رہی بعثت سے قبل بھی اور بعثت کے بعد بھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”چار عورتوں کو دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت ہے۔ مریم بنت عمران‘ آسیہ زوجہ فرعون‘ خدیجہ بنت خویلد‘ فاطمہ بنت محمد۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا "تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟" لوگوں نے کہا "اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔"

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "جنتی عورتوں میں سب سے افضل چار بیویاں ہیں: خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت حارم امیہ فرعون۔" سرور عالم ﷺ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حمیت و محبت کی یہ کیفیت تھی کہ بشت سے پہلے اور بشت کے بعد حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا انہوں نے ہمیشہ اس کی ہدایت و تائید و تصدیق کی۔ اسی لئے حضور ﷺ ان کی بے حد تعریف و تحسین فرمایا کرتے تھے۔

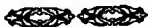
۷۔ بعد بشت میں مشرکین قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس اعطاء میں حضور سرور عالم ﷺ کے ساتھ تھیں۔ وہ پورے تین برس تک اس محصوری کے دوح فرسا آلام و مصائب سے صبر اور حوصلے کے ساتھ پہنچتی رہیں۔

۱۰۔ بعد بشت میں یہ عالمانہ محاصرہ ختم ہوا لیکن اس کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا زیادہ دن زندہ نہ رہیں۔ رمضان المبارک میں ان کی طبیعت نامناسب ہوئی۔ حضور ﷺ نے طالع معالج اور تسکین و کفلی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ کھاجن موت کا کوئی طالع نہیں۔ ۱۱۔ رمضان المبارک ۱۰ نبوی کو انہوں نے بیک اجل کو لبیک کہا اور مکہ کے قبرستان جن میں دفن ہوئیں۔ اس وقت اگلی عمر تقریباً ۶۵ برس کی تھی۔



حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی فوراً اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ خواتین میں سے اسلام قبول کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔ یہ وہ اعزاز ہے جو قیامت تک آپ کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کرتا رہے گا

السلام اے مومنوں کی مادرِ عالی مقام
خالقِ کونین نے بخشا تجھے اونچا مقام
جنگائے گما بلندی پر ابد تک تیرا نام
رہبرِ دنیا و دین کی اولیس زوجہ ہے تو
تیری عظمت ہے مسلم دو جہاں میں لاکلام



آٹھ لوشین

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

مومنوں کے دل کی دھڑکن ہمیں سراپا نور ہمیں
 سیرت عالی سے وہ حل چراغ طور ہمیں
 خدمت سرکار پر ہر آن وہ معبود ہمیں
 آپ کی خدمت بجا لا کر بہت سرور ہمیں
 اُن کے دل کی دھڑکنوں میں بس رہے تھے مسکین
 شوکت کوئیں ہاں عارے حبیب کبریا
 مومنوں کی ماں عمر کی شریکِ ذمگی
 ہر گمزی پیش نظر ان کے حتی آقا کی خوشی
 سالہ ہمیں ' طاہرہ ہمیں زلفِ شب زعمہ دار
 سائرہ ہمیں طاہرہ ہمیں ' وقف حق لیل و نہار
 ہے اگر مقصود اپنا بزمِ خلوت میں نجات
 سیدہ سودہ کا اسودہ سامنے ہو تاحیات
 اے رضا میرے لئے ہیں قابلِ صد احترام
 مومنوں کی ماں کا اُونچا ہے جہاں ہر سے مقام

اُمّ المؤمنین

حضرت سوودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

آپ کا اسم گرامی حضرت سوودہ رضی اللہ عنہا تھا۔

والد کا نام زمعہ بن قیس تھا جو قبیلہ عامر بن لوی سے تھے۔

ماں کا نام سوس تھا جو انصار کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سوودہ رضی اللہ عنہا کو نہایت پاکیزہ خصال عطا کئے تھے جب

نبی کریم ﷺ نے اعلیٰ کلمہ الحق کیا اور خدائے واحد کا پیغام سنایا تو حضرت سوودہ رضی اللہ عنہا

نے فوراً آواز دے رسول پر لبیک کہا اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گئیں۔ حضرت سوودہ رضی اللہ عنہا

کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو نہایت سعید

طبیعت، بلند حوصلہ اور راہ حق کے حلاشی تھے۔ انہوں نے بھی فوراً نبی کریم ﷺ کے

وصیت حق پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا جب کفار نے مسلمانوں کو شدت سے ستانا

شروع کیا تو نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حضرت سوودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سکران رضی اللہ عنہ بھی

جیش کی جانب ہجرت کر گئے۔ کئی برس جیش میں بسر کئے پھر مکہ واپس آئے جہاں چند دن

بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ وصال فرما گئے اور ان کی وفات کے بعد حضرت سوودہ بیوہ ہو گئیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تھی۔ بن ماں

کے بچوں کو دیکھ دیکھ کر سرور کائنات ﷺ کی طبیعت مبارک افسردہ رہتی تھی۔ رسول کریم

ﷺ کی ایک جان نثار صحابیہ حضرت خولہ بنت خلیفہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم نے ایک دن بارگاہ نبوی میں

عرض کیا:

یا رسول اللہ! خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپ کو طویل

دیکھتی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مگر کا انتقام اور بچوں کی تربیت خود ہی ﷺ کے سپرد تھی۔“ خولہ ﷺ نے عرض کی تو پھر آپ کو ایک دفعہ محسوس کی ضرورت ہے اگر اجازت ہو تو آپ کے نکاح ہانی کیلئے سلسلہ چلائی کروں۔“

رسول کریم ﷺ نے اسے منظور فرمایا۔ حضرت خولہ ﷺ اب حضرت سودہ ﷺ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے رسول کریم ﷺ کی خواہش بیان کی۔ حضرت سودہ ﷺ نے بخوشی حرم نبوی بننے پر اظہارِ رضامندی کیا۔ ان کے والد زعمہ ﷺ نے بھی حضور ﷺ کا پیغام قبول کر لیا اور انہوں نے اپنی تخت بجر کا نکاح سرور کائنات ﷺ سے چار سو درہم پر خود پڑھ لیا۔ نکاح کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ مگر تشریف لائے وہ ابھی تک شرفِ بسلامت نہیں ہوئے تھے۔ اس نکاح کا حال سن کر سخت رنجیدہ ہوئے اور سر پر خاک ڈالی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں ساری عمر اپنی اس نادانی کا بہت قفس رہا۔

اپنے پہلے شوہر حضرت سکران ﷺ کی زندگی میں حضرت سودہ ﷺ نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ تکیہ کے سہارے لیٹی ہیں کہ آسمان پھا اور چاند ان پر گر پڑا۔ انہوں نے یہ خواب حضرت سکران ﷺ سے بیان کیا۔ آپ نے کہا: اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں معترِب فوت ہو جاؤں گا اور تم عرب کے چاند محمد ﷺ کے نکاح میں آؤ گی۔ واقعی اس خواب کی تعبیر چھ دن بعد پوری ہو گئی۔

۱۳ بعدِ بیعت میں سرورِ عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے وہاں سے آپ نے حضرت ابورافع ﷺ اور زید بن حارثہ ﷺ کو مکہ بھیجا کہ حضرت فاطمہ الزہراءؑ، ام کلثوم اور حضرت سودہ (رضی اللہ عنہا) وغیرہ کو مدینہ منورہ لے آئیں۔ چنانچہ وہ حضرت ابورافع اور زید بن حارثہ کے ہمراہ مدینہ منورہ چلے آئے۔



اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ دراز قامت، غریب جسم، سن رسیدہ سلیقہ شعار اور نہایت پاکیزہ خاتون تھیں۔ آپ کے حراج میں کچھ تیزی بھی تھی مگر طبیعت میں عرافت کا پاکیزہ حراج بھی تھا جس سے رسول اللہ ﷺ کو محفوظ ہوتے۔ آپ کئی بار جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے بڑھکے اعزاز سے چلتیں جس سے دیکھ کر حضور ﷺ متحیر فرماتے۔

ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ”یا رسول اللہ! کل رات میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے اتنا طویل رکوع فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری کمرہ نہ ٹھوٹ جائے۔ اس لئے میں نے دیر تک اپنی ناک پکڑے رکھی۔“ یہ سن کر حضور ﷺ مسکرائے گئے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا قد لکھا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ اپنی قد کی درازی سے فوراً پہچان لی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ قحط کیلئے جنگل کی طرف نکل گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پہچان لیا۔ اس سے قبل جناب عمر رضی اللہ عنہ ازواجِ مطہرات کے باہر نکلنے پر اظہارِ ناپسندیدگی اور پردہ کی تحریک کر چکے تھے۔ اس لئے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ سودہ ہم نے تم کو دیکھ لیا۔ حضرت سودہ کو بہت بُرا معلوم ہوا اور اس کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کی۔ یہ واقعہ نزولِ حجاب سے پہلے کا ہے۔ امام بخاری اسی کے بعد آیتِ حجاب کا نزول بتاتے ہیں۔ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ اب اس حج کے بعد گھر سے نہ نکلتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی وفات کے بعد اور بیویاں حج کرتی تھیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے اس حکم کی سختی سے تعمیل کی اور گھر سے باہر نہ نکلیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں ”میں نے حج کیا، عمرہ ادا کیا اور اب اپنے گھر بیٹھی ہوں جیسا کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے۔“ ۱۰ھ کے حج میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھیں چونکہ بدن کی نرپہ تھیں اور جو پلٹے سے حضور اس لئے
 آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے حوالہ سے روانہ ہونے سے پہلے اُن کو پلٹے جانے کی
 اجازت دے دی تاکہ ان کو عجم سے تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بہت ہائیکار اور بلی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سودہ
 رضی اللہ عنہا کے پاس قہلی میں کچھ درہم بھیجے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا ”یہ کیا ہے؟“ لوگوں
 نے کہا ”درہم ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”قہلی میں کچھ دوں کی طرح“ یہ کہہ کر اسی وقت
 سب تقسیم کر دیئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”میں نے کسی عورت کو حد سے متالی
 نہیں دیکھا سوائے سودہ کے نہ علاوہ سودہ کے کسی عورت کی نسبت میری یہ حقانہ ہوئی کہ
 میری روح اس کے قالب میں ہوتی۔“

صفان بن مسلم کے حوالے سے امین صحابہ کا ایک دن سب ازواج
 مطہرات جمع ہوئیں اور نبی کریم ﷺ سے کہا:

”یا رسول اللہ! ہم میں سے کون سب سے پہلے آپ سے ملے گا۔“

آپ نے فرمایا ”جو تم میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والا ہوگا۔ حضور ﷺ کے
 وصال کے بعد نبی بیویاں ایک دوسرے کے ہاتھ پاؤں کرتی تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا
 ہاتھ سب سے بڑا تھا۔ جب سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش کی وفات ہوئی
 تو معلوم ہوا کہ طویل ہاتھ سے تراش دیا تھا۔ خیرات تھا۔ جس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا
 کوئی ثانی نہ تھا۔

چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سن زیادہ ہو چلا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی نو عمر
 تھیں اس لئے انہوں نے اپنی باری بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی جو انہوں نے
 خوشی سے قبول کر لی۔

حضرت سیدہ سودةؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ۲۲ھ میں وفات پائی۔ حضرت سکرانؓ کے صلب سے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام عبدالرحمن تھا۔ انہوں نے عہدِ فاروقی میں جنگِ جلولاء میں شرکت کی اور نہایت بہادری سے دشمن کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہادت کے بلند رتبے پر فائز ہوئے۔ حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

اُمّ المؤمنین سیدہ سودةؓ اور اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے عقد میں یکے بعد دیگرے آئیں۔ ان دونوں کے نکاح میں تھوڑا سا فرق تھا۔ سیدہ عائشہؓ جو ان تھیں اور سیدہ سودةؓ جن رسیدہ اس لئے ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں رسول اللہ مجھے طلاق ہی نہ دے دیں اور میں شرفِ زوجیت رسول سے محروم ہو جاؤں۔ ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ قیامت کے روز وہ دیگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ اُٹھائی جائیں اس لئے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

”مجھے اپنے پاس رکھئے مجھے خاندانوں کا کوئی حرم نہیں، میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ مجھے اس حال میں اُٹھائے کہ میرا نام آپ کی ازواج میں شامل ہو میں اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخشتی ہوں میں وہ نہیں چاہتی جو اور عورتیں چاہتی ہیں۔“

اُمّ المؤمنین سیدہ سودةؓ کی اس باتِ بخشش پر حضور رحمتِ عالم ﷺ بھی خوش ہو گئے اور سیدہ عائشہؓ بھی ہو گئیں۔ حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ ایمان کے خصائص میں تھا اور یہ اس خاطر تھا کہ اس کی بدولت وہ محبوبہ رسول کے توسط سے خوشنودی رسول ﷺ حاصل کر لیں۔ بعد ازاں ان کی باری ان کو دے دی گئی تاکہ آپ کے ساتھ بے انتہائی یا علم نہ رہے۔

”رسول اللہ ﷺ سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ جب رسول اللہ نے اپنی

ازواجِ مطہرات کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا تو یہ بھی گھر میں رہیں جبکہ مری ازواج نے حج و غیرہ کر لئے لیکن آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حج کر لیا ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بعد اپنی جگہ سے نہیں اٹھیں گے۔

ماخذِ امین جبر نے لکھا ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دس بار قمیص اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں۔ اس سے جو بھی آمدنی ہوتی تمام کی تمام خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی۔ اُمّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اُمت کیلئے بہت سے اعمالِ صالح آسان بنانے کا سبب بنیں جیسے حردلف سے لکنا حجر سے پہلے نگر میں مارنا اور جلدی نہ لکھنا وغیرہ۔

اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پانچ احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث بخاری شریف میں اور چار دیگر کتب احادیث میں ہے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ المؤمنین حمیمہ بنی النضر نے اپنی محبت و وفا خدمتِ گساری اور غمِ گساری کی شمع روشن رکھی۔ حضور ﷺ کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی رہیں۔ اسی دوران میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کی وجہ سے ان کے اندر نکھار اور حسنِ عیہ اہوا جس کی ہدایت و جہری کے بعد حرمِ نبوی میں داخل ہونے والی خواتین کیلئے اپنی محبت و حمایت اور حسنِ سلوک کا دامن دراز کر دیا۔ اور اس ضمن میں کبھی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ وقت کسی کا لحاظ نہیں کرتا ہر ایک کو پڑھا پے کی جانب لے جاتا ہے۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں تو ان کی عمر پچاس برس کی تھی اور رسول اللہ ﷺ کا سن مبارک بھی پچاس برس کا ہو چکا تھا۔ پانچ جہری میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کافی سن رسیدہ ہو گئیں اس لئے انہوں نے حقوقِ زوجیت سے از خود کنارہ کرنے کی سوجھ بولی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ اسی ایثار کا کرشمہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے حسن

نہوں نے حلقہ وہ الفاظ کہے جو انہوں نے کسی اور کیلئے اور انہیں کہے تھے۔

جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر ۷۲ برس کی تھی (۱۹ ہجری) وصال کے وقت انہوں نے اپنے گھر کے حلقہ وصیت فرمائی۔

”مجھے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد میرا گھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا جائے۔“

جب اُمّ المؤمنین حضرت سودہ کا انتقال ہو گیا اور وہ سلطانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابدی ملاقات کیلئے جہانِ فانی سے جہانِ با کی طرف تشریف لے گئیں تو خلیفہ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مومنوں کی اس مقدس ماں کا جنازہ رات کو اٹھاؤ۔“

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حبشہ میں عورتوں کی میت کیلئے پردہ دار مسمری بناتے دیکھا تھا۔ لہذا میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیلئے ویسی ہی مسمری تیار کی اور جب اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاحظہ فرمایا تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو دعا دی اور فرمایا:

”تم نے ان کو پردہ میں ڈھانپا اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائے۔“

جب جنازہ تیار ہو گیا تو اسے ابدی منزل کی طرف لے جا کر جنت البقیع کی قبر میں اتار دیا گیا اور حرمِ نبوت کا یہ ستارہ بھی لگا ہوں سے اوچھل ہو گیا۔

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہمیں ملنے کیلئے آئیں۔ جب وہ بیٹھ گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پاؤں میری طرف تھا اور ایک آپ کی طرف۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حریرہ بنا رکھا تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جو انہوں نے



نکاح فرمایا۔ میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو بھی کھانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا یا تو آپ حریرہ کھائیں ورنہ میں آپ کے منہ پر مل دوں گی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پھر بھی کھانے سے انکار کیا۔ چنانچہ میں نے پیٹ سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے منہ پر مل دیا تو انہوں نے بھی تھوڑا لے کر میرے منہ پر مل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ اہمیت زیادہ لے۔

اس مسکراتی ہوئی مگر محبت آفریں روایت سے اعجاز ہوتا ہے کہ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا میں کس قدر محبت اور قربت تھی۔ شکر رنجی یا رشک کا دور دور تک نام نہ تھا اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کو ان لفظوں میں یاد کرتی تھیں جو کسی بھی خاتون کیلئے اعزاز ہوتے ہیں۔ ربّ کریم اپنا انجام نازل فرما۔

اُمّ المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا پر کہ جنہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد آپ کے گھر کو سہارا دیا اور تمام دعائی آپ کی رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنے میں بسر کر دی۔





اُمّ المؤمنین

سیدہ عائشہ صدیقہؓ

مومنوں کی ماں ہیں کونین کی آنکھوں کا نور
 جن کی عظمت دیکھ کر ملتا ہے ہر دل کو سرور
 طیب و طاہر عقیقہ بیکرِ صدق و یقین
 اُمتِ احمد کے حق میں رحمتِ ربّ غفور
 صورتِ لعل و جواہر آپ کے اقوال ہیں
 آپ کا ارشاد برحق ہے مثالِ شمعِ طور
 آپ کی عفت کا شاہد ہے خدائے پاک خود
 آپ کی عفت کا ہے قرآنِ ربّی سے ظہور
 آپ تھیں محبوبِ محبوبِ خدائے دو جہاں
 آپ کی ہر اک ادا تھی زینتِ قلبِ حضور
 شامِ ارشادِ احمدِ محرمِ ذاتِ نبی
 ذاتِ دالا آپ کی تھی ظلمتوں میں شمعِ نور
 تھیں محدث اور مُفتر، حُسنِ فطرت اے رضا
 آپ نے بتلایا ہم کو اُسوۂ ذاتِ حضور

(محمد اکرم رضا)

علیہ کائنات

اُمّ المؤمنین سیدہ فاطمہ صدیقہ علیہا السلام

اُمّ المؤمنین حضرت فاطمہ صدیقہ عظیمہ علیہا السلام ہیں۔ آپ کے فضائل اور
عاشق محل و خرد سے ماورائی ہیں۔ آپ نے رسول کریم ﷺ کی حیات کا ہری لہر آپ
کے وصال کے بعد اسلامی تعلیمات کو جس شان سے اسحاب اسلام تک پہنچایا وہ اپنی
مثال آپ ہے۔ اگر آپ اخلاص اور عمل سے کام لیتیں تو بنانے کئے ہی مسائل محامدات
اور خاص طور پر خدائیں اور مشرین کی کتابوں سے جو عمل رہے آپ کا جبہ سخی کریم
ﷺ سے متعلق ہوا تو آپ کی عمر تھوڑی تھی مگر آپ کی کمال صحت کی طبیعت اور سرکار
دو عالم ﷺ سے اثر پذیر تھی آپ سیرت نبوی کی سب سے بڑی شمع تھیں اور آج
علوم اسلامیہ کا جواہر ان آفریں سرچشمہ یہ ہے اس میں آپ کا بھی قلمیہ حصہ ہے۔

بیت صدیقی امام جان نما

اس حرم برأت پہ لاکھوں سلام

یعنی ہے سورۃ نور جن کی گد

ان کی نور صحت پہ لاکھوں سلام

آپ اس عظیم الشان رباب کی بنی تھیں جو رسول خدا ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں
دنیا صدیق اکبر ﷺ کے نام سے یاد کرتی ہے اور جس کے بارے میں حضور نے نور ﷺ
نے فرمایا تھا کہ میں نے سب کے احسان چکا دیے مگر صدیق کا احسان باقی ہے اور جن
کی وقاداری و جاوہری آج ایک ضرب المثل بن چکی ہے۔



آپ حضرت فاطمہ سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور ۴ نبوی میں مکہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والدین آپ کی پیدائش سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، لہذا دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی توحید کی صداکانوں میں پڑی۔ جس ماحول میں پروان چڑھیں وہ عین اسلام تھا اسی بناء پر آپ شروع ہی سے کفر و شرک کی آلودگیوں سے محفوظ رہیں۔ آپ بچپن ہی سے کافی ذہین تھیں۔ خدا نے صورت بھی پسندیدہ ہوئی تھی اور سیرت بھی یکساں تھیں۔

دوسری بچیوں کی طرح حضرت عائشہ بھی بچپن میں کھیل کود کی شائق رہیں۔ گزریوں سے کھیلتا اور جھولے جھولتا آپ کے پسندیدہ کھیل تھے جن کا ذکر آپ شادی کے بعد بھی کیا کرتی تھیں۔ ذہن اس بلا کا پایا تھا کہ بچپن کی باتیں جوانی میں اس طرح بتایا کرتی تھیں جیسے سامنے کا واقعہ ہو۔ آپ کے والدین آپ کی ذہانت دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔

نبوت کے دسویں سال جب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو حضور ﷺ کو بہت صدمہ پہنچا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس طرح سے اپنی زندگی حضور ﷺ کی رفاقت میں گزاری تھی وہ ناقابلِ فراموش تھی اور پھر ساتھ ہی ساتھ حضرت ابوطالب بھی انتقال کر گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کفار مکہ کے ظلم و ستم انتہائی شدید ہو چکے تھے اور مسلمانوں پر عرصہ حیات پہلے کی نسبت تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ایسے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی منوں و ہدم رفیقہ حیات کی وفات کو حضور نبی کریم ﷺ نے شدت سے محسوس کیا۔

حضور ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کے غم میں دیکھ کر حضرت خولہ زوجہ حضرت عثمان بن مظعون نے عرض کیا ”حضور نکاح کر لیجئے“۔ اگر کنواری سے کرنا چاہیں تو افضل البشر (بعد الانبیاء والرسل) کی بیٹی عائشہ موجود ہیں اور اگر بیوہ سے کرنا

مقصود ہو تو حضرت سوده رضی اللہ عنہا کو پیغام دیا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے دونوں رشتے منکور کر لئے۔ حضرت سوده رضی اللہ عنہا سے تو فوراً نکاح ہو گیا اور پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت ابوبکر اور اُمّ رومان سے بات اٹھائی گئی۔ دونوں کو انکار کچھ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر کو تامل صرف یہ تھا کہ حضور ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہتے ہیں اس طرح آپ حضور کی بھتیجی ہوئیں اور بھتیجی سے نکاح کیونکر ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر میرے بھائی نہیں ہیں لہذا رشتہ ہو سکتا ہے۔ اس سے قبل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منگنی حضرت جابر بن مطعم سے ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر نے جابر کی والدہ سے مل کر منگنی توڑ دی اور پانچ سو درہم حق مہر پر اُن کا آپ سے نکاح پڑھا دیا گیا۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سات سال کی تھی اور آپ کو اپنے نکاح کی خبر تک نہ ہوئی بس والد آئے اور کہتے ہوئے لے گئے اور نکاح پڑھا دیا۔

نکاح کے بعد چونکہ آپ کم سن تھیں لہذا اپنے والد کے گھر رہیں اور پھر وہ وقت بھی آیا جب حضور ﷺ کو مشیتِ ایزدی کے مطابق مکہ سے ہجرت کر کے عازمِ مدینہ ہونا پڑا۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ دونوں کے اہل و عیال مکہ ہی میں تھے۔ جب مدینہ میں امن و سکون سے بیٹھنا نصیب ہوا اور فضا سازگار ہو گئی تو آپ نے زید بن حارثہ اور ابورافع کو بھیجا کہ آپ کے اہل و عیال کو مدینہ لے آئیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کو لانے کیلئے دو آدمی اور بھیج دیئے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے بعض افرادِ خاندان کے علاوہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اپنی والدہ اور دونوں بہنوں کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔ ابتداءً مدینہ کی فضا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو راس نہ آئی اور یہاں آ کر بیمار پڑ گئیں۔ جب آپ کو بیماری سے صحت نصیب ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود

حضرت امام علیؑ فرمایا: "میرے پاس لکھے ہوئے روپیہ نہیں ہے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے میری رقم لا کر حضور کے حوالے کر دی جسے حضور نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بھیج دیا اور ۲ ہجری ۱۹ شوال کو مصیبتی عمل میں آئی۔ جس سادگی سے نکاح ہوا تھا اسی سادگی سے یہ تقریب بھی منائی گئی۔ شوال کا مہینہ عرب عقیدہ کے مطابق منوں خیاں کیا جاتا تھا مگر اس خوش آنند اور مبارک واقعہ نے اس مہینہ کی نحوست کے باطل عقیدہ کو پاش پاش کر دیا۔ آپ نے اس مہینہ میں شادی کی تقریب کو بہت پسند فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرا نکاح اور میری مصیبت دونوں شوال میں ہوئے اس کے باوجود میرے شوہر کے نزدیک مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔

آپ نے ۹ سال حضور ﷺ کی رفاقت میں بسر کئے۔ آپ کی اس سے بڑھ کر اور خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ماہ عرب جو ظلمت کدوں میں نور پھیلانے اور پردہ باطل چاک کرنے کیلئے قارئین کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تھا آپ ہی کے حجرے میں غروب ہوا۔ آپ وہ پہلی حنیفہ و عصمت مآب خاتون تھیں جو نو عمری میں حضور ﷺ کی محبت سے فیض یاب ہو کر حضور کے گز پر سایہ ہیں۔ آپ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بعد حضور کو سب سے زیادہ محبوب رہیں اور آپ پر ہمیشہ حضور ﷺ کی چشمِ رحمت رہی۔ آپ علم و فضل کی ماہتاب نقیہ، قاضیہ اور زیادہ خاتون تھیں۔ آپ نے حضور سے کثیر احادیث روایت فرمائیں۔ خلاصہً اہمذیب میں مروی ہے کہ آپ سے دو ہزار دوسو دس احادیث مروی ہیں جن میں سے بخاری نے چوں اور مسلم نے اڑسٹھ راویوں سے روایت لی۔

صالح حضور ﷺ کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ کل عمر تریسٹھ سال ہوئی۔

آپ میں چند ایسی خصوصیات تھیں جو دوسری ائمہائے المومنین کو حاصل نہ تھیں

اور وہ یہ ہیں:

آپ حضور اکرم ﷺ کی واحد بیوی ہیں جو کنواری آپ کے نکاح میں آئیں۔

فرشتے نے خواب میں آپ کی صورت حضور ﷺ کے سامنے پیش کی۔

آپ پیدائش سے ہی شرک و کفر کی آلودگی سے منزہ رہیں۔

آپ ہی کے لحاف میں کئی بار حضور کو وحی ہوئی۔

آپ کے والدین مہاجر تھے۔

آپ کی برأت میں قرآن حکیم کی آیات نازل ہوئیں

آپ کا مرتبہ و مقام اس لحاظ سے بھی بلند ہے کہ بریت قرآن حکیم میں مولا

کریم نے فرمائی ہے۔ یہ مرتبہ آپ سے پہلے حضرت مریم علیہا السلام کو ملا تھا۔ واقعہ یوں ہے

کہ غزوہ بنی المصطلق میں قرعہ ڈالنے کے نتیجہ میں آپ بھی حضور پر نور ﷺ کے ساتھ

تھیں۔ قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ آپ قضائے حاجت کیلئے ایک سمت گئیں۔ جب

واپس آئیں اور گلے پر ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ ہار گر چکا ہے۔ چنانچہ پھر ہار کو ڈھونڈنے

گئیں۔ جب تلاش کر کے اسی جگہ آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ قافلے والے آپ کی غیر

حاضری سے بے خبر تھے۔ آپ پر پریشانی لاحق ہوئی اور چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں۔ موسم

خوشگوار تھا، آنکھ لگ گئی۔ حضرت منوان بن معطل قافلہ کی گری پڑی چیزوں کو اٹھانے کیلئے

پیچھے آ رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو سوتا پایا کہ قرآن حکیم کی آیات تلاوت کرنا شروع کر دیں۔

آپ جاگ پڑیں تو انہوں نے اونٹ پیش کر دیا، آپ بیٹھ گئیں اور پھر قافلہ سے جا ملیں۔

اب منافقوں کی بن آئی وہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنے کے بہانے

ڈھونڈا کرتے تھے۔ اس واقعہ نے ان کی زبانوں کو دور از کر دیا۔ اس دوریدہ و فنی کا نتیجہ چند



سادہ لوحوں کی اسلام سے برکتی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے منافقوں کا شوشہ قرار دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاکیزہ طبیعت قرار دیا۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں سوائے بھلائی کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ تحقیق کر لیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رازدار خادمہ بریرہ کو بتلایا گیا اور سختی سے دریافت کیا گیا، مگر اس نے کہا کہ میں نے عائشہ میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی ہاں البتہ آٹا گوند جتنے ہوئے سو جاتی ہے۔ منافقوں کی دیریدہ ہوشی سے اصحاب رسول میں اشتعال پھیل گیا اور وہ عبد اللہ بن ابی ریحس المنافقین کے سخت خلاف ہو گئے۔ بعض صحابہ کرام تو اس منافقِ اعظم کا سر قلم کرنے کیلئے اجازت طلب کرنے لگے مگر سرور کائنات ﷺ نے منع فرمایا۔

حضرت عائشہ اُن دنوں بیمار تھیں۔ اس صدمہ نے اور بڑھ حال کر دیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو کہنے لگیں ”خدا گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں اور وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے بیٹوں کو سخن سازی پر کہا تھا۔ خدا ضرور میری مدد کرے گا“ اور پھر باپ کے گھر آ گئیں۔ ایک روز حضور ﷺ آپ ہی کے گھر آئے ہوئے تھے کہ حضور پر وحی نازل ہوئی چادر اوڑھادی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب حضور کی طبیعت بحال ہو گئی تو آپ نے سورہ نور کی وہ آیت تلاوت فرمائیں جن میں آپ پر عائد کردہ الزامات کی تردید کی گئی ہے۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ حضور باہر تشریف لائے اور اصحاب کو آپ کی بریت سے مطلع فرمایا اور غلط الزام لگانے والوں کو اتنی اتنی دوسے لگائے گئے۔

ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد نوش کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو حضرت حصہ رضی اللہ عنہا سے مل کر کہا کہ جس کے ہاں



حضور تشریف لائیں وہی کہے: حضور نے شاید مغایر کا گوشت کھایا ہے۔ حضور ﷺ آپ کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے یہی فقرہ دہرایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں نے تو شہد کھایا تھا لیکن اب خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ شہد کبھی نہیں کھاؤں گا تم اس بات کو کسی دوسرے تک نہ پہنچانا۔“

اس پر سورہ تحریم نازل ہوئی۔ اے نبی تم اس چیز کو اپنے پر حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ تم اپنی بیوی کی مرضی چاہتے ہو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی زندگی جس طرح سادہ تھی اسی طرح آپ کی ازدواجی مظہرات نے بھی آپ کے ساتھ نباہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی دو وقت متواتر گیہوں کی روٹی کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ فرمایا کرتی تھیں کہ میں جب بھی سیر ہو کر کھاتی ہوں تو مجھے رونا آ جاتا ہے اور وہ وقت یاد آ جاتا ہے جب حضور نے سیر ہو کر دو دفعہ متواتر گوشت نہیں کھایا تھا۔

پھر اس وقت جب سلسلہ فتوحات پھیلنے لگا اور آسودگی کا دور دورہ ہوا تو ازدواجی مظہرات نے خرچ میں فراخی چاہی تو حضور ﷺ نے ایک ماہ تک آپ کے بالا خانہ پر گوشہ نشینی اختیار کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما اُنہا کی طرف سے وکیل بن کر حاضر ہوئے تو حضور کے بدن پر پلنگ کے بانوں کے نشان دیکھ کر رو پڑے اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو حرے اٹھائیں اور اللہ کا حبیب اس حال میں“

آپ نے فرمایا: جنہیں یہ پسند نہیں کہ ان کیلئے تو دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ ایک ماہ بعد حضور حجرہ سے باہر آئے اور سورہ احزاب رکوع نمبر ۴ کی آیات تلاوت فرمائیں جن میں آپ کی بیویوں کو نیکی پر بیزگاری، عبادت گزاری اور کفایت شعاری کی تلقین کی گئی

حق تعالیٰ نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کو کہا تھا اور انہیں دوسروں سے ممتاز اور ہر لحاظ سے فائق بنانا چاہا تھا۔ سب سے پہلے یہ آیات حضور نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنائیں اور پھر کہہ: والدہ سے پوچھ لو۔ آپ نے عرض کیا: مجھے کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے مجھے تو اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ یہی جواب تمام ازواجِ مطہرات کا بھی تھا۔

اس زعمی میں کتنا قصص سچی ہے مگر دنیا داروں کیلئے۔ حضور ﷺ نے ان بیویوں کو اسلامی تعلیم کے درجہ میں ایسا مطمئن رکھا کہ انہوں نے کبھی دنیاوی سامان کی خواہش نہ کی اور ہمیشہ آخرت کو دنیا سے بہتر سمجھا۔ کاشانہ نبی کیا تھا؟ اللہ کے محبوب نبی کا برتر از مرثیٰ بریں حجرہ تھا جس کا دل دنیا کے تمام دولت مندوں سے زیادہ غنی تھا۔ باوجودیکہ تمام عرب مطیع تھا لیکن گھر کی حالت یہ تھی کہ مٹی کی چار دیواری تھی اور سمجھور کی بیویوں کی چھت تھی جو بارش سے بچنے کیلئے ڈال دی گئی تھی مگر آپ کی ازواجِ مطہرات نے صرف اسی کو دنیا و آخرت کا اعزاز سمجھ کر زعمی گڑا دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کو سرمایہ حیات سمجھا ہمیشہ خرد و فاقہ کی زعمی کو اپنے لئے باعثِ اعزاز خیال کیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کی نظین پر ایک دفعہ معمولی سی آلودگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیج کر نظین شریفین کے اتارنے کا آپ کو حکم دیا۔ آپ کی زوجہ مطہرہ مقدسہ میں اس قسم کی آلائش ہوتی جس کا منافقین چرچا کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو نکال دینے کا بھی آپ کو حکم دیا۔ کیونکہ جب اُسے آپ کی فصل شریف کی آلودگی پسند نہیں تو بیوی کس طرح پسند ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم نہ کرنا۔ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ منافقین مجھونے ہیں۔ (تفسیر مدارک ص ۱۳۵/۳)

حضرت عائشہ صدیقہؓ بچپن ہی سے بہت ذہین تھیں۔ بچپن میں ایک دفعہ حضرت عائشہ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ سرورِ عالم ﷺ پاس سے گزرے۔ نخی عائشہ کی گڑیوں میں ایک پر دار گھوڑا بھی تھا۔ حضورؐ نے پوچھا: عائشہ یہ کیا ہے؟ جواب دیا ”گھوڑا ہے“۔ حضور ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے۔ انہوں نے بے ساختہ کہا ”کیوں یا رسول اللہ ﷺ! حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے تو پر تھے“۔ حضورؐ نے یہ جواب سن کر تبسم فرمایا۔

شادی کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زندگی میں بہت ذمہ داری آگئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر سرکارِ دو عالم ﷺ کی سہولتوں کا خیال رکھتیں اور آپ کی دلدی اور دلداری کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آپ سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن عامر نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: یا حضرت! ”آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کون عزیز ہے؟“ فرمایا ”عائشہ“ کہا ”مردوں میں پوچھتا ہوں“ فرمایا ”عائشہ کا باپ“ یہی حال حضرت عائشہ کا تھا وہ بھی محسن کائنات محمد ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عائشہؓ رات کو بیدار ہو جاتیں اور آپ کو پاس نہ دیکھتیں تو مضطرب ہو جاتیں۔ ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی اور بمقتضائے عشق است و ہزار بدگمانی خیال ہوا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں۔ ادھر ادھر تلاش کیا تو دیکھا آپ صبح و جلیل میں مصروف ہیں۔ اپنی غلط خیالی پر تادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا ”میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس حال میں ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے جن کپڑوں میں انتقال فرمایا حضرت عائشہ نے انہیں

بڑی محبت سے حضور رکھا تھا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو آپ کا تہ بند اور ایک کپڑا دیکھا کہ خدا کی قسم آپ نے انہی کپڑوں میں استعمال فرمایا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول کریم ﷺ کو نہایت محبوب تھیں لیکن اس محبوبیت کا کوئی اثر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہیں پڑتا تھا بلکہ سب سے زیادہ انہی کو آپ کا شرف خدمت حاصل تھا۔ رسول اکرم ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھویا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کا انعام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ تھا۔

آپ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی بچے اور اُس کی روٹی پکائی اور حضور ﷺ کا انتظار شروع کیا۔ آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں۔ آپ آئے تو جگایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لباس کے حلق مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سُرخ کرتہ اور سیاہ اوڑھنی زیب تن فرماتی تھیں لیکن زعفرانی رنگ کے لباس کا ذکر اکثر ملتا ہے۔ حضرت قاسم بن محمد کی روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بحالت احرام سونے کی انگوٹھی اور زرد رنگ کا لباس پہنے دیکھا ہے۔ ایک ریشمی چادر بھی کبھی کبھی استعمال فرماتی تھیں جو بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو عطا فرما دی۔ قناعت پسندی کی وجہ سے ایک ہی جوڑا پاس رکھتی تھیں اور اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ لباس میں شرع کا اتنا لحاظ تھا کہ ایک بار اُن کی بھینجی حضرت حصہ بنت عبدالرحمن ایک بار ایک اوڑھنی سر پر ڈالے ملنے آئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور فرمایا ”تم نہیں جانتی ہو سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ پھر ایک دھڑکڑے کی اوڑھنی منگوا کر انہیں پہنا دی۔

آپ پردے کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اُتریں۔



صاحبِ خانہ کی دولڑکیوں کو جوابِ جوان ہو چلی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ تاکید فرمائی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے۔ ایک دفعہ ابنِ اسحاق نا بیٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئے تو آپ نے پردہ کیا۔ ابنِ اسحاق نے کہا ”آپ مجھ سے چھٹی ہیں میں تو آپ کو نہیں دیکھتا“ فرمایا کہ اگر تم مجھ کو نہیں دیکھتے تو کیا ہوا میں تو تم کو دیکھتی ہوں۔

عورتیں بالعموم اسراف کی عادی ہوتی ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں قناعت کا وصف خصوصیت سے ودیعت ہوا تھا۔ لہٰذا نہ دُنوی اور مال و متاع کی طرف رُخ بھی نہ کرتی تھیں۔ ترمذی کے بابِ زہد میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دفعہ انہوں نے کھانا طلب فرمایا۔ پھر فرمایا: میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے دونا آتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا: یہ کیوں؟ فرمایا: مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا تھا خدا کی قسم دن میں دو دفعہ بھی سیر ہو کر آپ نے روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

ایک دن آپ روزے سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے کچھ اور موجود نہ تھا۔ اس حالت میں ایک مسکین عورت آئی تو آپ نے کینز کو حکم دیا کہ وہ روٹی اُس کو کھلا دے اس نے عرض کی: افطار کس چیز سے کیجئے گا؟ بولیں ”اللہ مالک ہے۔“ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا۔ لوٹتی کو بلا کر فرمانے لگیں ”لے کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چنانچہ چڑکتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ رات کے وقت اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے جب حضرت عائشہ کی آنکھ کھلی اور حضور کو موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوئیں دیوانہ وار اٹھیں اور ادھر ادھر اندھیرے میں ٹٹولنے لگیں۔ آخر ایک جگہ حضور کا قدم مبارک ملا دیکھا تو آپ سر بسجود یا دالہی میں مشغول



ہیں اس وقت انہیں اطمینان ہوا۔

جب نبی اکرم ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جسم مبارک پر خوشبو لگاتی تھیں۔

ایک دفعہ سفر میں حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کو بھیجا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت آ گیا، دور دور تک پانی نہیں تھا اس لئے لوگوں نے بغیر وضو نماز پڑھی۔ واپس آ کر حضور ﷺ سے ماجرا بیان کیا۔ اس وقت آیت شتم نازل ہوئی۔ حضرت اُسید بن حذیر رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی فضیلت سمجھا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”اُمّ المؤمنین اُخدا آپ کو جزائے خیر دے آپ کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے آپ کو نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لیے وہ ایک برکت بن گیا۔“

فی الحقیقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پایہ علم و فضل اتنا بلند تھا کہ اُس کو بیان کرنے کیلئے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ یہاں ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بہت سے اہل میر کے نزدیک علمی کمالات، دینی خدمات اور سرورِ عالم ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کے نشر و اشاعت کے اعتبار سے حضرت صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ اگر انہیں ”مُحَنّہ اُمت“ کہا جائے تو اس میں مُطلق کوئی مُبالغہ نہ ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور مستفیدین کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے جن میں متعدد اکابر صحابہ کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فیاضیاں بھی ضرب المثل ہیں۔ وہ بڑی فراخ دلی سے راوِ خدا میں صرف کرتی تھیں۔ تھوڑے بہت کا لحاظ نہ ہوتا تھا جو کچھ پاس ہوتا سائل کو



دے دیتیں۔ ایک بار حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔ آپ اس دن روزہ سے تھیں، سب اُسی وقت تقسیم کر دیے۔ جب شام ہوئی تو اُمّ ذرہ نے کہا: یا اُمّ المؤمنین! اس رقم سے اظہار کیلئے کچھ گوشت ہی لے لینا تھا۔ فرمایا: ”تم نے یاد دلایا ہوتا۔“

ایک بار حضرت مُنکدر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پوچھا ”تمہارے کوئی اولاد ہے؟“ انہوں نے کہا: نہیں، فرمایا ”اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو تم کو دے دیتی۔“ حُسنِ اِتِّاق سے اسی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن کے پاس کچھ رقم بھیجی۔ فرمانے لگیں ”کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی ہے۔ فوراً آدی بھیج کر حضرت مُنکدر کو بلایا اور دس ہزار درہم ان کو عطا کئے۔ انہوں نے اس رقم سے ایک لوٹری خریدی، جس سے متعدد بچے پیدا ہوئے۔

خدا تعالیٰ سے بہت ڈرتی تھیں، بڑی رشتی القلب تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے، یہ مکہ میں تھیں۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے پہنچ کر ان کو اطلاع دی تو وہ دعوتِ اصلاح کیلئے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ پیش آئی۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر بیٹھی تھیں، اس لئے اس کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ جنگ اِتِّاقیہ پیش آگئی تھی تاہم جب ان کو اس کی شرکت یاد آتی تھی تو بے اختیار رقت طاری ہو جاتی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھیں۔ ان کو اپنی اس غلطی پر ہمیشہ افسوس رہا۔ اکثر فرمایا کرتیں کاش آج سے بیس برس پہلے میں معدوم ہو چکی ہوتی۔ اسی واقعہ جمل کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً ازواجِ مطہرات سے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک اونٹ پر بیٹھنے والی ہے، جس کے آس پاس بہت سے مقتول ہوں گے اور اس کے بعد ہی اُس کی مغفرت ہوگی۔

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دین کو سمجھنے اور اصول دین کو پھیلانے کا خاص ملکہ تھا اس مقام میں آپ وہاں تک پہنچی ہوئی ہیں کہ چند ہی صحابہ آپ سے سر بلند نظر آتے تھے۔ یہ کمال کی عتباتِ خداوندی ہے کہ شادی ہوتی ہے تو لڑکپن ہے فقط ۹ سال حضور ﷺ کی معیت میں گزارے ہیں مگر اس مدت میں ہی تقدے فی الدین کے اس مقام تک پہنچ گئیں جہاں بڑے بڑے صحابہ آپ سے رجوع کرنا باعثِ اعزاز سمجھا کرتے تھے۔ آپ پوری شرح صدر اور کمال احتیاط کے ساتھ مسائل سمجھا کرتی تھیں۔ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خصوصی نسبت کی بناء پر چند ایسے فضائل اور بلند درجات حاصل تھے جو کسی اور کا مقدر نہ بن سکے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان اوصافِ خاص کا بڑے فخر سے ذکر کرتیں اور فرمایا کرتیں:

- ۱۔ بحیر میرے آنحضرت ﷺ کے نکاح میں کوئی بیوی نہ نکھڑا نہیں آئی۔
- ۲۔ آپ کی ازواج میں صرف مجھی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ میرے ماں اور باپ دونوں مہاجر ہیں۔
- ۳۔ اللہ عزوجل نے آسمان سے میری برأت کی آیت نازل فرمائی۔
- ۴۔ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ عزوجل کے حکم سے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ عائشہ سے شادی کر لیجئے۔
- ۵۔ میں آپ کے سامنے ہوتی تھی اور آپ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔
- ۶۔ نزول وحی کے وقت صرف میں ہی آپ کے پاس ہوتی تھی۔
- ۷۔ جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک نے عالم قدس کی طرف پرواز کی اس وقت آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔
- ۸۔ جس شب کو میری باری تھی اسی شب کو رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا۔

۹۔ میں اور آنحضرت ﷺ ایک ہی برتن سے خُسل کرتے تھے۔

۱۰۔ میرے ہی حُجرہ کو آنحضرت ﷺ کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

مزید چند فضائل پیش خدمت ہیں:

☆ حضرت اُبُو مُوسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَسُوْلُ اللہ ﷺ نے فرمایا ”عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا کہ عائشہ کو عورتوں پر ایسے فضیلت ہے جیسے ثریا کو تمام کھانوں پر۔

☆ تمام ازواجِ مطہرات کے ہاں حضور ایک ایک رات قیام کرتے جبکہ سیدہ عائشہ کے ہاں دو راتیں۔ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری آپ کو دے دی تھی)

☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام اہل خانہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی خصوصی تلقین فرمایا کرتے۔

☆ حضور ﷺ آپ کیلئے خصوصی دُعائیں فرمایا کرتے تھے۔

☆ حضرت جبریل امین رضی اللہ عنہ کے ایک کپڑے میں آپ کی تصویر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ان سے شادی کر لیں۔

☆ عبادتِ الہی سے بے پناہ شغف تھا نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے ادا کرتی تھیں۔ اکثر روزے سے رہتی تھیں حج کی شدت سے پابند تھیں۔ آپ کے پردے کا اندازہ سے اس بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک آپ کے حُجرے میں رَسُوْلُ اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق آرام فرما رہے اس وقت تک آپ وہاں آیا جایا کرتی تھیں اور سوتی بھی تھیں لیکن حضرت عمر کے آجانے سے رُک گئیں حالانکہ شریعت میں فوت شدگان سے پردہ نہیں۔

آپ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ



میں فروخت کر دیا اور جو رقم ملی وہ سب کی سب غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت عبداللہ بن زہیر رضی اللہ عنہ جو کہ آپ کے بھانجے تھے اور سیدہ کے سب سے زیادہ چہیتے تھے اور آپ کی خدمت اکثر بھی کیا کرتے تھے۔ آپ کی فیاضی کو دیکھتے دیکھتے گھبرا گئے اور انہوں نے کہہ دیا کہ آپ کا ہاتھ روکنا چاہیے۔ جب سیدہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے قسم کھائی کہ اب کبھی ابن زہیر سے بات نہ کروں گی۔ وہ میرا ہاتھ روکے گا۔ بہت عرصہ حضرت ابن زہیر سے ناراض رہیں آخر بہت لوگوں کی سفارش سے انہیں معاف فرمایا۔

چند ممتاز صحابہ کی آپ کے بارے میں رائے دیکھئے جس سے آپ کی وسعتِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مروق تابعی سے کسی نے پوچھا ”کیا حضرت عائشہ“ فرائض سے واقف تھیں۔“ جواب دیا ”بخدا میں نے اُن سے بڑے بڑے صحابہ کو فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے۔“

امام زہری کا معقولہ ہے ”اگر تمام مردوں اور ائمہات المؤمنین کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان میں سب سے زیادہ ہوگا۔“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا ہو اور اُن کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔“

عروہ ابن زہیر فرماتے ہیں ”میں نے فقہ طہ اور شاعری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا۔“

یہی عروہ اپنے باپ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اکثر حضرت عائشہ



صَدِّیقِ عَیُّوبِیؑ ساٹھ ساٹھ سو شعر کے قصیدے سنایا کرتی تھیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ جو بڑے جلیل القدر تابعی تھے بیان کرتے ہیں ”میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ سنتِ نبویؐ کا عالم تفقہ فی الدین کا ماہر اور آیاتِ کلامِ مجید کے شانِ نزول اور فرائض کا جاننے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔

حضرت موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں ”میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی اور کو نہیں دیکھا۔

حضرت احمت کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے حکام اور فضلاء کے فیصلے سنے ہیں لیکن جو شانِ حضرت عائشہؓ کے خطبوں میں پائی وہ اور کہیں نہیں دیکھی۔

جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ازدواجی زندگی کے نو برس گزر گئے تو آقائے دو جہاں مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے۔ حضور تیرہ دن علیل رہے۔ ان تیرہ دنوں میں پانچ دن دیگر ازواج کے ہاں قیام فرمایا اور آٹھ دن حضرت عائشہؓ کے ہاں رہے۔ شدتِ مرض میں کمزوری کی وجہ سے حضور ﷺ اپنی مسواک حضرت عائشہؓ کو دیتے وہ اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کرتیں اور پھر حضور ﷺ استعمال کرتے۔

۹ یا ۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو سردِ کونین ﷺ کی رُوحِ اطہر نے عالمِ قدس کی طرف پرواز کی۔ اس وقت حضور ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سینہ پر رکھا ہوا تھا اور پھر انہیں کے حجرہ مبارک کو حضور کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

رحلتِ نبی اکرم ﷺ کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۳۸ برس انہوں نے عالمِ بیوگی میں بسر کئے۔ اس تمام عرصہ میں وہ تمام عالمِ اسلام کے لئے رشد و ہدایت، علم و فضل و خیر و برکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں۔ ان سے ۲۲۱۰

(دو ہزار دوسو دس) حدیثیں مروی ہیں: بعض کا قول ہے کہ احکامِ شریعہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

آپ کو جنت البقیع میں دوسری اہمات المؤمنین کے قریب دفن کیا گیا۔ مالا نکہ اگر آپ چاہتیں تو اپنی تدفین کیلئے روضہ رسول ﷺ کے حوالے سے بھی وصیت کر سکتی تھیں لیکن آپ نے دیکھا کہ وہاں آقائے دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ حاضر ہیں تو کوئی حق نہیں جتایا بلکہ جنت البقیع کو پسند فرمایا۔

دین و دنیا میں پیامِ نور اُمّ المؤمنین
لاڈلی صدیق کی ہاں انکارِ عالمیں
سرورِ کونین کے الطاف کی حقدار ہیں
عائشہ یعنی حبیبِ رحمۃ للعالمین



اُمّ المؤمنین

حضرت حفصہ بنت عمرؓ

حضرت حفصہؓ وقارِ جانِ اُمّ المؤمنین
 ان کا اسوہ اہل ایمان کیلئے نورِ مبیں
 ان کی ساری زندگی تھی محبتِ احمد کی مثال
 اُن کا ہر ارشاد ہے اپنے لئے شمعِ حسیں
 لاڈلی حضرت عمرؓ کی 'نورِ چشمِ مصطفیٰ'
 اُمّہاتِ المؤمنین کے درمیاں جانِ یقین
 تھی مزاجِ پاک میں تلخی مگر پھر ایک دن
 فیضِ احمدؐ سے ہوئی تلخی بالآخر آہکیں
 اُمّہاتِ المؤمنین ہیں رُوحِ ایمان و عمل
 ہے وجودِ پاک ان کا آج گرچہ در زمیں
 اُن کے فیضِ عام کا ہے گلستاں مہکا ہوا
 اُن کا ہر انداز ہے تاریخِ فطرت کا نگین
 اے رِضاِ نسبت رہے ان سے بے نیعانِ نئی
 ہے یہی اک آرزو بس حاصلِ قلبِ حُزین

اُمّ المؤمنین

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المؤمنین ہونے کی حیثیت سے آپ کا رتبہ بہت بلند ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جو شخصیت بھی سرور کائنات ﷺ کی زوجیت میں آگئی وہ مقام و مرتبہ میں کائنات کیلئے نمونہ ہدایت بن گئی۔ آپ نبی کریم ﷺ کی چوتھی زوجہ تھیں۔ سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے حراج میں ذرا تیزی تھی مگر آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ اُن کے پیش نظر ہمیشہ یہی مقصد تھا کہ محبوب کائنات ﷺ کی خوشنودی عطا ہو۔ قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کرتیں، اکثر روزے سے رہیں۔ آپ اعلان نبوت سے پانچ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

جب سیدہ حفصہ نے ہوش سنبھالا اور تو ان کے والد گرامی حضرت عمر بن خطاب اور والدہ حضرت زینب اسلام قبول کر چکے تھے۔ دیگر اہل خانہ بھی مسلمان تھے اس لئے سیدہ حفصہ نے اسلام کی آغوش میں آنکھ کھولی۔

آپ کا پہلا نکاح حضرت خنیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ سے ہوا جو بنو سہم سے تھے۔ وہ دعوت حق کی ابتداء میں شرفِ اسلام بہرہ ور ہو گئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ ہی سعادتِ ابد و زِ اسلام ہو گئیں۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ ۶ بعد بعثت میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آ گئے اور پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

حضرت خنیس رضی اللہ عنہ ماہِ حق کے ایک جاہل سپاہی تھے۔ ۲ ہجری میں غزوہ بدر میں آیا تو وہ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ پھر ۳ ہجری میں



غزوہ اُحُد میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے۔ اسی حالت میں انہیں اٹھا کر مدینہ لے گئے لیکن علاج کے باوجود جاں نہ بچ سکے اور حضرت خضہ رضی اللہ عنہ بڑھ ہو گئیں۔ جب اُن کی عدت کا زمانہ پورا ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جن کی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ العالمین کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ بہت مغموم تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت خضہ کا رشتہ پیش کیا تو انہوں نے غور کیلئے وقت طلب کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور رشتہ پیش کیا مگر وہ بھی خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رنجیدہ ہوئے اور بارگاہِ رسول ﷺ میں حاضر ہو کر ماجرائے غم عرض کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”خضہ سے شادی وہ کریں گے جو عثمان سے بہتر ہوں اور عثمان اس سے شادی کریں گے جو خضہ سے بہتر ہوگی۔“

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی اُم کلثوم کی شادی حضرت عثمان سے کر دی اور حضرت خضہ سے خود نکاح کر لیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مزید عقد فرمائے تو سیدہ عائشہ اور سیدہ خضہ میں بہنوں سے بڑھ کر محبت ہو گئی۔

ابو اسامہ حماد بروایت حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حلوہ اور شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ عصر کی نماز کے بعد ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت خضہ رضی اللہ عنہ کے پاس معمول سے زیادہ دیر ہو گئی۔ بمقتضائے فطرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک ہوا اور انہوں نے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ کسی عورت نے حضرت خضہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہدیہ شہد بھیجا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اُسے کھایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس



کا ذکر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور ان کو سکھا دیا کہ جب آنحضرت ﷺ تمہارے پاس آئیں تو کہنا: یا رسول اللہ! آپ نے مغفیر کھایا ہے (مغفیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کو شہد کی مکھی چوتی ہے اس میں کسی قدر بو ہوتی ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کو سخت ناپسند تھی) آپ فرمائیں گے کہ مجھے حصہ نے شہد پلایا ہے تم کہنا: شاید یہ شہد عرق کی مکھی کا ہے۔ یہی بات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی سکھادی۔ آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے حسبِ قرارِ اودھ ہی کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی ٹھنکھوکی۔ اس کے بعد آپ ایک دن حضرت حصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے حسبِ معمول شہد پیش کرنے کا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی حاجت نہیں اور عہد کر لیا کہ آئندہ شہد نہ کھائیں گے اس کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

”اے نبی! تم اپنی بیویوں کی خوشنودی کیلئے جو چیز خدا نے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو“۔ (پارہ ۲۸، سورہ تحریم، آیت ۱)

واقعہ تحریم کے کچھ دن بعد آنحضرت ﷺ نے کوئی راز کی بات حضرت حصہ رضی اللہ عنہا سے کہی اور تاکید فرمادی کہ کسی سے نہ کہیں مگر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھپانہ سکیں اس پر یہ آیت اتری:

ترجمہ: ”اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ اُن سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب اُن سے کہا تو انہوں نے کہا کس نے آپ کو خبر دی۔ پیغمبر نے کہا مجھ کو خدا نے علیمِ دُخیر نے خبر دی“۔ (سورہ تحریم، آیت ۳)

چونکہ یہ صورتِ حال رسول اللہ ﷺ کی برہمی کی تھی اس لئے حضرت حصہ



ﷺ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے متفق ہو کر معاملہ کو سلجھانا چاہا تو دونوں کی شان میں اس آیت کا نزول ہوا:

”اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کے (حق) میں منظرہ کرو تو خدا جبریل اور دنیا تمام سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں۔“ (سورہ تحریم، آیت ۴)

کچھ دُجُوہ کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے حضرت حصہ کو ایک طلاق دے دی۔ بس آپ کے پاس جبریل آئے اور عرض کی: یا محمد ﷺ آپ نے حصہ کو طلاق دے دی جبکہ وہ صوامہ اور قوامہ ہے اور جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوگی۔ بس حضور نبی کریم ﷺ نے اُن سے رجوع کر لیا۔

حضرت حصہ کو حصولِ علم کا بہت شوق تھا اس لئے سرورِ کائنات ﷺ ان کی تعلیم کا خاص اہتمام فرمایا: ارشادِ رسولِ اکرم ﷺ کے مطابق حضرت شفا بنت عبد اللہ نے ان کو لکھنا سکھایا اور چیونٹی کے کاٹنے کا دم بھی سکھایا۔ اُمّ المؤمنین کو دین میں حصّہ کا بھی ایک خاص ملکہ تھا۔ مختلف آیات پر غور کرتیں اور ان سے مختلف نکات نکالتیں۔ چونکہ مزاجِ شناس رسول تھیں اس لئے آپ کا حراج دیکھ کر سوال پوچھتا ہوتا بے دھڑک پوچھ لیتیں۔ اُمّ بَشَر انصاریہ فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ سیدہ حصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھی اور وہاں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں اُمّید کرتا ہوں کہ اصحابِ حدیبیہ جہنم میں نہ جائیں گے“ سیدہ حصہ رضی اللہ عنہا نے سُن کر کہا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”تم میں سے ہر شخص جہنم میں سے گزرنے والا ہے۔ یہ تیرے رب پر لازم

ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔“ (پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۷۱)



اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ اس کے بعد یہ بھی ارشاد ہے:
 ”مگر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو ڈرتے تھے اور خالموں کو اس میں گرا ہوا

پھوڑ دیں گے۔“ (سورہ مریم، آیت ۷۷)

ہر شخص کو جہنم عبور کرتے ہوئے پلِ صراط کے اوپر سے گزرنا ہوگا۔ مسلمان بخیر و
 عافیت گزر جائیں گے اور کافر گرجائیں گے۔

تقریباً حدیث میں اُمّ المؤمنین سیدہ خضہؓ کا بڑا ہاتھ ہے۔ حضرت عمرو
 بن رافع کہتے ہیں کہ میں اُمّ المؤمنین کیلئے مصحف لکھا کرتا تھا۔ کتبِ احادیث میں ان
 سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ آپ کی عبادت و ریاضت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا
 ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت بھی آپ روزے سے تھیں۔ آپ کی ایک
 جائیداد تھی جو حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی نگرانی میں دے دی تھی۔ جب آپ کے
 وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ میرے
 بعد اس جائیداد کو فروخت کر کے صدقہ کر دیتا۔

حضرت سیدہ خضہؓ نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں تریسٹھ برس کی
 زندگی میں وصال فرمایا۔ یہ حضرت امیر معاویہؓ کا دورِ حکومت تھا۔ مدینہ کے گورنر
 مروان بن الحکم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر سیدنا ابو ہریرہؓ جنازے کو قبر تک
 لے گئے۔ سیدہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے صاحبزادوں حضرت
 عاصمؓ، حضرت سالمؓ، حضرت عبداللہ اور حضرت حمزہؓ نے قبر میں اتارا۔ اُمّ المؤمنین کی ایک
 فضیلت یہ بھی ہے کہ ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے کروایا کیونکہ حضرت عمرؓ
 کے پوچھنے پر رسول اللہ ہی نے تو فرمایا تھا کہ عمر اللہ تعالیٰ نے عثمان کا نکاح تیری بیٹی سے
 اچھی عورت سے کر دیا ہے اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا ہے۔



رسول کریم ﷺ نے کتاب شدہ قرآن مجید کے اجزاء کو جمع کر کے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیا جو تا زندگی آپ کے پاس رہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جو کسی اُمّ المؤمنین کے حصے میں نہیں آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جو نقلیں تیار کروائیں وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخے کو دیکھ کر تیار کی گئی تھیں۔ آپ کے طویل قیام کی گواہی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دی اور حضرت جبرائیل نے رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کو یہ پیغام دیا کہ آپ حضرت حفصہ سے رجوع کر لیں کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور پرہیزگار خاتون ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دجال کے شر سے بہت ڈرتی تھیں۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ مدینہ میں ایک شخص ابنِ صیاد تھا۔ اس میں دجال کی بعض علامات پائی جاتی تھیں۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں مل گیا۔ انہوں نے اس کی بعض حرکتوں پر اظہارِ نفرت کی۔ ابنِ صیاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے اسے پشیمان شروع کر دیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بھائی سے کہنے لگیں:

”تم اس سے کیوں اُلجھتے ہو تمہیں نہیں معلوم حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اُس کا غصہ ہوگا۔“

آخری وقت میں جوں جوں آپ نے ہمارے رسول اللہ ﷺ کی قربت کا فیض اٹھایا، مزاج کی چیزی نرمی اور حلم و حیا میں بدل گئی۔ اسی طرح یہ محبت رسول ﷺ کا گداز تھا جس نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے خمد خو اور بلند لہجہ میں گفتگو کرنے والے کو بارگاہِ رسول میں سراپا عجز و نیاز بنا دیا تھا۔

اُمّ المؤمنین کو اُمت میں اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ



کے زمانے میں جبکہ صفین کا واقعہ پیش آیا تو اس کا خاتمہ حکیم پر ہوا تو آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو فتنہ سمجھ کر گوشہ نشین ہونا چاہتے تھے کیونکہ قاطلان حضرت عثمان کے قصاص کے سلسلہ میں حضرت مولانا علی اور حضرت امیر معاویہ کی گفتگو منافقین کے ہنگامے کی نذر ہو گئی تھی۔ ایک دن آپ اپنی بہن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: آپ دیکھ رہی ہیں کہ لوگوں کا کیا حال ہے اس لئے میں اس معاملے میں گوشہ نشین ہونا چاہتا ہوں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس میں شرکت سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں تاہم اس کی اصلاح کوشش میں تمہیں شریک رہنا چاہیئے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہو گا اور مجھے ڈر ہے کہ تمہاری کوششیں سے ان میں اختلاف ہو جائے گا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کے سمجھانے پر اس معاملہ کی اصلاح میں شریک رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا میں بہت قربت تھی شاید اس لئے بھی کہ دونوں کے والد آپس میں گہرے دوست تھے، لیکن آپس میں اس قدر محبت اور شہ و شکر ہونے کے باوجود بھی دونوں میں محبت رسول ﷺ کے حوالے سے رشک کا جذبہ پیدا ہو جاتا۔ ایک دن یہ دونوں اُتھات رضی اللہ عنہن رسول کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ راتوں کو حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلے گئے اور ان سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنی سہیلی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

”آج رات تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور میں تمہارے اونٹ پر“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔ حضور اکرم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔ جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو گھاس کے درمیان اُٹکا کر کہنے لگیں:

”اللہ کسی سانپ یا بچھو کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے“

یہ سب کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیادہ سے زیادہ توجہ حاصل کرنے کیلئے تھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی جانب کوچ فرمایا تو اس سانپ اور تھال کے وقت حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی عمر ۲۹ سال تھی۔ آپ نے ساڑھے سات سال کا عرصہ اپنے محبوب شوہر کی محبت و رفاقت میں گزارا تھا۔

خدا نے پاک کی رحمتیں ہوں اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہؓ پر جنہوں نے قرآن حکیم کا ابتدائی دور سنبھالے رکھا۔

سلام ہو آپ پر کہ آپ از حد عابد و زاہد اور پرہیزگار تھیں۔

سلام ہو آپ پر کہ آپ سخاوت و رحمت کا بہتادوریا تھیں

.....O.....

وہ دلہندہ عمرؓ وہ سرورِ بطحا کی دیوانی

ہماری مادرِ عالیٰ یقیں کی شمعِ ایمانی

سلام اس پر کہ کردارِ جیس جس کا مُعْتَمَر ہے

سلام اس ذات پر جس پر تھی رحمت کی فراوانی



اُمُّ الْمُؤْمِنِیْنَ

زینب بنتِ خزیمہ ؓ

جس طرح افلاک پر تاروں کا اُونچا ہے مقام
اس طرح سے دہر میں ہے حضرت زینبؓ کا نام
جس طرح گُزارِ ہستی کے ہیں بکھرے رنگ و بو
ہے مُسَلَّم حضرت زینب کی حکمت چار سو
عمر اپنی وار دی سرکارِ والا کے لئے
دعائی کی ہر الطاف آقا کے لئے
سرورِ عالم کی راحت، یزیمِ ہستی کا تکیں
تھیں نہی پاک کی زینت، یہی شمعِ حسیں
یاد رکھتی تھیں سدا اقوالِ شاو دوسرا
تاکہ اُن سے فُکلتِ حالات میں پھیلے رُیا
تھیں یہ اُمُّ الْمُؤْمِنِیْنَ گُزارِ ہستی کا جمال
تھا عبادت اور ریاضت میں انہیں حاصل کمال
رات دن وقفِ عبادت خود کو رکھتی تھیں رِضا
رَبِّ عَالَم پر یہ راضی اُن پہ راضی تھا خُدا



اُمّ المؤمنین

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا شمار حضور نبی کریم ﷺ کی ازواج میں پانچویں نمبر پر ہوتا ہے۔ آپ کا اسم گرامی حضرت زینب تھا جبکہ آپ کا لقب ”اُمّ المساکین“ تھا، اور یہ لقب آپ کو اس لئے عطا ہوا تھا کہ آپ مسکینوں، غریبوں، یتیموں کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں۔ بے پناہ دریا دل اور نخی تھیں۔ آپ اپنے پاس کچھ رکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں جو بھی پاس ہوتا بلا تاخیر خیرات کرویتیں۔ بھوکوں کو کثرت سے کھانا کھلاتیں اس لئے تاریخ میں اُمّ المساکین کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں جب ۳ ہجری جنگ اُحُد ہوئی تو آپ بھی اس میں شریک تھے۔ لڑائی سے قبل حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کمال عاجزی سے دعا مانگی۔

”اے خالقِ کونین! مجھے ایسا لمحہ مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضب ناک ہو میں تیری راہ میں لڑتا ہوں اُس کے ہاتھوں شہید ہو جاؤں اور وہ میرے ناک کان کاٹ ڈالے تاکہ جب میں تجھ سے ملوں اور تُو پوچھے کہ اے عبداللہ! تیرے ناک اور کان کیوں کاٹے گئے؟ تو میں عرض کروں اے: میرے خدا! فقط تیری اور تیرے محبوب ﷺ کی خوشنودی کیلئے کہ میں اُن کے راستے میں سُرخرو ہو جاؤں۔“

کیسی عجیب دُعائی! کیسا جذبہ عشقِ رسول تھا! کیسا حبِ الہی کا چمکا ہوا سمندر تھا! جس مار رہا تھا۔ انہیں غیب سے شہادت کی بشارت ملی۔ چنانچہ فرطِ اشتیاق شہادت سے فرمایا:

”رَبِّ دُعا لَم کی قسم! میں دشمن سے لڑوں گا، حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میرا مسئلہ کرے گا۔“

چنانچہ جب میدانِ جنگ گرم ہوا تو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس جوش اور



بہاؤی سے لڑے کہ آپ کی نکوار کھڑے کھڑے ہو گئی۔ آپ ہار گاؤ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک چھڑی دی۔ آپ اُس چھڑی کو لے گئے اور اُس چھڑی نے نکوار کا کام کیا۔ اسی حالت میں بے جگری کے ساتھ لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ مشرکین نے اُن کے ہونٹ ناک اور کان کاٹ کر انہیں دھاگہ میں پرو دیا۔ اس طرح اُن کی یہ خواہش بھی اللہ رب العزت نے قبول فرمائی۔

یاد رہے کہ بھی بہاؤی خیرات آزاں اور شجاعت کی اعلیٰ ترین مثال حضرت عبداللہ بن جش ام المومنین سیدہ نعنہ بنت جحش کے سگے بھائی تھے۔

دس ماہ تک بیوہ رہیں۔ پیامِ بیگی میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیغامِ نکاح بھیجا تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ میرے معاملے میں خود بخار ہیں۔ چنانچہ ابتدائے رمضان ۳ ہجری میں پیارے مصطفیٰ ﷺ ان کو اپنے حوالہ عقد میں لے کر حرمِ نبوی ﷺ میں داخل فرمایا۔ اُن کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ (پانچ سو درہم) مقرر ہوا۔ اُس وقت حرمِ رسول ﷺ میں حضرت سیدہ سودة بنت جحش بنت زمنہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر اکبر صدیق اور حضرت سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا موجود تھیں جبکہ حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا چھ سال قبل وصال ہو چکا تھا۔ ام المومنین سیدہ نعنہ بنت رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ تک زندہ رہیں اُس لئے آپ کے مزید حالات کتبِ احادیث و سیرہ میں نہیں ملتے۔

ام المومنین سیدہ نعنہ بنت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ حیات رہیں اور عین شباب کے عالم میں جب ان کی عمر ایک روایت کے مطابق تیس (۳۰) سال اور دوسری روایت کے مطابق تیس (۳۲) سال ہوئی تو آپ ماہِ ربیع الثانی ۴ ہجری میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔ رسول اللہ



ﷺ نے خود ان کا نماز جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ جنت البقیع میں ایک قبہ تھا جس کو قبۃ ازواج النبی کہا جاتا تھا یہاں پر ازواجِ مطہرات اسودہ خاک تھیں۔

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ واحد زوجہ ہیں جنہوں نے پیارے مصطفیٰ ﷺ کی ظاہری زندگی میں وصال فرمایا اور حضور رحمت عالم ﷺ کے ہاتھوں اپنا آخری سفر طے کیا۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اعلانِ نبوت سے چودہ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا خاندان بنو ہلال مکہ مکرمہ کا ایک نہایت معزز اور قابلِ عزت خاندان تھا جو کہ قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھے اور یہ شاخ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھی۔ چونکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ زندہ رہیں اس لئے کتبِ سیرت میں آپ کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔

☆ آپ کا سب سے بڑا فخر اور اعزاز تو یہی ہے کہ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ اور مومنین کی ماں تھیں۔

☆ آپ نے بھی مکہ سے مدینہ منورہ تک ہجرت فرمائی اس لئے آپ کا شمار بھی مہاجرینِ مدینہ میں ہوتا ہے۔

☆ آپ کی سخاوت دریا دلی اپنا کو بچنی ہوئی تھی۔ آپ کے حجرہ انور سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ مساکین کو کھانا کھلا کر بے پناہ مسرت محسوس کرتی تھیں۔

السلام والسلام اے سیدہ زینب سلام

آپ تھیں زوجِ نبیؐ ہے آپ کا اوجہ مقام

ہم غلاموں کا سلام عاجزانہ ہو قبول

آپ کا طوط ہے بزمِ جہاں کو احرام

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا

اُمّ سلمہ مومنوں کی مادرِ عالی وقار
مہرِ ماں ہر آن جن پر تھے حبیبِ کردگار
اُن کا تھا سرمایۂ ایمان دیدارِ نبی
اُن کو تھی ہر پہلی بُنیرِ رحمت پروردگار
عالم و قاضی، مُختِث اور مُفسرِ آپِ حمید
خدمتِ اسلاموں سے آپ پائی تھیں قرار
آپ کے اقوالِ عالی تھے جواہرِ نور کے
آپ کا ہر اک عمل تھا جِلّ شمع تابدار
سردہ دیں کے قُلاموں کو ہمیشہ کے لئے
آپ ہی کی ذات نے بخشا حقائق کا کھار
آپ کا یہ فخر ہی تاریخ کا اعزاز ہے
آپ کے سرتاج تھے دونوں جہاں کے تاجدار
آپ ہی کی ذاتِ والا کا رِضا ہے مدح خواں
اس تصور ہی سے ہے اس کے گستاں کی بہار

اُم المؤمنین

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

جملہ اُتہات المؤمنین اہل ایمان کیلئے بے پناہ معزز اور قابلِ صدا احترام ہیں۔ جسے دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کی پہل و پہل کیلئے ہی سبھی سعادت مل گئی وہی اعزازِ حیات بن گیا۔ اور پھر اُتہات المؤمنین کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا جنہوں نے حضور ﷺ کے حرم میں آپ کے کاشانہ اقدس میں حالتِ زوجیت میں وقت گزارا۔ ان کے مقام و مرتبہ کا نہ تصور کیا جاسکتا ہے نہ تخیل۔ البتہ ان مقدس شخصیات کے پاکیزہ و مجوہ جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ کیا یہ ان معزز ترین شخصیات کا کم احسان ہے کہ یہ رازِ دانِ نبوتِ حق اور جنہوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کی بدولت ہی تاریخِ اسلام حضور ﷺ کی سیرتِ قدسیہ کے انوار سے جگمگا رہی ہے۔

اُم المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ایسی ہی برگزیدہ اور محترم شخصیت تھیں۔ ان کے والدِ حذیفہ ایک دولت مند اور فیاض آدمی تھے اُن کی وریادی کا شہرہ چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور اپنی صفات کی بناء پر تمام قبائلِ قریش میں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو مخزوم سے تھا۔

ان کا پہلا نکاح ابو سلمہ بن عبدالاسد سے ہوا جو آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ فطرت پاکیزہ اور صالح تھی۔ آپ نے کفار کے ظلم و ستم سہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بھی بلا تاخیر مسلمان ہو گئیں۔ تمام تر تکالیف اور مصائب کے باوجود ان کے قدمِ جادہ حق سے نہ ہٹ سکے۔ کفار کی ایذا رسانیاں بڑھتی گئیں تو رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو جان کے تحفظ کیلئے حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضرت ابو سلمہ

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کچھ عرصہ جوش میں گزارا اور پھر تنگ آ کر مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”جب ابو سلمہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے پاس صرف ایک اونٹ تھا اس پر مجھے اور میرے بیٹے کو سوار کر کے چل پڑے۔

بنو مغیرہ نے جو میرے میکے کے لوگ تھے ہم لوگوں کو دیکھ لیا اور ابو سلمہ سے حراحت کی کہ ہم اپنی لڑکی کو ایسی خراب حالت میں نہ جانے دیں گے۔ ابو سلمہ کے ہاتھ سے گیل چین لی اور مجھ اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں بنو عبد الاسد ابو سلمہ کے لوگ آچنچے اور انہوں نے میرے بچے سلمہ پر قبضہ کر لیا اور بنو مغیرہ سے کہا اگر تم اپنی لڑکی کو شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم اپنے بچے کو تمہاری لڑکی کے پاس ہرگز نہ چھوڑیں گے۔

اب میں میرا شوہر میرا بچہ تینوں ایک دوسرے سے جدا تھے۔ مارے صدمہ کے میری حالت خراب تھی چونکہ ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اس لئے ابو سلمہ تو مدینہ پہنچ گئے، میں تنہا رہ گئی۔ روزانہ صبح کو گھر سے نکلتی اور ایک ٹیلے پر بیٹھ کر شام تک رویا کرتی۔ اسی حال میں مجھ کو کم و بیش ایک سال ہو گیا۔ ایک دن بنو مغیرہ کے ایک شخص نے جو میرا عزیز تھا۔ میری یہ پریشانی دیکھ کر ترس کھایا اور بنو مغیرہ کو جمع کر کے سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا: آپ لوگ اس مسکین کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے جس کو آپ نے اس کے بچہ اور شوہر سے جدا کر دیا ہے۔

یہ مفہوم کچھ ایسے مؤثر الفاظ میں ادا کیا گیا تھا کہ میرے میکے والوں کو رحم آ گیا اور انہوں نے اجازت دے دی کہ اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس جاسکتی ہو۔ یہ سن کر بنو عبد الاسد نے بھی میرے بچے کو میرے پاس بھیج دیا۔ اب میں نے اونٹ پر کجاوہ کسا اور سلمہ کو گود میں لے کر سوار ہو گئی۔ میں بالکل تنہا تھی اور اسی عالم میں ختم پہنچی وہاں عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ نے انہوں نے میرا ارادہ معلوم کر کے مجھ سے پوچھا: کیا کوئی تمہارے ساتھ ہے؟ میں نے کہا: نہیں صرف میں ہوں اور یہ میرا بچہ۔ انہوں نے میرے اونٹ

کی تکمیل پکڑ لی اور ہاتھ سے کھینچتے ہوئے آگے آگے چلنے لگے۔ خدا جانتا ہے مجھے طلحہ سے زیادہ شریف آدمی عرب میں نہیں ملا۔ جب منزل آئی اور ہم کو ٹھہرنا پڑا تو وہ کسی درخت کی آڑ میں ہو جاتے۔ چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو تیار کر لاتے اور جب میں اطمینان سے بیٹھ جاتی تو اونٹ کی مہار لے کر آگے آگے چلنے لگتے۔ حمام سفر میں یہی معمول رہا۔ مدینہ پہنچ کر بنی عمرو بن حوف کی آبادی (موضع قبا) سے گزر رہا تو عثمان ابن طلحہ نے مجھ سے کہا: تمہارا شوہر اس گاؤں میں ہے۔ ابوسلمہ یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اللہ کے بھروسہ پر اس محلہ میں داخل ہوئی اور خدا خدا کر کے اُن سے ملاقات ہوئی۔ عثمان ابن طلحہ مجھے ابوسلمہ کا پتہ بتا کر مکہ واپس ہو گئے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت مدینہ کے نام پر جو تکلیفیں اُٹھائی ان کا ذکر کرتے ہوئے روپڑتیں اور پھر فرماتیں: میں نہیں جانتی اہل بیت میں سے کسی نے میری طرح کی تکالیف برداشت کی ہوں۔ جب لوگ ان کا نام سنتے تو انہیں یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی اس بے سرو سامانی کے عالم میں اتنے مصائب برداشت کر کے آئی ہے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں شریک ہوئے۔ داؤد شجاعت دی۔ ایک زہر پلے حیر سے شدید زخمی ہو گئے اور پھر زخم ناسور بن گیا تو جاں بحق ہو گئے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا بار بار پُکارتی تھیں:

”ہائے غربت میں کسی موت آئی ہے“

رسول اللہ ﷺ نے تعزیت کیلئے خود ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو صبر کی تلقین کی اور ابوسلمہ کی آنکھیں خود بند کیں اور حضور ﷺ نے نماز جنازہ پڑھایا حضرت ابوسلمہ اور اُم سلمہ میں بے پناہ محبت تھی اور دونوں نے عہد کیا ہوا تھا کہ ایک کی موت کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے گا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ابوسلمہ نے کہا کہ

میرا کہا مانو تو اگر میں پہلے مر جاؤں تو تو میرے بعد نکاح ضرور کر لیتا۔ پھر ابوسلمہ نے دعا مانگی کہ ”اے رب العالمین! اگر میں ام سلمہ کی زندگی میں مر جاؤں تو اسے مجھ سے بہتر جائیں دے۔“

ابن سعد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوسلمہ رحمہ اللہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رحمہ اللہ کی کس پرسی کے خیال سے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

حضور نبی اکرم رحمہ اللہ بھی حضرت ام سلمہ رحمہ اللہ کی کس پرسی اور بے مانگی سے بہت متاثر تھے اور ابوسلمہ رحمہ اللہ اور ام سلمہ رحمہ اللہ نے راقیہ میں جو مصیبتیں اٹھائی تھیں حضور ﷺ کو ان کا بے حد احساس تھا۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رحمہ اللہ کی معرفت ام سلمہ رحمہ اللہ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت ام سلمہ رحمہ اللہ نے قبول کر لیا اور شوال ۴ھ میں وہ حضور ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔ نکاح کے بعد وہ حضرت زینب بنت خویمہ رحمہ اللہ کے گھر لائی گئیں جو وفات پا چکی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رحمہ اللہ نے پہلے ہی دن اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کیا۔ حضور ﷺ نے ام سلمہ رحمہ اللہ کو خرے کی چھال سے بھرا ہوا ایک چرمی تکیہ دو مٹکیزے اور دو چکیاں عطا فرمائیں۔

حضور ﷺ سے نکاح کے بعد بھی انہوں نے اپنے پہلے شوہر کی اولاد کی پرورش نہایت شفقت اور توجہ سے کی۔ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! مجھے بچوں کی پرورش کا اجر ملے گا یا نہیں؟ فرمایا ”ہاں“

۵ھ میں جبکہ بنو قریظہ کے محاصرہ میں یہود سے گفتگو کرنے کیلئے بارگاہِ نبوت سے حضرت ابولبابہ بھیجے گئے تو حضرت ابولبابہ نے اثناءِ مشورہ ہاتھ کے اشارہ سے یہودیوں کو بتلایا کہ تم قتل کئے جاؤ گے مگر اس کو انشاءِ راز سمجھ کر بعد میں اتنے نادم ہوئے

کہ مسجد کے ستون سے اپنے تئیں باندھ دیا۔ کئی دنوں تک اپنے آپ کو اسی حال میں رکھا۔ ایک دن صبح کو جناب رسالت مآب ﷺ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں مُسکراتے ہوئے اُٹھے تو آپ بولیں: اللہ آپ کو ہمیشہ ہنسائے اُس وقت ہنسی کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت چاہی کہ ان کو یہ مژدہ سنا دیں۔ فرمایا: ہاں اگر چاہو۔ ان کا مکان مسجد نبوی سے اتنا قریب تھا کہ اگر گھر سے آواز دیں تو مسجد میں سُنی جاسکے اجازت پا کر اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور پکار کر کہا: ابولبابہ! مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوئی، پھر کیا تھا یہ آواز کانوں میں پہنچے ہی تمام مدینہ اکٹھا ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے صُلب سے ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اپنے غلام سفینہ رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ تاحیات حضور ﷺ کی خدمت کریں۔

ایک دن نبی کریم ﷺ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے کہ آیہ تطہیر کا نزول ہوا۔ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان پر اپنا کبیل ڈال دیا اور فرمایا: ”یا ربّی! یہ میرے اہل بیت ہیں۔“

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی اہل بیت سے ہوں فرمایا: ”تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: نبلی انشاء اللہ (ہاں اگر اللہ نے چاہا)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے پاس آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا: تم بھی اور یہ بھی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بہت صاحب الرائے تھیں جب مسلمان عمرہ شریف کیلئے مکہ معظمہ گئے اور کُفار

نے اجازت نہ دی تو حضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قربانیوں کے جانوروں کو ذبح کریں مگر بہت سے صحابہ کے دل ممکن تھے اس لئے انہوں نے قربانیوں میں کچھ تامل کیا۔ حضور ﷺ اس سے ملول ہوئے۔

آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا تو انہوں نے مشورہ دیا "یا رسول اللہ ﷺ! مسلمانوں نے آپ کا فرمان اچھی طرح نہیں سمجھا۔ آپ ﷺ خود باہر کل کر قربانی کریں اور احرام اُتارنے کیلئے بال منڈوائیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ قبول کر لیا اور کسی سے کچھ کہے بغیر خود ہی قربانی کی اور احرام اُتارا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا فرمان ناطق ہے تو سب نے دھڑا دھڑا قربانیاں کیں اور سر کے بال منڈوا دیئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حدیث سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن بال گندھوا رہی تھیں کہ رسول کریم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینا شروع کیا۔ ابھی زبان مبارک سے ایھا الناس ہی نکلا تھا کہ مسئلہ کو حکم دیا کہ "بال باندھ دو"۔ اس نے کہا "اتنی بھی کیا جلدی ہے ابھی تو حضور ﷺ نے ایھا الناس ہی فرمایا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اٹھ کھڑی ہوئیں اپنے بال خود باندھ رہی تھیں اور برہمی سے بولیں: کیا ہم آدمیوں میں شامل نہیں؟ اس کے بعد بڑے اٹھاٹھاک سے پورا خطبہ سنا۔

حضرت ام المومنین کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایسا ہار پہن لیا جس میں سونے کی بھی آمیزش تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ ہار دیکھا تو اسے ناپسند فرمایا۔ آپ نے اسی وقت اس ہار کو توڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ذرا بے ایمانی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھیں جب ازواجِ مطہرات نے اپنا دکیل بنا کا ان کو

رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب اُنہات کے ہاں تحائف بھیجیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں مجھے اذیت نہ دو۔ تو فوراً انہوں نے کہا کہ میں اللہ سے آپ کی اذیت دینے سے پناہ مانگتی ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ قرآن میں ہمارا ذکر نہیں تو رسول اکرم ﷺ اسی وقت منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور یہ آیت مبارکہ پڑھی:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اس سے رسول اللہ ﷺ کو آپ سے جو محبت تھی اس کا اعزازہ کیا جاسکتا ہے۔ اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ نے حضور ﷺ کے کچھ موئے مبارک چاندی کی ڈبیہ میں محفوظ کر کے رکھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد جب بھی کوئی بیمار آتا تو ان موئے مبارک کو پیالی کے پانی میں پھیر کر اسے پلا دیتیں وہ محبت یاب ہو جاتا۔ واقعہ ایلا کے ضمن میں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سببیہ کی تو وہ زائد مصارف کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں چونکہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رشتہ دار تھیں۔ اس لئے انہوں نے آپ کو سمجھانا چاہا تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے سخت لہجے میں کہا:

اے ابن خطاب! تعجب ہے کہ تم ہر بات میں دخل دیتے ہو۔ یہاں تک کہ اب تم رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینے لگے ہو۔

چونکہ جواب بہت سخت تھا اس لئے آپ خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ رات کو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دے دی

ہے۔ جب حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کلمہ پڑھا تو فرمایا
 کیا اور جب سیدہ ام سلمہؓ کا قول نقل کیا تو یادے مصطفیٰ ﷺ سرکھینے لگے۔

آپ کی زندگی نہایت ذلیلانہ تھی۔ جلالتِ عالمی سے خصوصی تعلق نہ تھا۔ رمضان
 المبارک کے روزوں کے علاوہ ہر ماہ تین روزے رکھتے اور دلوای کی بے حد پابندی
 تھی۔

حضرت ام سلمہؓ کو حضور ﷺ نے ایک شیشی صفا کی تھی جس میں خاک
 تھی فرمایا سنبھال کر رکھا اور یہ یاد رکھا کہ جس دن یہ خاک خون بن جائے وہ حسین
 ﷺ کی شہادت کا دن ہوگا۔

سیدہ ام حبیبہؓ میں روایت ہے کہ ۶۱ ہجری میں جس دن امام حسین
 ﷺ نے اپنے عظیم المرتبت رفقاء کے ساتھ دشتِ کربلا میں جا کر شہادت نوش کیا۔
 حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ حبیبہؓ کا عالم ﷺ اشریف لائے ہیں۔ سر
 اور لٹ ببارک قُبرا لٹو ہے اور بہت فرزدہ ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا حال ہے؟
 فرمایا: حسینؓ کے قتل سے آ رہا ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ کی آنکھ کھل گئی اور بے اختیار روئے گئیں اور بلند آواز
 سے فرمایا: مراٹوں نے حسینؓ کو قتل کیا خدا انہیں قتل کرے۔ انہوں نے حسین
 ﷺ سے دعا کی خدا ان پر لعنت کرے۔ (سیدہ ام)

پھر آپ نے شیشی کی طرف دیکھا تو خاک خون میں تبدیل ہو چکی تھی۔

اور دلوای کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں۔ نماز کے اوقات میں بعض لوگوں
 نے مستحب وقت ترک کر دیا تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو سجدہ کی اور فرمایا کہ

آنحضرت ﷺ جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔ خود بھی بڑی سختی تھیں اور دوسروں کو بھی سقاوت کی ترغیب دیتی تھیں۔ ایک بار چند فقیران کے گھر آئے اور بڑی لجاجت سے سوال کرنے لگے اُمّ الحسین ان کے پاس بیٹھی تھیں انہوں نے ڈانٹا مگر اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روکا اور کہا کہ ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ پھر لوٹ کر دیا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کر دو کچھ نہ ہو تو ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اماں! میرے پاس مال اس قدر جمع ہو گیا ہے کہ اب جاہلی کا خطرہ ہے۔ بولیں ”بیٹا! خرچ کر دو“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔“

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کی مانند بے حد سختی تھیں۔ خود بھی سقاوت کرتی تھیں دوسروں کو بھی سقاوت کی ترغیب دیتی تھیں۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل ان کے گھر سے خالی ہاتھ چلا جائے زیادہ نہ ہوتا تو تھوڑا آٹا یا جو کچھ بھی ہوتا سائل کو دے ڈالتیں۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ۶۳ ہجری میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔





اُمّ المؤمنین

حضرت زینب بنت جحشؓ

زہدِ سرکارِ دو عالمِ زینبِ ایمان ہیں
 سیدہ زینبِ خدائے پاک کا احسان ہیں
 جو بھی ہے منسوب آقا سے وہی ہے معتبر
 اس کا اسوۂ دہمگی اقوال اس کے پُر اثر
 سیدہ زینب کہ تھیں وقفِ عبادت ہر گھڑی
 خالقِ کونین کی رحمت انہیں حاصل ہوئی
 غم کے ماروں کا سہارا ایک ان کی ذات تھی
 شاربِ اقوال احمد علیہ السلام ان کی اک بات تھی
 جو ملا جتنا ملا وہ راوِ مولا دے دیا
 اس کے بدلے میں رضائے مصطفیٰ علیہ السلام کو لے لیا
 خادمہ خود کو سمجھتیں تھیں نبیؐ پاک کی
 ان کو تھی طوطِ خدمت سرورِ لولاک کی
 اُن پہ راضی تھے محمد علیہ السلام اُن پہ راضی تھا خدا
 فور سے اُن کے مرقد پر ہمیشہ اے رضا

اُم المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ

اُم المومنین حضرت زینبؓ کا مقام و مرتبہ اُمہات المومنین اور صحابیات میں عزت و وقار کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک تو اس لئے کہ آپ حضور رسول کریم ﷺ کی قریبی رشتہ دار تھیں، حسین و جمیل تھیں، معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حکم رسول ﷺ کی تعمیل حضرت زید بن حارثہ کی صورت میں ایک امتحان سے گزریں اور بالآخر اُم المومنین کا لقب اُن کے اسم گرامی کا حصہ بن گیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ جب اپنے خاندان والوں کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچیں تو بڑے آرام و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگیں لیکن رشتے کی قربت کی بناء پر وہ رسالت مآب ﷺ کی کفالت میں رہیں۔

حضرت زینب ان نہایت خوش بخت نفوس میں تھیں جنہوں نے السابقون الاولون بننے کا شرف حاصل کیا۔ ۱۳ بعد ہجرت اپنے اہل خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

حضرت زینبؓ کا ازواجِ مطہرات رسول ﷺ میں ساتواں نمبر ہے۔ آپ پیارے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ اپنی اور اپنے نکاح کے ولی ہونے کے اعتبار سے تمام ازواجِ رسول سلام اللہ علیہم اجمعین میں ممتاز ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی دیگر ازواج سے کہا کرتیں:

میرے علاوہ ان میں سے ایسی کوئی بھی عورت نہیں مگر اس کی شادی یا تو اس کے باپ یا اس کے بھائی یا اہل خاندان نے کی مگر میری شادی کا آسمان سے خود اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اہتمام فرمایا۔

آپ وہ عظیم المرتبت خاتون ہیں جن کی وجہ سے اسلام سے دو ایسی رسوں کا

قلع ہوا جو اسلامی حجاج کے سخت خلاف تھیں۔ ان میں ایک تو غلام اور آزاد۔ غریب اور مالدار۔ صاحب نسب اور غلام کے درمیان تمیز کا خاتمہ کر کے سب کو مساوی حقوق عطا کرنا اور دوسرا اپنے جتنی بیٹے کی بیوی سے بعد از طلاق نکاح کرنا شامل تھا جس کو عرب بہت بڑا خیال کرتے تھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بے حد محبوب رکھتے تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بعض دُجّوہ کی بناء پر یہ شتہ پسند نہ تھا اس لئے انہوں نے نکاح سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

”یا رسول اللہ! میں زید رضی اللہ عنہ کو اپنے لئے پسند نہیں کرتی“

لیکن حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح میں بہتری سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فشا کے مطابق حضرت زید رضی اللہ عنہ کا عقد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہو گیا لیکن دونوں میں باہ نہ ہو سکا۔ تقریباً ایک برس بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ ”یا رسول اللہ! زینب مجھ سے دُبان دراز کرتی ہے میں اُسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ فعل نہیں ہے چنانچہ سورہ احزاب کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا۔ وَلَا تَقُولُوا لِكُلِّ دِیْنٍ اَنَعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَانَعَمْتَ عَلَیْهِ اَمِیْكَ عَلَیْكَ زَوْجُكَ وَآئِی اللّٰہ

(پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۷)

ترجمہ: اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں رکھو اور خدا سے ڈرو۔



بہر حال حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نباہ نہ ہوتا تھا نہ ہوا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بالآخر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش بن رباع اسدیہ رضی اللہ عنہا سے ماہِ مفرہ ۵ھ (م جون ۶۲۶ء) میں عقد فرمایا۔ آپ عبد اللہ بن جحش کی ہمیشہ تھیں اور آپ کی والدہ اسمیہ بنت عبد المطلب آنحضرت کی چھوٹی تھیں۔ حضرت زینب پہلے اسلام لانے والوں میں تھیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے انہیں طلاق دینے کے بعد آپ نے ان سے عقد فرمایا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ 'حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے جنہیں انہوں نے آپ کی نبوت سے قبل آپ کو بہہ کر دیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنا حتمی بنا لیا۔ اسی لئے لوگ انہیں زید بن محمد (ﷺ) کہہ کر پکارتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی چھوٹی زیدہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ان سے عقد فرما دیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان سے ان کا رشتہ حضرت زید سے مانگا تو انہوں نے زید سے عقد کرنے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان پر زور دیا کہ آپ ان سے عقد کر لیں، عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے دل سے مشورہ کروں گی۔

ابھی دونوں یہ باتیں کر رہے تھے کہ حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا

(پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۶)

جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ فرمادیں تو پھر کسی مومن مرد یا کسی مومنہ عورت کو اپنے معاملہ کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

جب حضرت نعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے حضرت زید کو مجھ سے نکاح پر راضی کر لیا ہے۔ فرمایا: ہاں۔ عرض کیا: تب میں رسول اللہ کی حکم عدولی نہیں کرتی میں نے خود کو ان کے عقد میں دے دیا۔

ابتداء میں ان کے اس عقد کے اعراض کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتی تھیں کہ زید غیر کفو ہیں اور وہ حسب نسب میں ان سے کہیں بہتر و افضل ہیں اور ان کے مزاج میں تیزی و حسد تھا لیکن جب اس کے متعلق آیت نازل ہوئی تو راضی ہو گئیں۔

طلاق کے بعد جب حضرت نعب رضی اللہ عنہ ایام عدت پورے کر چکیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن عرب میں اس وقت تک رسوم جاہلیت کا اثر باقی تھا اور لوگ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھتے تھے۔ چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹھے اور لوگوں میں زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں (اور بالخصوص منافقوں) کے اعتراض کے خیال سے اس نکاح میں تامل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کو چونکہ جاہلیت کی رسوم کا مٹانا منظور تھا۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی:

وَنُخْصِي لِبَنِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ

نُخْصِيَهُ (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۷)

ترجمہ: تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں معترضین کو متنبہ کیا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمَ

النَّبِيِّينَ (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۴۰)



”(لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔“

اور پھر حکم ہوا:

ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ

لوگوں کو ان کے (حقیقی) باپ کے نام سے پکارو۔

نیز حق تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا قُضِيَ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِيَكُنِيَ لَا يَكُونُ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ خَرَجٌ لِّىْ أَزْوَاجٍ أَذْعَبْنَاهُمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ
مَفْعُولًا (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۷)

جب حضرت زید حضرت زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے تو ہم نے ان کا عقد آپ سے کر دیا تاکہ دوسرے مومنوں کو اپنے جہناؤں کی مطلقہ بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اللہ کا حکم پورا ہی ہونے والا تھا۔

حق تعالیٰ نے اس سے قبل ہی آنحضرت ﷺ پر وحی نازل فرمادی تھی کہ زید عنقریب اپنی بیوی کو طلاق دے دیں گے۔ ان کے بعد آپ ان سے عقد کر لیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اسے پوشیدہ رکھنے کا اہتمام فرمایا اور حضرت زید سے بھی فرمایا کہ اپنی بیوی سے تعلق باقی رکھو لیکن اس پر حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ
زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَكَفَىٰ لِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ
وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب، آیت ۳۷)

اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے اپنا انعام کیا اور

آپ نے بھی ان پر احسان کیا تھا فرما رہے تھے کہ ابھی اپنی بیوی کو روکے رکھو طلاق نہ دو۔ اللہ سے ڈرو کہ آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے رکھنا چاہتے ہیں جسے خدا ظاہر کر دینا چاہتا ہے۔ آپ لوگوں کے طعن سے ڈرتے ہیں حالانکہ صرف حق تعالیٰ ہی کی وہ ہستی ہے جس سے آپ کو ڈرنا چاہیے۔

اب کوئی اسرارِ خفیہ نہیں تھا چنانچہ حضور ﷺ نے یہ خدمتِ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تفویض کی کہ وہ آپ کا پیغامِ نکاح لے کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جائیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور کہا:

”زینب! رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے خواہشمند ہیں“

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ”میں خدا کے حضور متوجہ ہوتی ہوں۔“
یہ کہہ کر مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے آیاتِ اُتاریں تو بالآخر ہاں میں جواب دیا۔

خدائے کریم نے یہ فرما کر کہ محمد ﷺ تم میں سے کسی کے حقیقی باپ نہیں ایک مجبوری رسم کا بطلان کر دیا تھا۔ اس رسم کا خاندانی وادارانہ کے حقوق پر زہریلا اثر ہوتا تھا اور وراثتوں کے مسئلہ پر خاندانوں میں عداوتوں کی بنیاد قائم ہو جاتی۔ حمینی بنے والا فرزند جو شجرہٴ خاندان سے شاخِ بریدہ کی مانند ہوتا تھا۔ اس کے دل اور روح میں تمام غمیریہ بات کھٹکتی رہتی تھی کہ اس نئے خاندان سے بچ بچ اس کا کوئی تعلق خون کا نہیں۔ اگر برادرانِ حقیقی کو اچھی حالت میں دیکھتا تو حسد کرتا اور اگر برادرانِ حقیقی اسے اچھی حالت میں دیکھتے تو وہ حسد کرتے۔ جب حمینی بالغ ہو جاتا تو حمینی کرنے والا بھی مایوس ہو جاتا۔

طلاق یافتہ خاتون کا مقام معاشرہ میں گھٹ جاتا مگر یہاں تو معاملہ کو اس طرح سلجھایا گیا کہ تاریخِ اسلامی کا باپ زرنگہ بنا دیا گیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ خود حضرت زینب

بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کا پیغام لے کر گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ تو فدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اُن کو چھوڑ کر ہر جھنجھلی سے تو ان جیسے کردار کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ عیسائیوں اور منافقوں نے بہت شور مچایا مگر اُنکا تمام تر داویلا ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر انو اہیں اور خرافات تراشنے کا تھا۔ رب کریم نے واضح کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے افراد کیلئے باپوں سے بڑھ کر محترم ہیں مگر سوائے اپنی ذاتی اولاد کے کسی کے حقیقی باپ نہیں۔ خدائے کریم نے اس رسم کو ختم کر کے آنے والے دور کو کتنی ہی خاندانی مناقشوں اور قباحتوں سے بچالیا۔

روایت کے مطابق چونکہ یہ نکاح رب العزت نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا تھا اور اس نکاح کے اعلان کیلئے آیت بھی نازل فرمائی تھی اس لئے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولیمہ کا بڑا اہتمام فرمایا کہ ایسا ولیمہ آپ کی پہلی کسی زوجہ کا نہیں ہوا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ آپ نے ایک بکری کو ذبح کیا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے لیکن تین اشخاص وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید حیا کی وجہ سے انہیں تو کچھ نہیں کہا لیکن خود مجلس سے اُٹھ کر حضرت اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اس نکاح کی مبارک باد دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر واپس تشریف لائے تو یہ تینوں ابھی بھی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اسی حجرے میں ام المؤمنین سیدہ نسیبہ رضی اللہ عنہا بھی دیوار کی طرف منہ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر باہر تشریف لے گئے اور باری باری تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔ تمام ازواجِ مطہرات سلام اللہ علیہم نے آپ کو مبارک باد دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو تب یہ تینوں واپس چلے

کئے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت حجاب نازل فرمائی:

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی ﷺ کے گھر مت جاؤ مگر اس صورت میں جب تم کو کھانے کی اجازت دی جائے۔ اس طرح کہ تم اس کی تیاری کے شہر نہ رہو لیکن جب تمہیں مدعو کیا جائے تو آ جاؤ پھر جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کیونکہ اس بات سے نبی ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے سودہ تمہارے لحاظ سے کچھ نہیں کہتے۔ مگر اللہ کو حق بات کہنے سے کوئی شرم نہیں اور جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی آڑ سے مانگو۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے مکان کے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر داخل ہونے کی ممانعت ہو گئی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کئی خصوصیات کا مظہر تھا۔

- ۱۔ جاہلیت کی رسم کہ حتمی حتمی بیٹے کا درجہ رکھتا ہے مٹ گئی۔
- ۲۔ لوگوں کو حکم ہوا کہ کسی کو حتمی باپ کے علاوہ دوسرے (منہ بولے باپ) سے منسوب نہ کرو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح وحی کے ذریعے کیا۔

۴۔ نہایت شاندار ولیمہ کیا گیا جس میں بکری کا گوشت اور روٹی اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا بیجا ہوا مالیدہ تھا۔ بکثرت لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

۵۔ اس موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی اور پردہ کا رواج ہوا۔

یہی خصوصیات تھیں جن کی بناء پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہمسری کا دعویٰ تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہایت دیندار پرہیزگار حق گو اور مخیر تھیں ان کی عبادت

و زہد کا خود رسول کریم ﷺ نے اعتراف فرمایا۔ ایک دفعہ حضور ﷺ مہاجرین کی ایک جماعت میں مالِ قیمت تقسیم فرما رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اس موقع پر موجود تھیں، آپ نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ناگوار گزری، انہوں نے ذرا تلخ لہجے میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو غل وینے سے منع کیا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: عمر ان سے کچھ نہ کہو یہ ادواہ (یعنی بڑی عابد و زاہد) ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

”میں نے دین کے معاملے میں زینب رضی اللہ عنہا سے بہتر کوئی عورت نہیں دیکھی“

آپ رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی بڑی شدت سے پابند تھیں جو کہ آپ کی پیارے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔ جب آپ کے بھائی کا وصال ہوا تو تین دنوں کے بعد آپ نے خوشبو منگوائی اور اسے اپنے جسم اور کپڑوں پر لگایا پھر فرمایا: خدا کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت تو نہ تھی لیکن میں نے یہ کام صرف اس لئے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کیلئے حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس دن کا سوگ کرنا چاہئے۔ آپ کی محبت کی وجہ سے پیارے مصطفیٰ ﷺ بھی ان سے محبت فرماتے تھے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پیارے مصطفیٰ ﷺ سے کہا کرتیں کہ مجھے تین باتوں میں آپ پر ناز ہے۔ آپ ﷺ کی کوئی اور بیوی اس بارے میں ناز نہیں کر سکتی۔

میرے جدا مجد اور آپ کے جدا مجد ایک ہیں۔

میرا اور آپ کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر پڑھایا۔

میرے معاملے میں سفیر حضرت جبریل امین تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے حلق فرمایا ہے:

واقعہ ایک میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن حسنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش بھی غلام
تھی کا نکاح ہو چکی تھیں لیکن جب رسول کریم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا کے حلق استفسار کیا تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا:

”میں عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں پاتی“

ابن سعد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے ازواج مطہرات کو

طالب کر کے فرمایا:

”تم میں سے وہ مجھے جلد ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔“

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد
ہم اکٹھی ہوتیں تو دیوار پر اپنے بازو پھیلا دیتیں۔ انہیں لمبا کرتیں تاکہ یہ لمبے لگیں۔
(یہ اس لئے کہ تمام کی خواہش تھی کہ وہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس جائے) ہم ہمیشہ
ایسا کرتی رہیں یہاں تک کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا، حالانکہ وہ چھوٹے قد کی
عورت تھیں۔ اللہ ان پر رحم فرمائے ہم سے زیادہ لمبی نہ تھیں۔ پس ہم سمجھ گئیں کہ لمبے
ہاتھ سے پیارے مصطفیٰ ﷺ کی مراد سخاوت تھی۔ آپ اپنے ہاتھ سے کام کرتیں تھیں۔
رنگ اور سلائی کرتیں اور جو اجرت ملتی سب کی سب صدقہ کر دیتیں۔

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش سلام اللہ علیہا اپنے ہاتھ سے کام کرتیں اور
جو کچھ بھی اجرت ملتی سب کی سب مساکین میں تقسیم کر دیتیں۔ ایک روایت کے مطابق
آپ چڑے اور کپڑے پر دستکاری کرتیں اور دوسری روایت کے مطابق چڑا پکاتی
تھیں۔ ابو بکر بن خمیر سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُمّ المؤمنین سیدہ زینب
رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

میں نے ان سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی سب سے زیادہ صدقہ خیرات کرنے والی سب سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے والی عورت نہیں دیکھتی۔

آپ بڑی نیک، روزہ دار اور عبادت میں محو رہنے والی تھیں۔ اپنا کام بڑی مشقت سے کرتی تھیں۔ کمائی کیلئے شدید محنت کرتی تھیں مگر جمال ہے کہ کبھی پاس کچھ رکھا ہو۔ مال بیچنے پر جو کچھ بھی ملا بلا تاخیر غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نام ”نزدہ“ تھا۔ حضور ﷺ سے آپ کا نکاح آسمانوں پر ہوا تھا۔ اس لئے آپ ان کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہوتے تھے اور پوچھنے پر فرمایا تھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ میرا نکاح آسمانوں پر کر دیا اور جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے اس کے گواہ ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حوالے سے آسمانوں پر نکاح والی بات فرمائی تو مجھے خیال ہوا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا میں حسن و جمال تو پہلے ہی موجود ہے۔ اب وہ اس بات پر فخر کریں گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح آسمان پر کر دیا ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اصل نام واقعی یہی تھیں لیکن سلطانِ دو عالم ﷺ نے اُسے بدل کر زینب کر دیا۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد اُم المومنین سیدہ زینب بنت جحش سلام اللہ علیہا کا وصال سب سے پہلے ہوا۔ قاسم بن محمد کی روایت کے مطابق جب وصال کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ مجھے اس کفن میں دفنایا جائے جو کہ آپ نے خود اپنے لئے تیار کیا تھا اور پھر فرمایا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے لئے کفن بھیجیں تو اسے صدقہ کر دیتا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کیلئے بھیجے جو آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی بہن حضرت حمہ نے صدقہ کر دیئے۔

اُمّ المؤمنین سلام اللہ علیہا نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے پیارے مصطفیٰ ﷺ کے تابوت میں اٹھایا جائے۔ اس سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق کو اس تابوت پر اٹھایا جا چکا تھا۔ آپ وہ پہلی خاتون تھیں جن کو پیارے مصطفیٰ کے تابوت پر اٹھایا گیا۔ سیدہ کا وصال ۲۰ ہجری میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ اس وقت سیدہ فزنب رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۵۳ سال تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب آپ کی لحد بنائی جا رہی تھی تو کمری بہت تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جگہ خیمہ لگوایا۔ یہ پہلا خیمہ تھا جو جنت بقیع میں نصب کیا گیا۔ آپ کو قبر میں حضرت اسامہ بن زیدؓ حضرت عبداللہ بن جحشؓ محمد بن عبداللہ بن جحشؓ اور عبداللہ بن ابی بن جحشؓ نے اتارا۔ روایت میں ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماری تھیں:

”افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی عبادت گزار اور قیموں اور عیواؤں کا سہارا تھیں۔“

اُمّ المؤمنین حضرت فزنب بنت جحش امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ گھرانہ شروع ہی سے صدقہ و خیرات اور داد و دہش کے لئے مشہور تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شادی سے پہلے آپ کے لباس بہت خوبصورت ہوتے تھے۔ چونکہ خوبصورت تھیں اس لئے آرائش کا خصوصی خیال رکھتی تھی، مگر جب سرکارِ دو عالم ﷺ سے شادی ہوئی تو انتہائی سادہ زندگی بسر کرنی لگیں۔ خود کو نمی کریم ﷺ کے اسوہ میں ڈھال لیا، کبھی کسی چیز کی ضد نہ کی، جو کچھ عطا ہوا خدا کی راہ میں بلاتا خیر خیرات کر دیا۔ حتیٰ کہ امیر المؤمنین نے آپ کے پاس وظائف کی رقم بھیجیں مگر وہ سب کچھ بھی خیرات کر دیا۔ آپ مدینہ منورہ کے غرباء، فقراء، قیموں، بے کسوں اور رنج و آلام کے مارے ہوؤں کیلئے جائے امان تھیں۔ بے کسوں کا سہارا تھیں۔ آپ بہت رقتی القاب تھیں، کسی کو



تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں۔ آپ مسکینوں اور غریبوں کی سرپرستی فرماتی تھیں۔

متحدہ روایت میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتباً

المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو (۱۲ ہزار درہم کا) وظیفہ بھیجا تو انہوں نے اسے تمام ازواج

کیلئے سمجھا۔ آپ نے فرمایا: عمر مجھ سے بہتر تقسیم کر سکتے تھے۔ بتایا گیا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

نے کہا سبحان اللہ! پھر اپنے اور اس مال کے درمیان پردہ حائل کر دیا اور پھر مال لانے

والے سے کہا کہ اس ڈبیر پر پردہ ڈال دو پھر گھر میں موجود بزرہ بنت رافع سے فرمایا کہ

اپنا ہاتھ اس کپڑے کے نیچے لے جا اور جتنا ہاتھ میں آئے اسے فلاں بنی فلاں کو دے

آؤ۔ آپ اسی طرح فرماتی رہیں کہ یہ مال فلاں یتیم کو فلاں مسکین کو دے۔ جب برائے

نام مال رہ گیا تو میں نے (بزرہ) عرض کی: اے اُمّ المومنین! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے

اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ اس پر اُمّ المومنین نے فرمایا: اچھا جو کچھ بھی اس

کپڑے کے نیچے ہے وہ تم لے لو۔ اس پر جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے

۸۵ درہم تھے جب سارا مال تقسیم ہو چکا تو آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

اے اللہ اس سال کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مجھے نہ پائے۔

چنانچہ سال گزرنے سے پہلے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔

دوسری روایت کے مطابق جب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا اتمام

وظیفہ اسی وقت تقسیم کر دیا تو اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ہو گئی۔ آپ نے ایک ہزار

درہم اور روانہ کئے اور پیغام دیا کہ میری طرف سے سلام قبول کریں۔ بارہ ہزار تو آپ

نے تقسیم کر دیئے یہ ایک ہزار اپنی ضروریات کیلئے قبول فرمائیں۔ آپ نے وہ ایک ہزار

بھی اسی وقت اللہ کی راہ میں تقسیم کرو دیئے۔

آپ کے انتقال سے قیہوں میں کُہرام مچ گیا۔ غرباء کی آنکھیں آنسوؤں کے

دربار اُکٹے لگیں۔ مساکین اور یتیموں محسوس کرنے لگیں جیسے سر سے رحمت کا سائبان اُٹھ گیا ہو۔ رسول کریم ﷺ نے آپ کے گھر کو فریاد و مساکین کیلئے مرکزِ بخشش کہا تھا۔ اس موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ تاریخ کا اعزاز بنے ہیں۔
 ”میں نے کوئی عورت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیزگار زیادہ راست گفتار زیادہ فیاض حقیر اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔“

حضرت زینب بنت جحش کا تعلق محمد بن کے پانچویں طبقے سے تھا جن سے چالیس یا چالیس سے کم احادیث مروی ہیں۔ آپ کی بیان کردہ احادیث کی تعداد گیارہ ہے جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش کو سیرت و صورت دونوں لحاظ سے بے حد حساب نوازا تھا۔ نسوانی حسن و جمال اور سلیقہ شعاری میں اپنے دور کی کسی خاتون سے کم نہ تھیں۔ آپ کا قدم مبارک نہایت موزوں تھا۔ موزوں اندام اور خوبصورت تھیں۔ شب بیداری فرماتیں خدا کی بے پناہ عبادت کرتیں۔ اپنے محترم شوہر آقائے دو عالم ﷺ سے اس درجہ عقیدت تھیں کہ آپ کی ہر بات کو وظیفہ حیات سمجھ کر دل میں اتار لیا کرتی تھیں۔ زوجہ رسول (ﷺ) ہونے کے ناتے سے آپ کا مقام و مرتبہ پہلے ہی بے حد سر بلند و سرفراز ہے مگر آپ کے نکاح نے ایک بہت بڑی سچائی کو کائنات کے لئے واضح کر دیا اور آپ کی بدولت حتمی اور حقیقی بیٹے کا فرق واضح ہو گیا تا کہ اسلام کے انتہائی اُچلے اور جگمگاتے دامن پر کوئی کم ظرف ایک معمولی سادہ لگانے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔

۔ سیدہ زینبؓ فرجوں کیلئے وجہ قرار

ہاں وہ ام المومنین شہر مدینہ کی بہار



اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

جویریہؓ سیدِ دو عالم کے نامِ نای پہ مرنے والی
 جویریہؓ خوفِ خالقِ بزمِ ہر دو عالم سے ڈرنے والی
 یہ مادرِ مومنات ہے اور ہے یہ زوجِ محبوب ہر دو عالم
 سرِ عقیدت ہر ایک مومن کا اُن کے ہی احترام میں خم
 حبیبِ عالم کے واسطے ہی ہر ایک پلِ محوِ جستجو تھیں
 یہ پاک ہستی، عظیم ہستی، یہ پاک دل اور نیک خوتیں
 انہی کے دم سے قبیلہ اُن کا تھا پاکِ بقید سے رہائی
 شہِ دو عالم کی ایک پل کی گوارا اُن کو نہ تھی جدائی
 وہ جن کو دیکھا تو عائشہؓ نے کہا تھا ہے یہ نصیب والی
 وہ جن کو اُلفت تھی شہِ جہاں سے وہ جن کا اُسوہ کہ تھا مثالی
 حرمِ نبوی کی شان ہیں یہ شہِ دو عالم کی آن ہیں یہ
 عقیدتوں کا نشان ہیں یہ دقاؤں کی ترجمان ہیں یہ
 جویریہؓ کہ جنہوں نے حُبِ نبی کا ہر اک پیام سمجھا
 جویریہؓ کہ جنہوں نے ایمان کی عظمتوں کا نظام سمجھا

حضرت جویریہ بنت حارثؓ

بیت سے دو سال پہلے حارث بن ابی ضرار کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا۔ باپ نے اس کا نام بڑہ رکھا۔ بچی تہایت خوبصورت اور ذہین، قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہونے کے سبب سے اس کی ناز و نعمت کے ساتھ یہ پرورش ہونے لگی۔ جب بڑہ جوان ہوئیں تو ان کی خوبصورتی کے چرچے پھیل گئے اور ان کی شادی مشہور خاندان سے تعلق رکھنے والے مسافح بن منوان سے ہو گئی۔ ایک دن یہ اپنی خواب گاہ میں آرام کر رہی تھیں، عالم خواب میں دیکھا کہ بیٹرب کی طرف ایک چاند ہوا کے دوش پر آتا ہوا ان کی آغوش میں اتر آیا ہے۔ فرط حیرت سے ان کی آنکھ کھل گئی اور مسلسل اس خواب کے بارے میں سوچنے لگیں۔ اس دوران اسلام اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کا چرچا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ بڑہ ذہین تھیں اس لئے مدینہ منورہ اسلام اور اس کے بارے میں سوچنے لگیں۔

حارث بن ابی ضرار اور مسافح کے دل میں اسلام کے خلاف انتہائی نفرت تھی۔ غزوہ بدر میں کفار کی شکست سے انہیں گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ قریش مکہ کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ اس لئے کفار نے انہیں (بنو مصطلق) کو بھڑکایا اور یہ قریش کو دوسری جنگ کیلئے بھڑکانے لگے حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آ گئی کہ بنو مصطلق نے ارد گرد کے دیہات کے کفار کو ساتھ بلا کر مدینہ طیبہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو ۲ شعبان ۵ ہجری کو مجاہدین کی ایک جمیعت کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حارث کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ بھاگ گئے۔ رسول



کریم ﷺ نے مریض میں قیام کیا۔ یہاں کے لوگوں نے کچھ دیر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھائی، بہت سے آدمی مقتول ہوئے اور ۶۰۰ کے قریب گرفتار ہوئے۔ ان گرفتار شدگان میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی تو آپ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ چونکہ قبیلہ کے رئیس کی بیٹی تھیں، لوڈی بن کر رہنا گوارا نہ تھا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے درخواست کی مجھ سے کچھ روپے لے کر چھوڑ دو۔ وہ راضی ہو گئے اور ۹ اوقیہ سونے کا مطالبہ کیا۔

اب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ”مصیبت زدہ ہوں، آزاد ہونا چاہتی ہوں، ازراہِ کرم میری مدد فرمائیے۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں تم کو ازراہِ فدیہ ادا کروں اور تم سے نکاح کر لیں۔“

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فوراً راضی ہو گئیں۔ رسول کریم ﷺ ان کا زیرِ مکتب ادا کر کے نکاح کر لیا اور ان کا پہلا نام (برہ) بدل کر جویریہ رضی اللہ عنہا بنا نام رکھ دیا۔ آپ کے حرمِ نبوی میں داخل ہوتے ہی صحابہ کرام کو نسبتِ رسول ﷺ کا خیال و امنگیر ہوا۔ اور انہوں نے سرورِ دعوٰی عالم ﷺ کی اس قبیلہ سے قربتِ داری کا پاس کرتے ہوئے اپنے اپنے حصے کے قیدی آزاد کر دیے۔ اس طرح حضرت جویریہ کی نسبت سے ان کا تمام قبیلہ آزاد ہو گیا۔

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتی تھیں کہ ”میں نے جویریہ سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنے قبیلے کیلئے باعثِ رحمت نہیں پایا۔ یعنی ادھر وہ حرمِ نبوی میں آئیں اور ادھر ان کے قبیلے کے تمام اسیرانِ جنگ آزاد ہو گئے۔“ طبقات ابن سعد کے مطابق اس قبیلے سے جنگ میں قیدیوں کے علاوہ

مسلمانوں کو مالی قیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ صد بھیڑ بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت جویریہؓ حضرت ثابت بن ابی قیس کے حصہ میں آئیں تو انہوں نے حضرت حارث سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتبت کر لیں۔ مکاتبت یہ ہے کہ غلام اپنے آقا سے معاہدہ کرے کہ اگر میں حسبِ معاہدہ تجھے اتنی رقم ادا کر دوں تو مجھے آزاد کر دینا۔ اس معاہدہ کی رو سے غلام رقم ادا کر کے بعد آزادی حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت ثابتؓ نے حضرت جویریہ سے ۹۰ اوقیہ یعنی ۳۰ تولے سونے پر مکاتبت کر لی چونکہ سیدہ جویریہ کے پاس سونا نہ تھا اس لئے وہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ”میں سردار بنو مصطلق کی بیٹی ہوں میری غلامی میرے اور میرے قبیلہ کیلئے سخت بدنامی کا باعث ہے میں نے حضرت ثابت بن قیس سے مکاتبت کر لی ہے۔ اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں کہ بدل کتابت میں میری مدد فرمائیے۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تمہاری طرف سے مکاتبت کی تمام رقم ادا کر کے تمہیں اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہؓ نے کسی مجبوری یا جبر کے بغیر اپنی خوشی سے حرمِ نبوی میں آنا قبول کر لیا

ادھر حضرت جویریہؓ کے والد کو خبر ملی کہ ان کی بیٹی لوٹتی ہوئی گئی ہے۔ چنانچہ وہ بہت سا مال و اسباب اونٹوں پر لا کر بیٹی کی رہائی کیلئے حازم مدینہ آئے۔ راستے میں ۲ اونٹ جو انہیں پسند تھے حقیق کے مقام پر کسی گھائی میں چھپا دیئے اور باقی اونٹ اور مال و اسباب لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ”آپ میری بیٹی قید کر لائے ہیں یہ تمام مال و اسباب لے لیں اور اُسے رہا کر دیں۔“ حضور ﷺ کو غیب سے اطلاع ملی کہ یہ شخص ۲ اونٹ چھپا آیا ہے۔ آپ نے فرمایا ”۲ اونٹ جو تم چھپا



آئے ہو وہ کہاں ہیں؟“

حادث یہ سن کر حیران رہ گئے اور اسی وقت نبی کریم ﷺ کے قدم چمے اور بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا جب انہیں بتایا گیا کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا لوٹتی نہیں بنائی گئیں بلکہ حرمِ نبوی میں داخل کر لی گئی ہیں تو بے حد مسرور ہوئے اور شاواں و فرحان بیٹی سے مل کر گھر واپس لوٹے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت عابد و زاہد تھیں۔ رسول کریم ﷺ کو شریف لاتے تو انہیں اکثر عبادت میں مشغول پاتے۔ ایک دن رسول کریم ﷺ نے انہیں صبح کے وقت مسجد میں عبادت کرتے دیکھا۔ دوپہر کو پھر اُدھر سے گزرے تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو اسی حالت میں پایا۔ حضور ﷺ نے اُن سے پوچھا کیا تم اکثر اسی حالت میں رات ہی ہو جواب دیا ”بے شک یا رسول اللہ!“ حضور ﷺ نے فرمایا ”یہ کلمات پڑھا کرو تمہاری نقلِ عبادت پر ترجیح رکھتے ہیں

سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدُ خَلْقِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ رُضِيَ نَفْسُهُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَرُدَّ عَرْشُهُ سُبْحَانَ اللَّهِ زَلَّ عَرْشُهُ سُبْحَانَ اللَّهِ مَدَادُ كَلِمَاتِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ مَدَادُ كَلِمَاتِهِ

جس جنگ میں اُمّ المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا قیدی بنیں اور پھر حرمِ رسول ﷺ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی اس جنگ میں اُن کا بھائی عبد اللہ بن حارث شکست کھا کر بھاگ گیا تھا۔ اسے بالکل خبر نہیں تھی کہ اس کی بہن اُمّ المؤمنین کے درجے پر فائز ہو چکی ہے۔ والدِ مسلمان ہو چکا ہے اور قبیلے کے تمام قیدی آزاد کئے جا چکے ہیں۔ وہ اپنی قوم کے قیدیوں اور اپنی بہن کی آزادی کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں آیا راستہ میں پہاڑ کی گھاٹیوں میں اونٹنیوں اور ایک لوٹتی کو چھپا دیا۔ خدمتِ سرکار



ﷺ میں حاضر ہو کر جب رہائی کی بات کی تو حضور ﷺ نے پوچھا:

”فدیہ کیلئے کیا لائے ہو؟“

عبداللہ بن حارث نے عرض کیا ”میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”وہ اونٹیاں اور ایک لونڈی جو ٹکڑاں جگہ پر چُپھا

آئے ہو۔“

عبداللہ بن حارث حیرت میں ڈوب گیا کہ میرے ساتھ کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی ادھر سے آیا ہے پھر سلطانِ مدینہ ﷺ کو کیسے پہنچا دیا۔ سمجھ گیا کہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ صرف عرب کے حکمران نہیں بلکہ خدا کے رسولِ برحق ہیں، فوراً اسلام قبول کر لیا اور دیکھتے ہی اس کا تمام قبیلہ اور ارد گرد کے اُن کے حلیف قبائل اسلام کے دامانِ رحمت میں داخل ہو گئے۔

اب سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا پر اس چاندکارا ز آفتاب کا ہونا چکا تھا اور وہ سمجھ گئی کہ جو چاند اُن کی آغوش کی زینت بنا تھا وہ ماورد عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ آپ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا

”کچھ کھانے کو ہے“ عرض کیا ”میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا بس وہی

موجود ہے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا ”اے آؤ“ جس کو صدقہ دیا گیا اس کو پہنچ چکا“

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو عزتِ نفس کا بھی بہت خیال تھا۔ چنانچہ اسیر ہونے پر اپنی آزادی کیلئے انہوں نے حتی الامکان پوری کوشش کی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ۶۵ سال کی عمر میں ۵۰ ہجری میں وفات پائی۔

جنت البقیع دفن کی گئیں۔

اُمّ المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے کن وصال میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین نے ۵۰ ہجری اور بعد بعض نے ۵۲ ہجری لکھا ہے جس پر اکثریت کو اتفاق ہے۔ اس کے مطابق آپ ربیع الاول ۵۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں فوت ہوئیں۔ مدینہ کے گورنر مروان بن حکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی نہ تو پہلے خاندان مسافع بن صفوان (جو غزوہ مریسج میں قتل ہوا) اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد تھی۔

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے چند احادیث مروی ہیں جن کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

بروایت طبقات ابن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو ہر سال خیر کی کھجوروں میں سے اتنی (۸۰) دس کھجوریں اور بیس (۲۰) دس جو یا گیہوں عطا کرتے تھے۔



اُمّ المؤمنین

حضرت اُمّ حبیبہؓ

وہ دین سے وفا کی روشنی اُمّ حبیبہؓ تھیں
 گستاخانِ یقین کی تازگی اُمّ حبیبہؓ تھیں
 اُتھنیان کی بیٹی مسلمانوں کی ماں ٹھہرے
 سراسر ہی پیامِ زندگی اُمّ حبیبہؓ تھیں
 بڑے آلام سے گزریں مصائب سے پڑا پالا
 روح حق میں وفا کی رہبری اُمّ حبیبہؓ تھیں
 مُقدّر نے دیا انعامِ آقا سے ہوئی شادی
 دل و جاں کو پیامِ آگہی اُمّ حبیبہؓ تھیں
 زہے قسمت انہوں نے جیت لی بازیِ محبت کی
 ملی جن کو بہارِ سرخوشی اُمّ حبیبہؓ تھیں
 خدائے پاک ہی کے ذکر میں مشغول رہتی تھیں
 زمانے میں پیامِ بندگی اُمّ حبیبہؓ تھیں
 نبیؐ اُن کا 'خدا اُن کا' تو سارا ہی جہان اُن کا
 رضا ہر ہل و قال رہبری اُمّ حبیبہؓ تھیں

اُمّ المؤمنین

حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان کا شمار نبی کریم ﷺ کی محترم ازواجِ مطہرات میں ہوتا ہے۔ آپ کا نام رملہ یا ہند تھا۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ اُمّ حبیبہ کی پہلی شادی عبید اللہ بن جحش سے ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے کفار کے ستائے ہوئے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کیلئے کہا تو یہ میاں بیوی ہجرت کر گئے۔ حضرت اُمّ حبیبہ کے والد ابی سفیان اس وقت اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی اور داماد پر بھی عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔

ہجرت کے بعد یہ میاں بیوی جب حبشہ پہنچے تو عبید اللہ بن جحش کو عیسائیوں نے اپنا دوست بنا لیا۔ یہ اُن کی مجلس میں باقاعدگی سے بیٹھنے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ اسلام سے پھر گئے اور مُرتد ہو گئے۔ شراب نوشی شروع کر دی۔ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی مگر قدرت نے اُن کی آخرت تاریک کر دی تھی۔ وہ اس ذلتِ خواری کے عالم میں مُرتد کی حیثیت سے انتقال کر گئے۔ عبید اللہ سے حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ایک بیٹی تھی جس کا نام حبیبہ تھا۔ یہ اسی نسبت سے اُمّ حبیبہ مشہور ہوئیں۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نسب نامہ یوں ہے۔

”اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس

والدہ صفیہ بنت ابی العاص کا اوپر ذکر ہو چکا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

پھوپھی تھیں۔

آتم حبیب ﷺ کیلئے دنیا اندر میر ہوگی۔ کفار کے فلم و دھم سے بچنے کیلئے مکہ چھوڑا۔ خاندان کا سہارا تھا وہ مُرد ہو گیا اور کفر کی موت مرا۔ اب حبشہ میں انہیں ہر چر اجنبی نظر آ رہی تھی، جانتیں تو کہاں جاتیں۔ آپ کا کمال یہ ہے کہ ان مشکل ترین حالات میں بھی آپ نے بھرتہ پر مستقل حرا جی کا مظاہرہ کیا اور اسلام پر قائم رہیں۔

حضورِ رحمتِ دو عالم ﷺ کو مظلوم ہوا تو عروین اُمیہ ابھری کہ حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ اسے تحریر فرمایا تھا "آتم حبیب ﷺ کو آپ کا پیغام میری طرف سے پہنچائیے۔ بادشاہ نے اپنی وٹن و حشاشی لباس و عطریات کی انچارج تھی، پیغام دینے اُم حبیبہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ آتم حبیبہ ﷺ اس سے قبل خواب میں دیکھ چکی تھیں کہ اُن کو کوئی شخص اُمّ انوسین کہہ کر پکار رہا ہے۔ لوٹتی سے سن کر خدا کا شکر ادا کیا۔ نجاشی نے مجلسِ کُلاخ خود مُستعد کی جس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ مع جملہ اصحاب رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا پھر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا جو آتم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل تھے۔ یہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔

کُلاخ کے بعد حضرت آتم حبیبہ رضی اللہ عنہا بذریعہ بحری جہاز مدینہ پہنچیں۔ حضور ﷺ ان دنوں خیبر کی ہم پر تشریف لے گئے تھے۔

حضرت آتم حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی نیک فطرت اور صالح خاتون تھیں۔ وہ ایسے وقت میں ایمان لائیں کہ اب ان کے والد دشمنانِ اسلام کے قائم تھے۔ اسلام کی خاطر انہوں نے سر کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور حبش میں غربت کی زنجیر کی اختیار کی۔ حالانکہ ان کا گھرانہ حمول اور ریاست کے لحاظ سے قریش میں بہت ممتاز تھا۔

حضرت آتم حبیبہ رضی اللہ عنہا حُسنِ ظاہری سے بھی مُتصف تھیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کے حُسن و جمال پر فخر کیا کرتے تھے۔

یاد رہے کہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حضور ﷺ سے شادی پر نجاشی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان کا نکاح ان سے کروں۔ لہذا میں نے ان کی فرمائش پوری کی۔ یہ کہہ کر نجاشی نے چار سو دینار مہر میں نبی محترم کی طرف سے مقرر کئے اور حاضرین کے سامنے ڈال دیئے۔ حضرت خالد بن سعید بن العاص نے مہر والے دینار لے لئے اور حاضرین اُنھ کو چلنے لگے تو شاہو جشہ حضرت نجاشی نے تمام حاضرین کی ضیافت کی۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ جب یہ مہر کی رقم میرے پاس آگئی تو میں نے اُس میں سے پچاس دینار امیرہ باندی کو اور دے دیئے۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ بادشاہ نے قبول کرنے سے منع کر دیا ہے اور اس سے پہلے جو چیزیں اسے دی تھیں وہ بھی واپس کر دیں۔

جب اس نکاح کی خبر حضرت ابوسفیان کو پہنچی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تو اپنی ہار مان گئے چونکہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ سے لڑتے تھے اور مشرکین تھے کہ کو آنحضرت سے لڑنے میں بہت پیش پیش تھے اور اسلام اور داعی اسلام کا نام تک مٹا دینا چاہتے تھے۔ اس لئے ان کو یہ کہاں منظور ہوتا کہ ان کی بیٹی آپ کے نکاح میں جائے۔ نکاح کی خبر سن کر یوں بول اُٹھے:

صَوًّا الْقُفْلُ لَا يُجْدَعُ انْفَعُ (عمر رسول اللہ ﷺ جو ان مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جاسکتی) یعنی وہ بلند ناک والے عزت دار ہیں ہم اُن کو ذلیل نہیں کر سکتے) ادھر تو ہم ان سے لڑ رہے ہیں ادھر ہماری لڑکی اُن کے نکاح میں چلی گئی۔ اس کہنے کا مقصد اپنی ہار مان لینا تھا۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کے ارشادات پر بڑی پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جو شخص دن رات میں بارہ رکعات پڑھ



لے لہہ جہاد کہ دعائی اس کیلئے جنت میں گمراہے گا۔

آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو سننے کے بعد سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ داخل ترک نہیں کئے۔

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی قبیح شریعت تھیں؛ جب ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد انہوں نے خوشبو منگائی جس میں زردی تھی۔ پھر وہ خوشبو اپنے لباس، جسم اور اپنے رخساروں پر لگائی پھر فرمایا ”کسی عورت کیلئے جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینوں دن سوگ کرے۔“

ایک دن سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح دُعا کی ”اے اللہ! مجھے میرے شوہر نبی ﷺ میرے والد ابوسفیان، میرے بھائی سفیان سے قائدہ اٹھانے کا موقع دے۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا: تم نے اللہ سے ایسی باتوں کا سوال کیا جن کی عیاد مقرر ہیں۔ قدم تک کھسے ہوئے ہیں روزیاں مقوم ہو چکی ہیں ان میں سے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مقدم یا مؤخر نہیں کرے گا۔ اگر تم اللہ سے یہ مانگتیں کہ اے اللہ! مجھے جہنم اور قبر کے عذاب سے عافیت دے تو بہتر ہوتا۔“

سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ”اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بہن عروہ سے نکاح کر لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟“ سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں ایک عورت آپ کی بیوی نہیں ہوں، جہاں اتنی ہیں ایک اور سہیلی“ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اس خیر و فضیلت میں میری بہن بھی شریک ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”وہ میرے لئے حلال نہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب (وقات سے قبل)

مریض ہوئے تو آپ کی ایک بیوی نے اہل کتاب کے ایک عبادت خانہ کا ذکر کیا جسے ماریہ کہتے تھے۔ چونکہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا جسدِ گئی تھیں اور اسے دیکھ کر آئی تھیں اس لئے انہوں نے اس کی خوبصورت بناوٹ اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا کہ یہ لوگ یہ حرکت کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی نیک انسان مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے پھر اس میں وہ تصویریں بنا لیتے تھے (جن کا تم ذکر کر رہی ہو) یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بُرے ہیں۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور پرہیزگار تھیں۔ فکر آخرت کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بُلا کر کہا کہ زندگی میں ہم میں آپس میں سوکنوں والی رنجش رہی ہے لہذا تم میرا کھانا سب کچھ معاف کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کی مغفرت کی دعا کی۔ اس کے بعد اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ خاتونِ حبیبیں خوش کرے جیسے تم نے مجھے ابھی خوش کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو بُلا کر یہاں مقنوق کی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں جن کے راویوں میں کئی جلیل القدر صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔ آپ کے اقارب میں درج ذیل شخصیات خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

☆ ابو سفیان بن حرب مشہور دشمنِ اسلام جو یوسفِ فتح مکہ مسلمان ہوئے۔

☆ یزید بن ابوسفیان فتح مکہ پر مسلمان ہوئے۔ ۱۹ھ میں دمشق میں وصال ہوا۔

شام کے حاکم تھے۔

☆ دوسرے صحابی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دوسری ماں سے 'بیس سال تک گورنر پھر بیس



مہل حکومت کی بانی مسیحی

حبیہ بنت آتم حبیبہ - نبی کریم اس کو بہت عزیز جانتے تھے۔

سیدہ آتم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی کتابوں میں بیسٹھ روایتیں منقول ہیں۔

راویوں کے نام یہ ہیں: حبیبہ بنت معاویہ، ابو سفیان، عبد اللہ بن عقبہ، ابو سفیان بن سعید، ثقیف سالم بن سواد، ابو الجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابوسلمہ، عروہ بن زبیر، ابوصالح، اسان، شمر بن خوشب۔ حدیث پر بہت شدت سے عامل تھیں۔ دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابو سفیان بن سعید بن مغیرہ آئے، انہوں نے ستوکھا کر کئی کی تو بولیں کہ تم کو دُشمن کرنا چاہیے کیونکہ آگ جس چیز کو پکادے اس کے استعمال سے دُشمنی لازم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو باقی نہیں رکھا یہ حکم منسوخ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے اور اگر دُشمن ہوتا تو دوبارہ دُشمن نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے ہی دُشمن سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

آتم المومنین حضرت آتم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۳۳ ہجری میں ۷۳ سال کی عمر میں اپنے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں وفات پائی۔

سیدہ آتم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کی خاطر سفر کی طویل صعوبتیں برداشت کیں۔ راہِ وفا میں ہر دکہ کو سینے سے لگایا، ہر غم کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ مکہ میں ان کا گھرانہ امارت و ثروت اور دولت و قبول کے لحاظ سے سرفہرست تھا۔ والد کفار مکہ کے سردار تھے اسلام کے دامن میں آ کر رنج و الم سے نباہ کرنا سیکھا۔ غریب الوطنی کے دکہ برداشت کئے، مصائب پر لبیک کہا۔ سب سے بڑا دکہ اس وقت پہنچا جب خاندانِ مرتد ہو گیا۔ اسے محبت اور نجات سے سمجھایا، مگر وہ حالت کُفری ہی میں مر گیا۔ غریب الوطنی، بیوگی اور پریشانی مگر اس عالم میں بھی اُن کے دل میں مکہ مکرمہ کی جانب اپنے باپ سے رجوع

کرنے کا خیال نہ آیا۔ فقط عشقِ رسول ﷺ ہی پیشِ نظر تھا۔ محبتِ رسول اُن کا خضرِ راہ تھی۔ یہی واحد سہارا تھا جس نے ان کو راہِ وفا میں زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کیا۔

۔ جہاں جو عشق میں ہوتی ہے وہ جہاں ہی نہیں

رستم نہ ہو تو محبت میں کچھ حرہ ہی نہیں

اور پھر ان تمام مصائب و آلام کے کانٹے اس وقت راحت و آرام کے پھولوں میں تبدیل ہو گئے جب سلطانِ دو عالم تک ان کی بیوگی کی خبر پہنچی تو آپ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا۔ پیغام کیا تھا؟ دنیا و آخرت میں سرخروائی کا بہانہ تھا، عشقِ رسول سر بلندی کا افسانہ تھا۔ عدت کے بعد جب آپ کا حضور ﷺ سے نکاح ہوا تو یوں لگا جیسے فرش سے عرش پر آگئی ہیں۔ دل کی بے قراریاں اُبدی سکون و راحت کی پیغام بر بن گئیں۔ آپ نے جس قدر رنج و آلام برداشت کئے اُن کا انعام بھی اتنا ہی عظیم عطا ہوا۔

۔ رنج و راحت ہی پیامِ راحت و آرام تھا

قُربتِ سلطانِ بلحا آپ کا انعام تھا

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ جب آپ مدینے پہنچیں تو اُسی دن حضورِ بڑھست عالم ﷺ فرودِ خیر سے حجِ یاب ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اُم المومنین کے ساتھ آنے والوں میں حضور نبی کریم ﷺ کے چچا زاد اور آپ کے ہم شکل حضرت جعفر بن ابی طالب بھی شامل تھے۔ جب حضور ﷺ کو اس وفد کی آمد کی اطلاع ملی تو حضور ﷺ ان کے پاس گئے اور حضرت جعفر بن ابی طالب کی طرف بڑھے اور انہیں گلے سے لگایا اور فرمایا تو سیرت و صورت میں میرے مشابہ ہو میں نہیں جانتا کہ میرے لئے زیادہ خوشی کی بات کون سی ہے۔ حجِ خیر یا آمدِ جعفر۔

حضرت امین عباس فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا نکاح سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

”مقرَّب اللہ تعالیٰ تم میں اور ان لوگوں میں جن کے ساتھ تمہاری عداوت چھوٹی کر دے۔“

پھر وہابی بھی۔ ثنابہ کہہ کے سردار ابوسفیان کا ہرجک گیا۔ اسلام دشمنی کے جذبات ٹھٹھے پڑ گئے اور اس نے ہر لحاظ سے اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور مسلمانوں کی رضا جوئی میں لگ گیا۔ اُمّ المؤمنین حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین و جمیل تھیں جس کا اعتراف انہما المؤمنین کو بھی تھا۔ چنانچہ ابوسفیان آپ پر فخر کیا کرتے تھے ان کا بیان ہے:

”میرے نزدیک عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت اُمّ حبیبہ ہے۔“

☆ اُمّ المؤمنین سیدہ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو السابحون الاذلون ہونے کا شرف حاصل تھا۔

☆ آپ کو اسلام کے ساتھ اس درجہ محبت تھی کہ اس کی خاطر گھریار والدین اور وطن چھوڑ دیا۔ اپنے والد کو مشرک ہونے کی بناء پر پیارے مصطفیٰ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔

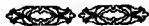
☆ آپ احادیث رسول کو دل و دماغ میں بٹھا کر رکھتی تھیں اور ارشاداتِ مصطفیٰ ﷺ پر شدت سے عمل پیرا ہوتی تھیں۔

☆ آپ بہت بڑی عالمِ الہیہ تھیں۔ جلیل القدر صحابہ اور تابعین نے آپ سے ۱۶۵ احادیث روایت کی ہیں۔

☆ یہ سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرفِ زوجیت عطا کرنے کا ہی اثر تھا کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد آپ کی وجہ سے ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دے دیا تھا۔

آپ کے مدفن میں بارے مختلف روایات ہیں۔ استیعاب کے مطابق حضرت سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا جس پر لکھا تھا:

”یہ رملہ رضی اللہ عنہا بنتِ محرز کی قبر ہے۔ (رملہ حضرت اُمّ حبیبہ علی کا نام تھا) امام نووی تہذیب الاسماء واللغات میں حافظ ابوالقاسم کی تاریخ دمشق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا دمشق میں اپنے بھائی سے ملنے تشریف لے گئی تھیں اور وہیں آپ کا وصال ہوا اور ان کی قبر وہیں ملکِ شام میں ہے۔ لیکن قول صحیح یہی ہے کہ آپ کا وصال مدینہ طیبہ میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔



اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

صفیہؓ جن پہ داری ہے قلوب و جان کی دنیا
 دلی خوش بخت ہے جس نے مقام ان کا ہے پہچانا
 جناب سرور کونین کی ساتھی رفیقہ ہر دو عالم میں
 تحیل سے بہت اونچا ہے ان کے نام کا رتبہ
 عبادت میں ریاضت میں فیہ والا کی اُلفت میں
 نہیں پایا زمانے بھر میں ہم نے کوئی ان جیسا
 یہ مشفق ماں ہمارے واسطے اللہ کی رحمت
 غلاموں پر خدائے پاک کے انعام کا سایہ
 یہ سیرت اور صورت میں رہیں بے مثل و لامانی
 فیہ دارین کی اُلفت نے ان کو کر دیا یکتا
 رضائے مُعظیٰ اُن کی رضا تھی بزم ہستی میں
 تھا ان کے دل میں ہر ساعت حبیب پاک کا جلوہ
 رضا قربان جاؤں مادرِ اہل عقیدت ہیں
 کہ جن سے پیار کرنا ہی ہے خب سرورِ بطحا

اُم المؤمنین

حضرت صفیہ بنت حنیؓ

جب حضرت صفیہؓ حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں تو ایک دن حضور ﷺ نے ان کے چہرے پر چند ابھرے ہوئے نشانات دیکھے۔ آپ نے ان سے پوچھا: یہ کیسے نشانات ہیں؟ حضرت صفیہؓ نے بتایا کہ ”میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند ٹوٹا اور میری آغوش میں آگیا، میں نے یہ خواب اپنے باپ کو سنایا جس سے وہ سخت غضبناک ہو گیا اور اتنے زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا کہ چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشانات ابھر آئے۔ پھر اس نے کہا: کیا تو مملکتِ عرب بننے کے خواب دیکھتی ہے یہ تمہیں حضرت صفیہؓ جنہوں نے حالتِ کفر میں حضور ﷺ کو اپنی آغوش میں آتے دیکھا۔ یہودیوں کے سربراہ کی نہایت خوبصورت بیٹی جو ایک ہولناک جنگ میں مسلمانوں کی فتح کے بعد حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت صفیہؓ کے والد حنیؓ بن اخطب یہودیوں کے مشہور قبیلے بنو نضیر کے سردار تھے۔ ان کی والدہ کا نام ”ضرہ“ تھا جو نامور سردار سموئیل کی بیٹی تھیں۔ اس طرح حضرت صفیہؓ کا دو حیال بنو نضیر اور نضیال بنو قریظہ قرار پائے ہیں جو یہودیوں کے ایک جدی خاندان تھے۔ اس لحاظ سے آپ کا حسب و نسب نہایت ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ہارون علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی لیکن دلوں میں ناچاقی ہو گئی۔ آخر مشکم نے انہیں طلاق دے دی تو ان کے باپ نے ان کا نکاح بنو قریظہ کے نامور سردار کنانہ بن ابی العقیق سے کر دیا جو ریسوں کی اولاد اور خود بھی بہت امیر کبیر تھا۔



خیبر کے مشہور قلعے اقنوم کا سردار تھا۔

نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو مدینہ سے نکال دیا۔ وہ خیبر میں آباد ہو گئے، کئی قلعے بنائے مگر سازشوں کا سلسلہ نہ چھوڑا۔

اوائل ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کی روزِ روز کی شرارتوں کا قلع قمع کرنے کیلئے ان کے مرکز خیبر پر چڑھائی کی۔ خیبر مدینہ کے شمال مغرب میں ایک نہایت زرخیز مقام تھا جہاں یہودیوں نے چھ نہایت مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ مدینہ پر قبضہ کر کے اسلام کو بخ و دین سے اکھاڑ بھینکیں، چنانچہ اس مقصد کیلئے وہ مدت سے لشکر اور آلاتِ حرب و ضرب جمع کر رہے تھے۔ اپنی تیاری مکمل کر لینے کے بعد انہوں نے دو اور قبائل بنو غطفان اور بنی اسد کو بھی اس وعدہ پر اپنے ساتھ ملا لیا کہ مدینہ کی فتح کے بعد نصفِ نخلستان انہیں دے دیا جائے گا۔

خیبر میں یہودی رہتے تھے۔ ان کی رہائش اس طرح کی تھی کہ بہت سے قلعے بنا رکھے تھے ہر ایک قلعہ کی آبادی طہودہ طہودہ تھی۔ ۴۰۰ میں جب آنحضرت ﷺ نے یہودی بنی نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کیا تو ان میں سے اکثر لوگ شام جا کر اور کچھ خیبر پہنچ کر رہنے لگے تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ یحییٰ بن اخطب (جو بنی نضیر کا سردار تھا) خیبر میں ہی مقیم ہوا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ خیبر والوں سے جہاد کرنے کیلئے خیبر کی آبادی میں پہنچے تو اس وقت وہ لوگ اپنے کام کاج کے لئے قلعوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے لشکر کو دیکھ کر سہم گئے اور کہنے لگے کہ محمد والنعمیس (محمد ﷺ اور ان کا لشکر آپہنچا) حضور اقدس ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر کے یکے بعد دیگرے سب کو فتح کیا۔ آخری قلعہ جو فتح ہوا وہ طح کا قلعہ تھا۔ دس روز سے کچھ زیادہ اس کا محاصرہ رہا۔ مگر جب نامی شخص (جو اس قلعہ کا بڑا تھا) قتل ہوا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

کا شوہر جنگ خیر میں مارا گیا۔

جب جنگ کے ختم پر قیدی جمع کئے گئے تو ان میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت دجیہ رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قیدیوں میں سے مجھے ایک بائعی عنایت فرما دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ ان میں سے ایک بائعی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کر لیا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے صحابی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

یا نبی اللہ! آپ نے یہ عورت دجیہ کو دے دی وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار ہے اس لئے وہ صرف آپ ہی کیلئے مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا دجیہ کو بلاؤ۔ وہ اس کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ حسب فرمان والا شان حاضر خدمت ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اس کے علاوہ قیدیوں میں سے دوسری بائعی لے لو۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے منتخب کر لیا اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام زینب تھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لئے منتخب فرمایا تھا اس لئے ان کو صفیہ کہا جانے لگا۔ صفیہ کے معنی ہیں انتخاب کردہ۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کیلئے حضرت دجیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے دجیہ! دوسری لوٹ لی لے لو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی کی خاطر سات لوٹوں کے بدلے میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا۔ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور انہیں اختیار دے دیا کہ چاہیں تو اپنے گھر واپس چلی جائیں یا پسند کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجائیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنا

اپنے لئے باعث سعادت سمجھا۔

خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ روانہ ہوئے راستہ میں بمقام سد اصہبہ میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو لہجہ بتایا اور اس طرح ان کا نکاح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہو گیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ دوسرے دن صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا: جو چیز جس کے پاس ہو لے آئے۔ لوگوں نے اپنے زاور اور لا کر چڑے کے دسترخوان پر رکھ دیئے۔ پھر کھجور، پنیر اور کھجی سے طیدہ تیار کیا گیا۔ اسی طیدہ سے رسول اللہ ﷺ نے دلیمہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دو تین دن وہاں قیام فرمایا پھر آپ ﷺ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے آپ ﷺ نے اونٹ پر بیٹھنے کی جگہ بتائی، پردہ تان دیا اور اپنی چادر اوڑھادی، راستہ میں جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوئیں تو آپ ﷺ اونٹنی کے پاس بیٹھ جاتے، اپنا کھنا زمین پر نکالا دیتے، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے کھنے پر اپنا پیر رکھ کر اونٹنی پر سوار ہو جاتیں۔ راستہ میں آپ ﷺ نے اونٹ کو تیزی سے دوڑایا، اتفاق سے اونٹنی کو شہو کر گئی۔

آپ ﷺ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سے گر پڑے۔ رسول اللہ ﷺ جلدی سے کھڑے ہو گئے اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر پردہ تان لیا اور اونٹنی پر دوبارہ سوار ہو کر مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

اس نکاح کے بعد یہودی پھر مسلمانوں کے خلاف کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے حضرت حارث بن نعمان انصاری کے مکان پر اتارا۔ اُن کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر انصاری کی عورتیں اور دوسری ازواجِ مطہرات انہیں دیکھنے آئیں۔ جب دیکھ کر جانے لگیں تو حضور ﷺ ان کے پیچھے چلے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: عائشہ تم نے اُس کو کیسا پایا؟“

جواب دیا: یہودیہ ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ”یہ نہ کہو وہ مسلمان ہو گئی اور اس کا اسلام اچھا اور بہتر

ہے۔“

قبول اسلام کے بعد یہودیت کا طعن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کیلئے بڑی دل آزاری کا موجب ہوتا تھا لیکن وہ نہایت صبر و تحمل سے کام لیتی تھیں اور کبھی کسی کو سخت جواب نہ دیتی تھیں۔

ایک بار نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں وجہ دریافت کی تو کہا ”عائشہ اور زینت کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں کیونکہ یہودی ہونے کے علاوہ ہم حضور ﷺ کے قربات دار بھی ہیں لیکن تم یہودوں ہو“ حضور ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کیلئے فرمایا۔

”اگر عائشہ رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ان کا خاندان نبوت سے تعلق ہے تو تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ ہارون رضی اللہ عنہ اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر محمد ﷺ ہیں۔“

ایک دفعہ کسی بات پر حضور ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے ناخوش ہو گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور کہا ”آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی باری کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی لیکن اگر آپ سرور عالم کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کام کیلئے تیار ہو گئیں اور زعفران کی رنگی ہوئی ایک اودھنی لے کر اس پر پانی چھڑکا تا کہ اس کی خوشبو مہک جائے۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لے گئیں۔ آپ نے فرمایا: عائشہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں۔

یوں ہی: یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔
پھر تمام واقعہ حضور ﷺ کو سنایا اور حضور ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے راضی ہو گئے۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے عجائب جمع تھے۔ وہ عاقلہ، فاضلہ، عظیم الطبع، خلیق کشادہ، دل سیر چشم اور سخی تھیں۔ جب وہ ام المومنین کی حیثیت سے مدینہ منورہ تشریف لائیں اور سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ان سے ملنے آئیں تو انہوں نے اپنے پیش قیمت ملائی، بچھکے اپنے کانوں سے اتر کر سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دے دیئے اور ان کے ساتھ آنے والا خواتین کو بھی کچھ نہ کچھ دیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کنیز تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایت کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن اس لوٹتی تھی کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں اب تک یہودیت کی بو اور اثر باقی ہے اور وہ اب بھی (یوم السبت) ہفتہ کے دن کو حبرک سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کیلئے ایک شخص کو بھیجا تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جب سے اللہ نے مجھے ہفتہ کے بدلے جمعہ عطا فرمادیا ہے تو ہفتہ کو دوست رکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی، جہاں تک یہودیوں سے تعلقات اور ان سے نرمی کا معاملہ ہے تو یہودیوں سے میری قرابت داری ہے اور مجھے صلہ رحمی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کنیز کو بلا کر پوچھا کہ تجھے کس نے اس بات پر آمادہ کیا کہ تو میری شکایت کرے۔ کنیز نے کہا: شیطان نے یہ سن کر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نہایت فیاض تھیں۔ آپ کا صرف ایک ذاتی مکان تھا وہ بھی آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں صدقہ کر دیا۔



ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ ٹھک کر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا ”قاتلوا ونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو“۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: اس یہودیہ کو میں اپنی کوئی چیز نہیں دوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہو گئے دو یا تین مہینے اُن سے تعلق بالکل منقطع رکھا جب انہوں نے توبہ کی تب رجوع فرمایا۔

جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مرضِ آخری میں تھے شدید تکلیف تھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خلوص سے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ محبوب ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری مجھے لگ جائے۔ یہ سکر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہا نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ مونس بے کساں صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت فرمائی اور فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کی قسم صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے دعوئے بات میں سچی ہے“

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے قدم و قامت کے متعلق کوئی جملہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات قطعاً پسند نہ آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم نے یہ ایسی بات کہی ہے اگر مسندِ رمیں چھوڑ دی جائے تو وہ مسندِ رمیں گدلا کر دے۔

ایک مرتبہ رمضان کے آخری عشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف فرمایا ایک رات کو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں۔ جب وہ جانے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہنچانے کیلئے ان کے ساتھ گئے۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حجة الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ یامِ حج میں ان کو اذیتِ ماہانہ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا: وہ ہمیں روکیں گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے طوافِ افاضہ تو کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر کوچ کرو۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بے حد درد



مند تھیں جب ۳۵ ہجری میں خلیفہ سوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مکان کا مُفسدوں نے محاصرہ کر لیا تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ ضعیف العمر امیر المومنین کی مصیبت سے بے چین ہو گئیں۔ ایک غلام کو ساتھ لے کر اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کی طرف روانہ ہوئیں۔ اشتراختی نے ان کے غلام کو دیکھ کر پہچان لیا اور آپ کے خچر کو مارنے لگا۔ چونکہ حالات بگڑے ہوئے تھے اور اشتراختی کے مقابلہ میں کامیابی مشکل تھی اس لئے آپ مصلحتاً واپس چلی گئیں اور جناب امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کھانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

حضرت منیہ رضی اللہ عنہا کے مختلف اوصاف اور اس سے قبل سرکارِ دو عالم سے شادی کا ذکر ہوا۔ اس ضمن میں تفصیل یقیناً ایمان افروزی کا باعث بنے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روزِ خیر اور مکہ کے درمیان قیام فرمایا۔ تینوں دن حضرت منیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس شبِ باشی کی اور وہیں جنگل میں ولیمہ ہوا۔ ولیمہ میں کوئی گوشت روٹی تو نہیں تھی (بلکہ متفرق قسم کی دوسری چیزیں تھیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑے کا دسترخوان بچانے کا حکم فرمایا، جن پر کھجوریں اور خیر اور گھی لا کر رکھ دیا گیا۔ مجھے حکم فرمایا کہ لوگو کو بلاؤ، میں بلال لایا اور لوگوں نے ولیمہ کی دعوت کھائی۔ پورے لشکر میں سے جن کو نکاح کا علم نہ ہوا تھا وہ لوگ اس تردد میں رہے کہ منیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا ہے یا باندی بتالی ہیں۔ پھر خود ہی اس کا فیصلہ کیا کہ اگر آپ نے ان کو پردے میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کی بیوی اور اُتھات المومنین میں سے ہیں، ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپ نے ان کو لونڈی بنا لیا ہے۔ چنانچہ آپ نے کوچ فرمایا تو اپنی سواری پر ان کیلئے پیچھے بیٹھنے کی جگہ بتائی اور ان کو سوار کر کے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا۔ اس سے سب سمجھ گئے کہ وہ ام المومنین



ہیں۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے جو کتاب النکاح میں ذکر کی ہے۔ دوسری روایت میں ہے جو حضرت امام بخاری نے کتاب المغازی میں درج کی ہے کہ دسترخوان بچانے کا حکم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا۔ اس واقعہ کو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الصلوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ولیمہ کھانے کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہو لے آئے۔ چنانچہ کوئی کھجور لایا، کوئی گھی لایا، کوئی ستولا لایا اور سب چیزیں مالیدہ کی طرح ایک جگہ ملا کر کھالی گئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان المبارک ۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انہوں نے اپنا ذاتی مکان اپنی زندگی ہی میں راہ خدا میں دے دیا تھا۔ البتہ ترکہ میں ایک لاکھ درہم نقد چھوڑے اور اس کے ایک تہائی کی وصیت اپنے یہودی بھانجے کیلئے کی۔ لوگوں نے اس کا حصہ دینے میں تامل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو کہا ”بھجوا“ ”لوگو! اللہ سے ڈرو اور صفیہ کی وصیت پوری کرو۔“ اُن کے ارشاد کے مطابق وصیت کی تعمیل کر دی گئی۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے چند احادیث مروی ہیں، جن کو حضرت زین العابدینؑ اسحاق بن عبد اللہ بن حارثؑ، سلم بن صفوانؑ، کنانہ اور یزید بن مقب نے روایت کیا ہے۔ دیگر ازواج مطہرات کی طرح سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی شیخ علم و عرفان تھیں۔ علم و فضل، تقویٰ و طہارت میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اخلاق و کردار میں لامتناہی تھیں۔ آپ یہودیوں کے دو بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں، آپ نے اپنے حسب و نسب پر کبھی غرور نہ کیا۔ کیونکہ جب مذہب ہی ترک کر دیا اور سلطانِ دو عالم ﷺ کے حرم پاک کی زینت

علاقہ اسلام
 بن گئیں تو پھر گزشتہ حسب و نسب کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے۔ آپ نے زندگی بھر عاجزی اور
 فروتنی کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے اپنے سے بڑی اہمات المؤمنین کا تمام زندگی بے حد
 احترام کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خوشنودی کیلئے اپنی باری تک انہیں دینے پر
 آمادہ ہو گئیں۔ انہیں ہر آن ہر صورت اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی عزیز تھی
 کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے شوہر نامدار ہی نہیں تھے، پیغمبر اسلام بھی تھے۔
 عظیم فاتح بھی تھے، حضور نے خیر کے علاقہ سے متعلق تمام قلعوں کو روند ڈالا مگر حضرت
 صفیہ رضی اللہ عنہا نے کبھی اپنے دردناک ماضی کو یاد نہ کیا بلکہ اپنے روشن مستقبل کیلئے اپنے آقا و
 مولیٰ کی خوشنودی کے جو گھر ہیں۔

جہاں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق ہے وہ بھی آپ سے بہت پیار
 کرتے تھے اور بجا طور پر آپ سمجھتے تھے کہ سیدہ صفیہ کا تعلق یہودیوں کے بڑے اونچے
 خاندان سے ہے۔ آپ نے صحابہ کے مشہورے کو تسلیم کر کے یہ سوچ کر ہی سیدہ صفیہ
رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لیا تھا کہ سردار کی بیٹی ہے اسے سرواہو و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد ہی
 میں آنا چاہیے۔ آپ کم عمر تھیں اس لئے حضور آپ کی ناز برداری کرتے، انہیں اونٹ کی
 سواری سکھاتے۔ اہمات المؤمنین جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر طنز کرتیں تو جواب خود رسول
صلی اللہ علیہ وسلم ہی دیتے، جب انہوں نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر یہودن کی بھیمتی کسی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم ان سے کہو کہ تم نبیوں کی اولاد اور پیغمبر اسلام کی زوجہ
 حیات ہو۔ اگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اہمات المؤمنین کے احترام کو مد نظر رکھ کر کم بولتی تھیں یا
 خاموش رہتی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دیا کرتے۔ بعض اوقات سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پر
 اعتراض کرنے والیوں پر سخت ناراض ہو جاتے اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بھرپور وکالت
 کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالم کا کیا کہنا، جب قلعہ قوص (جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی



ہاتھوں ختم ہوا) سمیت تمام قلعے فتح ہو گئے۔ شریک ہودی قتل ہوئے جن ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور چچا بھی شامل تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کو اور دوسرے قیدیوں کو بستے ہوئے خون اور لاشوں کے درمیان سے قیدی بنا کر لاتے تو رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

بلال! ”تمہارے دل میں اس وقت رحم ختم کر دیا گیا تھا جب تم ان کو ان کے باپ، بھائی اور شوہر کی لاشوں کے پاس سے لے کر گزر رہے تھے۔“

دیگر ازواجِ مطہرات کی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی حرمِ نبوی میں داخلے کے ساتھ پیارے مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اور دل جوئی میں لگ گئی تھیں۔ آپ کھانا بہت لذیذ پکاتی تھیں اور اکثر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سیدہ صفیہ سے اچھا کھانا پکانے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بہت نرم دل، کشادہ دل، سیر چشم، حلیم الطبع، عاقلہ اور فاضلہ خاتون تھیں۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہلے دونوں خادموں سے اور نبی کریم ﷺ سے کوئی اولاد نہ تھی۔ خواتین آپ سے سوال پوچھا کرتی تھیں۔ آپ سے دس احادیث مروی ہیں۔ حسن و جمال آپ کا امتیازی وصف تھا۔ جب آپ مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی دلہن بن کر آئیں تو مدینہ کی خواتین آپ کے چہرے پر آپ کو دیکھنے کیلئے آئیں۔ آپ کی وجہ سے خواتین کیلئے ایک مشکل آسان ہو گئی کہ جب خواتین حج میں طوافِ زیارت کر لیں اور ان کو ماہانہ ایام شروع ہو جائیں تو انہیں رُکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس مدینہ منورہ سے آپ کا باپ اور اس کا قبیلہ اور دوسرے یہودی قبائل حکمِ مصطفیٰ ﷺ کے حکم کے مطابق نکالے گئے ان قبائل کو سخت سزائیں بھی دی گئیں اور پھر چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھا ذلیل و خوار کر کے نکالے

جانے والے یہودی تختی بن اخطب کی صاحبزادی اُمّ المومنین کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں اس شان سے داخل ہو رہی ہے کہ مدینہ بھر کی خواتین ان کے راستے میں آنکھیں بچھائے ہوئے تھیں۔ آپ کے حسنِ سلطنت و ریادہ دلی اور علم و فضل کے ذکر عام سے مدینہ منورہ کی فضا میں گونج رہی تھیں۔

اُمّ المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا خاندان بڑا امیر کبیر تھا۔ جب یہ قبیلے مدینہ طیبہ میں آباد تھے تو مسلمانوں کو سود پر اجناس اور اشیاء دیتے تھے اور بھاری رقم کے عوض ان کی چیزیں رہن رکھا کرتے۔ اس امیری اور قارغ البالی نے ان میں غیر معمولی تکبر اور غرور پیدا کر دیا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آ گئے تو بھی ان کی یہی حالت رہی۔ مسلمانوں کے میدانِ اُحد میں نقصان اٹھانے کے بعد یہ اور دلیر ہو گئے تھے۔ مسلمانوں اور خاص طور پر غریب مسلمانوں کا سر عام مذاق اُڑاتے۔ ایک بار ایک مسلمان عورت جو سبزی بیچنے کیلئے مدینہ طیبہ آیا کرتی تھی اُسے عریاں کرنے کی کوشش کی یہی وہ لمحہ فکریہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ اس فتنہ کا سر اس صورت کُھلا جاسکتا ہے کہ اسے سزا دے کہ مدینہ سے نکال دیا جائے لیکن وہاں جا کر بھی ان کی امیری اور شاٹھ باٹھ نے حقائق کی طرف مائل ہی نہ ہونے دیا۔ حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اسی بہت بڑے امیر گھرانے کی بیٹی تھی۔ ماں باپ کی امارت اپنی جگہ اور خاوند کی امارت اپنی جگہ لیکن جب یہ اسلام لائیں اور حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بنیں تو پھر انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کلمات کی رہنے والی تھیں دولت کی ریل پیل تھی، خیر و فاقہ کا نام و نشان نہیں تھا، زرق برق پڑے پینتیس قیمتی زیورات سے خود کو مزین کرتیں مگر جب یہ اسلام کے دامنِ خیر میں آئیں چھوٹا سا کچا کوٹھارہ بنے کوٹھارہ سادگی اور درویشی کی حق۔ ایک وقت کھالیا تو چار دھتوں کی خبر نہیں۔ اُمّ المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس



فقر و درویشی کے رنگ کو ایسے قبول کیا کہ زمانہ حیران رہ گیا۔ پیوند لگے کپڑے زیورات سے بے نیاز، فقیری میں خوش و مطمئن۔ ان کیلئے یہ امر سب سے زیادہ قیمتی تھا کہ ان کے رسول اللہ ﷺ سے خوش رہیں۔

در اصل ان کے دل و دماغ میں حضور نبی کریم ﷺ سے عابدانہ تعلق خاطر پیدا ہو چکا تھا۔ ان کا باپ ختی بن اخطب اور ان کا چچا توریت کے عالم بھی تھے۔ انہوں نے کئی بار ان کو سرگوشیوں میں باتیں کرتے سنا کہ محمد بن عبد اللہ نبی آخر الزماں ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، توریت سمیت تمام آسمانی سماوی کتب نے ان کے آنے کی بشارت دی ہے مگر ان کی انارہستی آڑے آ جاتی کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر نبی آخر الزماں یہودیوں میں سے آتا۔ حضور ﷺ کو اندر سے نبی آخر الزماں مانتے بھی تھے مگر ان کا قبائلی فخر آڑے آ جاتا تھا۔ یہودیت کی اسلام دشمنی ان کا راستہ روک لیتی تھی اور یہ اسلام کو دل سے سچا مذہب مان کر بھی حلقہ گوش اسلام نہیں ہوتے تھے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بارہا اسلام اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت کی باتیں کرتے سنا تھا۔ اس لئے یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے دل و جان سے قبول کر چکی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ خیر کے قبائل اور قلعوں کی تباہی کے بعد جب یہ مسلمانوں کی طرف آئیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو نہیں ٹپکے۔ یوں محسوس ہوا تھا کہ وہ اپنے باپ اور چچا کی زبانی جس نبی آخر الزماں (ﷺ) کے تذکرے سنا کرتی تھیں وہ ان کے سامنے ہے۔ ان کے دل میں اسلام اور رسول خدا ﷺ کے خلاف تعصب نہیں تھا۔ اس لئے بلا تاخیر اسلام قبول کر لیا۔ رسول خدا ﷺ نے اُن سے ملاقات کر کے فرمایا کہ ”تم پر جبر نہیں ہے چاہو تو واپس اپنے قبیلے میں چلی جاؤ، چاہو تو میری زوجیت میں آ جاؤ۔“

اُمّ المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کوئی بھی فیصلہ کر سکتی تھیں مگر انہوں نے ایک لمحہ کی

بھی تاخیر نہیں کی اور اپنی ظاہری آزادی کو چھوڑ کر عمر بھر کیلئے حضور ﷺ کی غلامی میں
 ہمیشہ کیلئے آنا قبول کر لیا۔ ان میں بھی سچا اور بے غلوں جذبہ تھا جس نے ہمیشہ حضور ﷺ کو
 ان کی تائید و حمایت کیلئے آمادہ کیا۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب نبی کریم ﷺ نے ان سے
 رونے کا سبب پوچھا اور جب انہوں نے کہا کہ آپ کی خاندانی قرابت دار اہمات
 المؤمنین مجھے طعن دیتی ہیں کہ ہم رسول اللہ کے خاندانی رشتہ دار بھی ہیں اور اہمات بھی
 ہیں، تم ہم میں غیر ہو، تم ہمارے برابر کی نہیں ہو تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے
 کیوں کہہ دیا کہ تم حضرت ہارون علیہ السلام کی بیٹی ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے
 چچا ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ تمہارے شوہر ہیں۔ بتاؤ تم میں کوئی میرے جیسا ہے۔ اگر
 میری ایسا موقع آئے تو بلا تاخیر ایسا کہہ دیتا۔ سلام ہو آپ کی ذات والا پر۔



اُمّ المؤمنین

حضرت میمونہ بنت حارثؓ

سیدہ میمونہ زوجہ سرور ہر دوسرا
عابدہ و زاہدہ قدیلِ رحمت کی ضیا
زندگی اُن کی تھی وقف ذکرِ ربّ کائنات
مہرباں اُن پہ شہ دین مہرباں ربّ اعلیٰ
وقف خود کو کر دیا سرکارِ والا کیلئے
زندگی اُن کی سراسر لطف و ایثار و عطا
اسوۂ محبوبہ دو عالم رہا اُن کو عزیز
جو بھی اپنے پاس آیا دے دیا راہِ خدا
نرم دل اور نرم خو حُسنِ عقل کی مثال
پاک دل اور پاکباز اور سربر مہر و وفا
آپ کی سیرت سراسر شمعِ ایمانی ہو جب
تذکرہ ہوتا رہے پھر کیوں نہ ہر دم آپ کا
ہے مقام "سرف" پر تربتِ منور آپ کی
آپ کے تذکار سے ضو بار ہے کلکِ رضا

اُمّ المومنین

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

اُمّ المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نہایت مہنتی پرہیز گار دانا اور گھریلو نظام کے تقاضوں سے بہرہ ور خاتون تھیں۔ آپ کے اندر صلہ رحمی کا جذبہ موجزن تھا۔ آپ کا اصل نام ”تمہ“ ہے جب حضور ﷺ کے عقد میں آئیں تو حضور ﷺ نے ان کا نام بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ آپ اعلانِ نبوت سے سترہ برس قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔ اُمّ المومنین والدہ کی طرف سے جنابِ معمر پر حضور ﷺ کے نسب سے جا ملتی ہیں۔ آپ کی والدہ کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا۔ اُمّ المومنین کی آٹھ بہنیں تھیں۔ یہ تمام بہنیں بڑے بڑے گھرانوں میں میاں بیاہی گئی تھیں اور ان کی اولادوں میں نامور لوگ پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے تمنا کر کو یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ اگر حضرت میمونہ کا نکاح جنابِ رسول اللہ ﷺ سے ہو گیا تو بڑے بڑے قبائل بانی اسلام کے حلیف بن جائیں گے اور بالآخر ایسا ہی ہوا۔ آپ کی والدہ ہند بنت عوف کے دامادوں میں حضرت صدیق اکبر، سیدہ حمزہ سیدہ اشہدہ، حضرت جعفر طیار، حضرت علی المرتضیٰ، سیدنا عباس بن عبدالمطلب اور شہاد بن الہاد جیسی شخصیات شامل تھیں۔

پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عبید ثقفی سے ہوا، انہوں نے کسی وجہ سے طلاق دے دی، پھر ابوہریرہ بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ۷ ہجری میں ابوہریرہ نے وفات پائی اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں۔

اسی سال رسول اکرم ﷺ عمرہ ادا کرنے میں مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بہنوئی نے کہا کہ آپ ﷺ میمونہ سے نکاح فرمائیں۔ چنانچہ



آپ ﷺ نے رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے نکاح کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا دیا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح آنحضرت ﷺ سے کر دیا۔ عمرۃ القضاء ادا کرنے کے بعد حدودِ حرمِ نبوی میں رسول اللہ ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ نکاح کے وقت آپ ﷺ حرامِ آماتار چکے تھے۔ پانچ سو درہم آپ کا مہر مقرر ہوا۔ جب آپ ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پہنچے تو سرف کے مقام پر جو مدینہ کے راستہ پر مکہ سے دس میل پر واقع ہے قیام فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو لے کر سرف پہنچے۔ یہیں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں آنحضرت ﷺ نے اُن سے ملاقات کی، یہیں رسمِ عروسی ادا ہوئی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے نکاح فرمایا اور ۱۱ھ میں نبی کریم ﷺ نے دُنیا سے فانی کو چھوڑ کر ملاءِ اعلیٰ کا سفر فرمایا۔ اس حساب سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں تین سال رہیں۔ آپ کی خدمت میں رہ کر دوسری بیویوں کی طرح دین کی مَطْعَمات حاصل کیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو اُن کے بھانجے ہیں ان کے شاگردوں میں ہیں۔ ایک مرتبہ مَطْعُوم ہوا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ماہواری کے دنوں میں اپنی بیوی سے علیحدہ بستر کر لیتے ہیں اور اتنا پرہیز کرتے ہیں کہ اس کے پاس لیٹتے تک نہیں ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی بھیجی اور فرمایا کہ ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے تمہیں کیوں اعراض ہے۔ آپ اس زمانے میں بھی ہمارے بستروں پر لیٹتے تھے۔ (ایام ماہواری میں میاں بیوی کا آپس میں ایک ساتھ لیٹنا بیٹھنا منع نہیں البتہ اس سے آگے نہ بڑھیں)

حضرت میمونہ ؓ نہایت خداترس اور شفی قہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

”میمونہ ؓ ہم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی اور صلہ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں۔“

مدینہ میں ایک دفعہ ایک عورت سخت بیمار ہوئی۔ اُس نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے شفا دی اور اُس نے اپنی منت پوری کرنے کیلئے بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا۔ سفر پر روانہ ہونے سے قبل حضرت میمونہ ؓ سے رخصت ہونے آئی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت میمونہ ؓ نے اسے سمجھایا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ تم بیت المقدس جانے کی بجائے مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو۔ ثواب بھی زیادہ ہوگا اور منت بھی پوری ہو جائے گی کہ مسجد نبوی اللہ کو بیت المقدس سے زیادہ محبوب ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸، ص ۹۲)

ایک دفعہ حضرت میمونہ ؓ کا ایک قریبی رشتہ دار ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ وہ سخت غضب ناک ہوئیں اور اسے سختی سے جھڑک کر کہا ”آئندہ کبھی میرے گھر میں قدم نہ رکھنا۔“

ایک دفعہ انہوں نے ایک لوٹری کو راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا ”خدا تم کو جزا دے۔“

حضرت میمونہ ؓ بہت فقیر اور فیاض تھیں اس لئے وقتاً فوقتاً قرض لینے کی نوبت آ جاتی تھی۔ ایک دفعہ بہت زیادہ رقم قرض لے لی۔ کسی نے پوچھا ”اُمّ المؤمنین اتنی زیادہ رقم کی دایسی کی کیا صورت ہوگی۔“



فرمایا ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔“

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۴۶ احادیث مروی ہیں۔ اُن کے راویوں میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن شداد وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا آپ کی حقیقی بہن تھیں۔ اس رشتہ سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے بھانجے ہوئے۔

آپ کا نام میمونہ حضور ﷺ نے رکھا تھا یعنی برکت والی رحمت و عطا والی۔ ان کے بعد حضور ﷺ نے کسی سے نکاح نہیں فرمایا۔ مدینہ منورہ بھی سیدہ کا قیام رہا سیدہ میمونہ نے حضور ﷺ پر سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ نکاح کے پیغام کے وقت اُونٹ پر سوار تھیں اُونٹ اور جو کچھ اُونٹ پر تھا راہِ خدا میں پیش کر دیا۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے خود کو حضور ﷺ کیلئے ہبہ کر لیا تو آیت مبارکہ نازل ہوئی

”اور مومن عورت اگر وہ جان نبی کی نذر کر دے اور اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے تو اسے اجازت ہے اور یہ اجازت صرف آپ کیلئے خاص ہے۔ دوسرے مومنوں کیلئے نہیں۔“ (پارہ ۲۲، احزاب، آیت ۵۰)

تمام زندگی آپ کا بھی معمول رہا کہ کسی سائل کو اپنے در سے محروم نہ بھیجا۔ ہر سوا لی آپ کے ہاں سے کچھ نہ کچھ لے کر گیا۔ آپ زیادہ سے زیادہ خیرات کرنے کا جذبہ رکھتی تھیں۔ ۵۱ ہجری میں سرف ہی میں سیدہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ آپ سرف ہی میں دفن ہوئیں جہاں آپ کی رسمِ مردی ہوئی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے احباب سے فرمایا ”جنازہ آداب سے آہستہ



رسول اللہ ﷺ سے آپ کو اتنی محبت تھی کہ ذرا بھی آپ ﷺ کو پریشان دیکھتے تو خود غم زدہ اور پریشان ہو جاتے۔

ایک دن جب رسول اللہ ﷺ صبح کو اٹھے تو خاموش خاموش تھے۔ سیدہ میمونہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آج صبح سے آپ ﷺ کچھ پریشان پریشان نظر آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج رات جبریل نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ آئے نہیں۔ بجانے کیا بات ہے۔ اللہ کی قسم انہوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ یا ایک آپ ﷺ کو کتے کے بچ کا خیال آ گیا جو چنگ کے نیچے آ کر بیٹھ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو فوراً ٹھکرا دیا اسے لٹا لٹا کر فوراً حضرت جبریل امین شریف لے آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس گھر میں کتا یا تصویر ہو۔

آپ ﷺ صبح محبتوں میں حراج شاہی رسول اللہ ﷺ تھیں۔ آپ کے اعزاز کو دیکھ کر بہانہ لیتی کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ اس کا اعزاز اس روایت سے بھی ہوتا ہے۔

سفر حج میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں۔ لوگوں کو نوذی الحج کو شک ہوا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا روزہ ہے یا نہیں۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک پیالہ دودھ آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بھیج دیا جسے آپ ﷺ نے پی لیا۔ سب لوگوں نے دیکھ لیا اور اس ترکیب سے پتہ چلا گیا کہ آنحضرت ﷺ کا روزہ نہیں ہے۔

حضرت یزید بن الاصم فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہر وقت نماز پڑھتی رہتی تھیں یا گھر کا کام انجام دینے میں اُن کا وقت گزرتا تھا۔ ان دونوں مشغلوں سے فرصت ملتی تو مسواک فرماتیں۔ آپ کی وفات کے حوالے سے مجمع الزوائد میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا مکہ میں متیم تھیں۔ وہاں کچھ طبیعت بھاری ہوئی

اور علامات محسوس فرمائی۔ فرمایا: مجھے مکہ سے لے چلو کیونکہ مجھے مکہ میں موت نہ آئے گی؛ مجھے اس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ چنانچہ ان کو مقام سرف میں لایا گیا اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے کسی عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ (ایک روایت میں ہے کہ جس طرح سب سے آخر میں ان سے نکاح ہوا تھا اسی طرح حضور ﷺ کی ازواج میں ان کی وفات بھی سب سے آخر میں ہوئی)

اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا امر دواہی کے معاملہ میں بے حد سخت تھیں؛ جب کسی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ لیتیں تو سخت جھاڑ پلاتیں؛ نہ اس ضمن میں کسی قسم کی کوئی مصلحت روا نہ رکھتیں۔

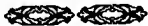
یہ اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تقدیر نے عجیب اتفاق رکھا کہ پیارے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ شادی بھی سرف کے مقام پر ہوئی جو مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے اور وصال بھی اُسی جگہ ہوا۔ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا حضور نبی کریم ﷺ پر کس قدر ایمان کامل تھا کہ مرض الموت کے وقت فرمایا کہ چونکہ حضور ﷺ فرما چکے ہیں کہ مجھے مکہ میں موت نہیں آئے گی اس لئے مجھے مکہ سے لے چلو۔

حضور نبی کریم ﷺ نے دوسری ازواج کی طرح سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی رہائش کیلئے علیحدہ مکان عطا فرمایا جو مسجد نبوی سے مُلکِ شام کی سمت واقع تھا۔ گزر اوقات کیلئے بطورِ بان و فلقہ خیر کی کجوروں سے ۸۰ دس کجور اور ۲۰ دس جو سالانہ مقرر فرمائے۔ ان اجناس کے خرچ کے معاملہ میں وہ خود بخیر اور آزاد تھیں۔ آپ کو حضور ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ اپنی باری کا انتظار کرتیں؛ اُس دن خاص اہتمام فرماتیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد دُنیا ان کیلئے اندھیر ہو گئی۔ لباس کا تمام اہتمام جاتا رہا۔ اُن کے تربیت یافتہ حضرت عبداللہ الحولانی بیان کرتے ہیں کہ

حکایتِ مہم
 سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا لباس اکثر ایک دوپٹے اور ایک لمبی سے قمیص پر مشتمل ہوتا تھا۔ لباس
 اتنا لمبا تھا کہ چھوڑا قدس کے سوا سارے جسم کو وہ ڈھانپ لیتا تھا اور اسی لباس میں وہ نماز
 بھی پڑھ لیتی تھیں۔ مختلف تذکروں سے واضح ہوتا ہے کہ وصالِ نبوی ﷺ کے بعد دنیا
 اُن کی نگاہوں کے سامنے چھ تھی۔ آپ اپنی گفتار اور عمل سے اُمتِ مُسلمہ کی خواتین کی
 تربیت فرماتی تھیں۔ ایک بار آپ نے انار کے چھ دانے زمین پر پڑے دیکھے تو فرمایا
 ”اللہ تعالیٰ بگاڑ کو پسند نہیں کرتا بظاہر چھ دانوں کا خبیث معمولی چیز ہے لیکن اس خبیث
 سے کئی اخلاقی اور رُوحانی بیماریاں جنم لے لیتی ہیں جو بالآخر ایسے بگاڑ کی صورت اختیار
 کر لیتی ہیں جو خدائے دو عالم کو کسی طور پسند نہیں ہے۔

اے اُمّ المؤمنین! اے بزمِ ہستی کے اہل ایمان کی مقدّس ماں! اے انتہائی
 محترم ہستی! آپ پر ہم خاک نشینوں کے لاکھوں سلام ہوں۔



اُم المؤمنین

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بنت شمعون

حضرت ریحانہ روح زندگی جانِ رسول
 حضرت ریحانہ گزارِ عقیدت کا خمیں پھول
 حضرت ریحانہ نور آگئی شانِ حرم
 حضرت ریحانہ پر تھا رب عالم کا کرم
 بہر حب سرور کونین تھی شمعِ وفا
 بیکر لطف و کرم جانِ یقین شمعِ حیا
 آپ کے اسلام لانے سے تھے خوش سرکار دیں
 آپ کے تذکار سے ہے زندگی شمعِ یقین
 حضرت ریحانہ نور دلکشی جانِ نبی
 حضرت ریحانہ محو حسن فرمانِ نبی
 آپ جس دم شوکتِ اسلام پر مائل ہوئیں
 اُمہات المؤمنین اس گھڑی شامل ہوئیں
 آپ کے مرقہ پر پہنچے اے رضا میرا سلام
 آپ کا اونچے سے اونچا ہو زمانے میں مقام

(محمد اکرم رضا)

ام المومنین

حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ام المومنین کا اسم گرامی ریحانہ تھا اور ان کا تعلق اہل یہود کے مشہور قبیلہ بنو نضیر سے تھا۔ ان کا سلسلہ نسب یوں ہے:

ریحانہ بنت شمعون بن زید بن حنّاف۔ ان کے والد کو صحابیت 'سابع حدیث' اور احادیث مقدسہ کو روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ کا پہلا نکاح بنو قریظہ کے ایک شخص عجم سے ہوا۔ جب مسلمان نے بنو قریظہ پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا تو حکم رسالت مآب کے مطابق وہاں جو یہودی قتل ہوئے ان میں عجم بھی شامل تھا۔

جب ان کے اموال و الماک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور مال قیمت کے ساتھ بہت سے افراد کو قیدی بنایا گیا تو سیدہ ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا بھی ان میں شامل تھیں۔ مال قیمت کی تقسیم اور قیدیوں کا فیصلہ ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرو تو میں تم کو اپنے لئے مناسب سمجھتا ہوں۔ ریحانہ نے منظور کر لیا پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے بارہ لوقیہ مہر دے کر نکاح کر لیا اور رخصت کر کے حضرت ام المومنین بنت قیس کے گھر ٹھہرایا۔

قبول اسلام:

ان کے قبول اسلام کے بارے میں دو روایات ہیں۔ پہلی روایت تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا کہ اگر چاہیں تو اسلام قبول کر لیں اور اگر چاہیں تو اپنے مذہب یہود پر قائم رہیں۔ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں اپنے مذہب پر رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔

اس پر رسول اللہ ﷺ کو رنج ہوا آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول

کر لو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا، مگر وہ اپنی بات پر قائم رہیں اس پر رسول اللہ ﷺ کو ان کے ردیہ سے رنج ہوا اور آپ ﷺ نے سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ حضور ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے اصحاب کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: یہ ثعلبہ بن شعبہ ہیں جو ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر آ رہے ہیں۔ حضرت ثعلبہ نے بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو کر آہستگی سے نبی کریم ﷺ کو سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرنے کی خوشخبری سنائی۔ حضور ﷺ اس خبر سے بہت خوش ہوئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا اسیر ہو کر آئیں تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لو تو میں تمہیں اپنے لئے خاص کر لوں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔

یہ سن ۶ ہجری کی بات ہے کہ قبول اسلام کے بعد حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اور پھر ان سے نکاح فرما کر ازواج مطہرات میں شامل کر لیا، وہ باپردہ رہتی تھیں اور ان کی باری کا دن بھی مقرر تھا۔

قبول اسلام کے بعد حضور ﷺ نے انہیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح فرما کر ازواج مطہرات میں شامل کر لیا۔ بہر صورت وہ باپردہ رہتی تھیں اور ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا۔ حضور ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی اور آپ ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے ان کی مستقل قیام گاہ دارقیس بن خدیج میں تھی، حسن صورت کے ساتھ نہایت پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں۔

آنحضرت ﷺ کو سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ آپ ﷺ ان کا بہت

خیال رکھتے تھے اور ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔ ان کی مستقل رہائش اور وارثین بن قہد میں تھی۔

حسن صورت کے ساتھ نہایت اعلیٰ اخلاق کی حامل تھیں۔

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بنو قریظہ کی قیدی عورتوں میں ہے اور رسول اللہ نے ان کو اپنے لئے مخصوص فرمایا تھا۔ اس ضمن میں ملحوظ خاطر رہے کہ جب سالار افواج کسی کو اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے تو وہ کسی اور کیلئے مخصوص نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی اور کی ملکیت ہو سکتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضورِ کرم اور شانِ عظمت دیکھئے کہ اپنے لئے مخصوص کرنے کے باوجود انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہے تو ہماری ملکیت میں رہے اور چاہے تو اپنے قبیلہ میں واپس چلی جائے۔ ملکیت کو مالک پر کوئی اختیار نہیں دیتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت فرمادی کہ چاہو تو مجھ سے نکاح کر لو تمہیں ہر قسم کی عزت و توقیر ملے گی۔ اگر پسند نہ کرو تو اہل قبیلہ اور اہل خاندان کے پاس چلی جاؤ۔ حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا نے دوسری صورت کو قبول کیا۔

معتبر روایت کے مطابق جب سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا اسیر ہو کر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لئے مخصوص فرمایا جب آپ ان کے پاس گئے تو انہیں فرمایا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لو تو میں تمہیں اپنے لئے مخصوص کر لوں گا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ یہ پانچ صدی کے آخر کا واقعہ ہے۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا حق مہر (قبولیت اسلام) اور قبولیت زوجیت کے بعد بارہ اوقیہ سونا مقرر فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق بارہ اوقیہ چاندی اور عمدہ قسم کی خوشبوؤں کا حق مہر فرمایا۔ رخصی کے بعد حضرت ام المیزنہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر میں ٹھہرائی گئیں۔ دوسری ازواجِ مطہرات کی طرح ان کی بارہ کا دن بھی مقرر ہوا اور ان کو

بھی پردہ کروا گیا۔

بہر حال اگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا ہو اور اگر بطور لونڈی اپنی ملک میں رکھا ہو تو بھی ان کی باری کا دن مقرر تھا اور دیگر ازدواج مطہرات کی طرح ان کیلئے بھی پردہ کا حکم تھا۔ رسول کریم ﷺ کا ہے بگا ہے وہاں قبولہ اور ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے رہے۔

رسول کریم ﷺ کو بھی ان سے بڑی محبت اور آپ کی ہر فرمائش پوری کیا کرتی تھی۔ آپ نہایت حسین و جمیل تھیں جب دامان رسول کے ساتھ وابستہ ہوئیں تو دنیا بھر کے لہذا نڈ سے رشتہ توڑ لیا اور خود کو فقط رضائے مصطفیٰ ﷺ کیلئے وقف کر دیا۔

حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا نے قبولیت اسلام اسلام کے بعد ایک مثالی زندگی گزری۔ آپ کا کبھی کسی ام المومنین سے نزاع نہ ہوا۔ آپ نہایت حسین و جمیل اور خوبصورتی کے تمام لوازم سے آراستہ تھیں۔ مگر آپ نے اپنے سے بڑی اور انتہائی محترم امہات المومنین کے حکم سے سرتابی نہ کی۔ امہات المومنین کے ہر حکم کو دل و جان سے بجا لائیں۔ آپ نے آقا و مولا ﷺ کی اس طور اطاعت کرتی تھیں کہ سلطان دو عالم بے حد سرور ہوتے اور ان کو دو عاؤں اور جذبات خیر سے نوازتے۔ آپ کو بجا طور پر یہ احساس تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ میرے شوہر محترم ہی نہیں ہیں بلکہ دو عالم کے آقا و مولا اور شفیع المہدیین ہیں اور آپ کے احکامات کی اطاعت کر کے ہی دنیا اور آخرت سرخرو کی کی خلعت جاودانہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہوئیں تو جملہ امہات المومنین کے آپ کے متعلق جذبات انتہائی کریمانہ اور مخلصانہ تھے۔

آپ نے سلطان دو عالم ﷺ کے وصال انور سے چند ماہ پہلے اور ایک روایت کے مطابق دس ماہ قبل وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

اُمّ المؤمنین

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

دینِ نبی کی شوکت و عظمت تھیں ماریہ
 دُنیا و دین میں باعثِ رحمت تھیں ماریہ
 اُن پر خدائے پاک کے انوار بے شمار
 سرکارِ دین کے قلب کی راحت تھیں ماریہ
 محبوبِ دو جہاں کے وہ لختِ جگر کی ماں
 نورِ حیات و زینتِ فطرت تھیں ماریہ
 اُن کے وجودِ پاک پر الٰہی نظر کو ناز
 زوجِ رسولؐ ، مادرِ اُمت تھیں ماریہ
 اُن کی تھی وقفِ زندگی سرکارِ کیلئے
 حرمِ رسولِ پاک کی زینت تھیں ماریہ
 خود عائشہؓ کو آپ کی سیرت پہ رنگ تھا
 نورِ یقینِ شمعِ ہدایت تھیں ماریہ
 اُن کا ہے نام اے رضا اعزازِ زندگی
 اُمت کا فخرِ مروجِ عبادت تھیں ماریہ
 (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

ام المومنین

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ تاریخ اسلام میں نہایت بلند مقام رکھتی ہیں۔ انہیں عزیز مصر مقوقس نے نبی کریم ﷺ کی دعوت اسلام اور اطاعت کے جواب میں بھیجا تھا۔ مقوقس نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر دو خوبصورت اور سلیقہ مند لڑکیاں سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں ارسال کر دیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو تو اپنے لئے وقف فرمایا جبکہ ان کے ساتھ آنے والے دوسری لڑکی سیرین کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا۔

حضور ﷺ نے سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی غیر معمولی پذیرائی کی۔ آپ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو بالا خانے میں ٹھہرایا جس کا نام بعد میں مشربہ ام ابراہیم بن گیا۔ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کیلئے پردے کا حکم جاری فرمایا۔ پردے کا مطلب ازدواج نبوی ﷺ میں شامل ہونا تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہی نے رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنم دیا۔ حضرت ابراہیم کی ولادت ذی الحجہ ۸ھ میں ہوئی۔ ان کی پیدائش کی خوشی میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے دو مینڈے ذبح کرائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سلطانِ دو عالم ﷺ کی آخری اولاد ثابت ہوئے۔ آپ نے ابورافع کو ایک غلام انعام کے ایک طور پر عطا فرمایا۔

حضور ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ انہیں گود میں لے کر کھلاتے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نے وفات کی اور وہ ہجرت کے دسویں سال فوت ہو گئے جب ان کی عمر بمشکل ۱۸ ماہ کی تھی۔ حضور ﷺ نے ان کی وفات

کوشدّت سے محسوس کیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ آخر حضرت ماریہ قبطیہ ؓ کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی چھریاں گئی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ کو روتا دیکھ کر صاحبِ حران ہوئے کہ

”یا رسول اللہ! آپ کی آنکھوں میں آنسو؟“

آپ نے فرمایا ”آنسو خدا کا رحم ہیں جو اللہ اپنے بندوں پر نازل فرماتا ہے۔“
پھر آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر انکھوں کے گہرہائے گراں ماریہ ؓ بچاؤ کر رہے ہوئے فرمایا:

”بخدا ابراہیم! ہم تمہاری موت سے نہایت غمگین ہیں۔ آگہ رو رہی ہے دل غمزدہ ہے مگر ہم کوئی ایسی بات زبان سے نہیں کہیں گے جس سے ہمارا خدا ہم سے راضی نہ ہو۔“

اس ضمن میں یاد رہے کہ حضور ﷺ کی جانب سے عزیزِ مصر مقوقس کے پاس قبولیتِ اسلام کا دعوت نامہ لے کر حضرت حاطب ابن بلتعہ ؓ گئے، جن کی عزیزِ مصر نے بہت ٹھکریم کی، جب حضرت حاطب ؓ دونوں لڑکیوں کو لے کر مدینہ منورہ کی جانب آئے تو راستے میں تعلیماتِ اسلامی کی تبلیغ بھی کرتے گئے۔ اور ابھی مدینہ بہت دور تھا کہ حضرت حاطب ؓ کی تبلیغ سے حضرت ماریہ قبطیہ ؓ اور حضرت سیرین ؓ مسلمان ہو گئیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس مقام پر حضرت حاطب ؓ کے تبلیغ اور اسلامی جذبہ کی بہت تعریف کی تھی۔

صاحبِ ریز کا بیان ہے کہ سلطانِ دو عالم ﷺ حضرت ماریہ قبطیہ ؓ سے دیباغی سلوک کرتے جیسا دوسری ائمہاتِ المؤمنین رضی اللہ عنہن سے کرتے تھے۔ انہیں بھی پردہ میں رہنے کا حکم جاری فرمایا جس سے ان کا اعزاز اہل مدینہ اور جملہ ائمہاتِ المؤمنین کی نگاہوں میں بڑھ گیا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے:



قبیلوں (مصر کے عیسائیوں) کے ساتھ بہترین سلوک روادار کھواس لئے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اور میرے فرزند ابراہیم کی والدہ (سیدہ ماریہ قبطیہ رحمہم اللہ) کا تعلق اسی قوم سے ہے اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔

امہات المؤمنین بھی حضرت ماریہ قبطیہ رحمہم اللہ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ ان کے والد کا نام شمعون تھا۔ اور عزیز مصر نے دونوں لڑکیوں کو سرکار والا تاج رحمہم اللہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنے رقعہ میں لکھا تھا:

”میں دو لڑکیاں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں جو قبیلوں میں بڑی عزت و وقار کی حامل ہیں۔“

حضرت ماریہ قبطیہ رحمہم اللہ اور فرمودات رسول ﷺ کو پڑھ کر وہ مشہور واقعہ یاد آتا ہے جب حضور ﷺ کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام مصر کے شامی خاندان کی فرو تھیں۔ اس قدیم تاریخی تعلق کو شاہ مقوقس نے سیدہ ماریہ قبطیہ رحمہم اللہ اور سیدہ سیرین رحمہم اللہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر کے آگے بڑھایا۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رحمہم اللہ امہات المؤمنین ازواج مطہرات میں شامل ہو کر اس عظیم ترین اعزاز کی حق دار ٹھہریں جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔

حضور محمد مصطفیٰ ﷺ سیدہ ماریہ قبطیہ رحمہم اللہ سے بھی خصوصی تعلق خاطر روا رکھتے۔ ان کیلئے بھی پردہ کا حکم تھا اور حضور ﷺ امہات المؤمنین کو قبیلوں سے محبت کرنے اور ایثار و خلوص سے پیش آنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

رب العالمین نے سیدہ ماریہ قبطیہ رحمہم اللہ کو خُسنِ سیرت اور خُسنِ صورت دونوں

سے نواز رکھا تھا۔ اخلاق ایسا کریمانہ تھا کہ بہت جلد اُمہات المؤمنین میں محل مل گئیں۔
 اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

”بنتار شک مجھے ماریہ پر آتا ہے تاکہ کسی اور پر نہیں آتا“

سیدہ ماریہ قبلیہ رضی اللہ عنہا نہایت نیک سیرت پاک دل پاکیزہ فطرت اور پاکیزہ
 قصص۔ حضور ﷺ آپ کو بھی دوسری اُمہات المؤمنین کے برابر حصہ عطا فرماتے۔ وصال
 مصطفیٰ ﷺ کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا دور آیا تو
 انہوں نے بھی ان کا اعزاز دو دار اور حصہ قرار دیا اور آپ کے احرام میں کسی قسم کی کمی
 نہ آنے دی۔

حضور نبی کریم ﷺ ہر روز حضرت ماریہ قبلیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے
 جاتے تھے۔ وہیں قیلولہ فرماتے تھے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ کی
 خدمت میں لایا جاتا تھا۔ آپ اس کی مصومانہ آواؤں سے بہت مسرور اور شاداب
 ہوتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انتقال فرما گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ابراہیم کو دودھ پلانے والی ایک دایہ جنت میں ہے جو اس کی شیر خوارگی کی بقیہ
 جنت پُندی کرے گی۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غسل
 دیا اور ایک چھوٹے سے تختے پر اٹھا کر جنت البقیع کی طرف چل پڑے۔ آپ کے ساتھ
 حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی بڑی جماعت تھی۔ نماز جنازہ حضور ﷺ نے خود
 پڑھائی پھر آپ سے دریافت کیا گیا:

”یا رسول اللہ! ان کو کہاں دفن کریں“

ارشاد فرمایا:

”ہمارے مٹھ جان بن مٹھون کے پاس“



وہ ہستی تھی جو سب سے پہلے جمع میں دفن ہوئی۔ لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق کھودی گئی تو حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔ جب تدفین سے فراغت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے قبر کی درزوں اور کھانوں کو بند کرنے کا حکم دیا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر کی مٹی ہموار کی اور فرمایا:

”پانی لاؤ۔“

چنانچہ ایک انصاری پانی کی مشک لے کر آیا جس کو حضور ﷺ نے خود قبر پر چھڑکا اور قبر کی شناخت کے لئے وہاں کوئی چیز نصب کر دی۔

حضرت ابن جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت کھول رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

”اگر ابراہیم زعمہ رہتا تو اس کا کوئی ماموں غلام نہ ہوتا۔ (یعنی قبلی قوم کے تمام لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طفیل آزاد ہو جاتے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت کے صلے میں حضور ﷺ نے آپ کی دایہ اُم بردہ رضی اللہ عنہا کو ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔

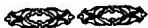
سوئے شقائق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے روز سورج گرہن لگ گیا جس کو ننھوس سمجھے ہوئے بعض اصحاب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے غیر معمولی صدمہ سے منسوب کیا۔ عجزِ صادق رضی اللہ عنہ نے یہ سننے ہی صحابہ کو اکٹھا کیا اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

”اے اصحاب! سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو ربِّ العالمین کی ہیبت اور جلالت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یہ اہل بصیرت کیلئے تعجب کا موجب ہے کہ ایک ساعت میں دونوں کی چمک دمک سلب کر کے تاریک کر دیتا ہے۔“

اسی طرح وہ قادر ہے کہ آدمیوں کے نورِ ایمان کو سلب کر کے انہیں تاریک کر دے۔ جب دیکھو کہ چاند اور سورج کی نورانیت سلب ہو گئی ہے تو اللہ کو یاد کرو غلاموں کو آزاد کرو اور صدقہ و خیرات کرو۔

حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کیلئے دنیا اندھیر ہو گئی۔ زیادہ سے زیادہ وقت خدا کی یاد میں بسر کرتیں۔ نوافل کثرت سے پڑھتیں اور عبادات کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتیں۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو آپ کی بہن سیرین رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے عبدالرحمن بن حسان کو لے کر آئیں۔ آپ اس مصوم سے لو نہال حضرت عبدالرحمن بن حسان سے بہت پیار کرتی تھیں۔ آپ کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ محبوبِ دو عالم ﷺ کو قاتل پا چکے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جدا ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ اپنے دل پر رنجِ دالم کے پہاڑ لئے جیتی رہیں حتیٰ کہ وقتِ وصال آپہنچا۔ آپ کی عمر مبارک صرف ۲۹ سال تھی جب آپ ابدی سفر کی جانب روانہ ہو گئیں۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں محرم ۱۶ ہجری میں انتقال فرمایا۔ امیر المومنین نے تمام اہل مدینہ کو جمع کیا اور خود نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر آپ کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔



حضرت زینبؓ بنت محمد رسول اللہ ﷺ

نئی پاک کا نورِ نظر تھیں سیدہ زینبؓ
 زمانے کے لئے بادِ سحر تھیں سیدہ زینبؓ
 کئے برداشتِ باطل کے مظالمِ حبِ احمدؐ میں
 زمانے کے لئے جانِ اثر تھیں سیدہ زینبؓ
 ہر اک ان کی ادا تھی بہرِ حبِ سرورِ بطحا
 نئی پاک کا حُسنِ نظر تھیں سیدہ زینبؓ
 زمانے کو عطا ہوتی ہے جس سے شانِ اسلامی
 گلستانِ نبیا کا وہ ثمر تھیں سیدہ زینبؓ
 اندھیرے جگمگا اُٹھتے ہیں جس کے فیضِ عالی سے
 پشہرِ دین پر ریشلِ قمر تھیں سیدہ زینبؓ
 ابوالعاصؓ ان پہ شیدا آپ بھی ان پر تصدیق تھیں
 وفا و مہر و شفقت کا نگر تھیں سیدہ زینبؓ
 رضا تھی عمرِ تھوڑی موت کا جو نبی پیام آیا
 خدا کے وصل کو محوِ سحر تھیں سیدہ زینبؓ
 (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت محمد رسول اللہ ﷺ

جو شخصیات تاریخ کا اعزاز و شہرتی ہیں ان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ حضور ﷺ کی اولین صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ محترمہ تاریخ اسلام کی عظیم محسنہ حضور ﷺ کی پیاری بیوی سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے دس برس قبل دنیا میں عظیم شریف لائیں جبکہ آقائے عالمی مرتبت ﷺ اس وقت تیس برس کے تھے۔

آپ کا اسم گرامی زینب رضی اللہ عنہا بنت محمد رضی اللہ عنہ تھا۔ آپ کی شادی کم سنی میں ہی آپ کے خالہ زاد (سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے بھانجے) ابوالعاص سے ہو گئی۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ جب آپ کے والد محترم حضور رحمتہ للعالمین ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپ بھی اپنی امی جان سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ پلانا خیر ایمان لانے والوں میں تھیں۔

حضور ﷺ کا اعلانِ نبوت کفار پر بجلی بن کر گرا۔ یکبارگی سارا مکہ دشمن ہو گیا۔ اوروں کو چھوڑیے آپ کا سا گچھا ابولہب آپ کی دشمنی میں آگے آگے نظر آنے لگا۔ حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت آمنہ کلثوم رضی اللہ عنہ کے نکاح ابولہب کے بیٹوں سے ہوئے تھے ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ابولہب نے اپنے بد باطن اور بدنہ بان بیٹوں کو سختی سے حکم دیا کہ محمد (ﷺ) کے گھر جاؤ۔ اُن کی توہین کرو اور اُن کی بیٹیوں کو طلاق دے آؤ۔ ان دونوں نے اپنے باپ کو راضی کرنے کیلئے ایسا ہی کیا، بلکہ خرافات بھی بکتے رہے۔ اسی دوران میں حضرت ابوالعاص کو اُن کے رشتہ داروں اور اہل مکہ نے بہت مجبور کیا کہ تم بھی محمد ﷺ کی بیٹی زینب کو طلاق دے دو۔

حضرت ابو العاصؓ سیدہ زینبؓ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا اور صاف کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر سیدہ زینبؓ سے علیحدگی نہیں کروں گا۔ تذکرہ نگاروں کے بقول حضور ﷺ نے حضرت ابو العاصؓ کے اس طرز عمل کو ہمیشہ سراہتے اور تعریف کرتے۔ حضرت ابو العاصؓ نہایت شریف النفس پاکیزہ دیا نندار بہادر اور مہذب انسان تھے مگر ان تمام خوبیوں کے باوجود انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر بھی سیدہ زینبؓ سے انتہائی محبت کی بناء پر حضور ﷺ انہیں خصوصی التفات سے نوازتے رہے۔ جب کفار کے قلم و ستم حد سے بڑھے تو حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے جبکہ سیدہ زینبؓ مکہ مکرمہ ہی میں اپنے سسرال میں تھیں۔ ۲ ہجری میں قریش مکہ نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا۔ لشکر کفار میں ابو العاصؓ بھی شامل تھے۔ بدر کے میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا اور حق غالب رہا۔ حملہ آوروں کے بہت سے آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ ان میں ابو العاصؓ بھی تھے۔ انہیں ایک انصاری حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اسیر کیا۔ اہل مکہ نے جب یہ خبر سنی تو قیدیوں کے قرابت داروں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے عزیزوں کی رہائی کیلئے زبردہ یہ بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے بھی مکہ سے اپنے دیور عمر بن ربیع کے ہاتھ یعنی عقیق کا ایک ہار اپنے شوہر کی رہائی کیلئے بھیجا۔ یہ ہار حضرت زینبؓ کو ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے شادی کے وقت جہیز میں دیا تھا۔ جب سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں یہ ہار پیش کیا گیا تو حضور ﷺ بہت مغموم ہوئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کیونکہ اس ہار سے خاتون اسلام حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی یاد وابستہ تھی۔

حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا "اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار

علاء الدین رحمہ اللہ
نائب کو واپس بھیج دو یہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ ابوالعاص کا فہم یہ صرف یہ ہے کہ وہ مکہ
جا کر حضرت نذیرؒ کو فوراً مدینہ بھیج دیں۔

تمام صحابہ کرام نے ارشاد نبوی کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ حضرت ابوالعاص
نے بھی یہ شرط قبول کر لی اور رہا ہو کر مکہ پہنچے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کے ہمراہ حضرت
زید بن حارثہؓ کو بھیجا کہ وہ لٹن یا حج کے مقام پر ٹھہر کر انتظار کریں حضرت
ابوالعاص نے حضرت نذیرؒ کو مکہ سے روانہ کر دیا۔ اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کو بھی
ساتھ بھیجا۔ کفار مکہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ سرور کائنات ﷺ کی بیٹی مدینہ جا رہی ہے تو انہوں
نے کنانہ بن ربیع اور حضرت نذیرؒ کا تعاقب کیا اور مقام ”ذی طوی“ میں انہیں جا
کھیرا۔ حضرت نذیرؒ ٹوٹ پر سوار تھے۔ کفار نے حضرت نذیرؒ کو اپنے
نیزہ سے زمین پر گرادیا۔ اونٹ کا منہ پھیرنے کیلئے اپنا نیزہ گھمایا اور حضرت نذیرؒ
گر پڑیں۔ وہ حاملہ تھیں سخت چوٹ آئی، حمل سقط ہو گیا۔ کنانہ بن ربیع غضبناک ہو
گئے۔ اپنے تیر نکالے انہیں ترکش پر چڑھا کر لٹکارا کہ خبردار اب تم میں سے کوئی آگے
بڑھا تو اسے چھلی کر ڈالوں گا، کفار ڈک گئے۔

ابوسفیان بھی ان میں شامل تھے۔ انہوں نے کہا: بیٹھے! اپنے تیر روک لو میں تم
سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ کنانہ نے تیر روک لیا اور پوچھا کیا کہنا چاہتے ہو؟
ابوسفیان نے ان کے کان میں کہا: محمد (ﷺ) کے ہاتھوں ہمیں جس رسوائی اور ذلت کا
سامنا کرنا پڑا ہے تم اس سے بخوبی آگاہ ہو۔ اگر تم اس کی بیٹی کو اس طرح کھلم کھلا ہمارے
سامنے لے جاؤ گے تو ہماری بڑی شرم ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت نذیرؒ (ﷺ)
کے ہمراہ مکہ واپس لوٹ چلو اور پھر کسی وقت خفیہ طور پر نذیرؒ کو لے جانا۔ کنانہ نے یہ
بات مان لی اور حضرت نذیرؒ کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔ چند دن بعد وہ رات کے

وقت چپکے سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لے کر لطن یا حج پہنچے اور انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارث کے سپرد کر کے مکہ واپس چلے گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

حضرت ابوالعاص کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے چلے جانے کے بعد وہ بہت بے چین رہنے لگے۔ ایک دفعہ جب وہ شام کی طرف سفر کر رہے تھے تو بے دروازہ میں دو شعر پڑھ رہے تھے:

ذکرت زینب لما ودکت اوما

فلعلت مقبلا لشخص يسكن العرما

بنت الامن جزاها الله صالحه

وكل بعل بشي ما الذي علما

ترجمہ: جب میں ارم کے مقام سے گزرا تو زینب رضی اللہ عنہا کو یاد کیا اور کہا کہ خدا اس شخص کو شاداب رکھے جو حرم میں مقیم ہے۔ امین کی لڑکی کو خدا جزائے خیر دے اور ہر خاوند اسی بات کی تعریف کرتا ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِي أَصْغَرُ نَفْسٍ

یہ میری بیٹیوں میں افضل ہے میرے لئے اسے معصیت پہنچی۔

ابوالعاص کو سیدہ سے بہت محبت تھی ان کی مدح میں اشعار کہے:

”زینب رضی اللہ عنہا تو امین صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی صالحہ ہے مجھے اس کے اوصاف معلوم

ہیں۔“ (مفہوم)

۱۷ میں بغرض تجارت شام گئے تھے۔ ابوصیر رضی اللہ عنہ اور ابو جندل رضی اللہ عنہ کے

مراہی مسلمانوں (جو اسلام لانے کے جرم میں قریش کی قید میں رہ چکے تھے) اور اب شام میں تھے۔ ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) کا سامان ضبط کر لیا (پورے قافلہ کا) مگر ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار نہ کیا۔

ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) نے قریش مکہ کی بات نہیں مانی تھی۔ پہلے ان کے اصرار پر انہیں طلاق نہیں دی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علیحدگی کا حکم آیا تو بھی انہوں نے نیا کریم ﷺ کے حکم کی بھرپور تعمیل اور کوشش کی کہ سیدہ زینب (رضی اللہ عنہا) یہ بچے جانیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود قریش مکہ اب بھی ابوالعاص کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ وہ مکہ کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز شخص تھے قریش ان کے پاس امانتیں رکھواتے یہ وقت پر وہ امانتیں واپس کر دیتے۔ آپ بہت اچھے اور کامیاب تاجر تھے۔ جب آپ تجارتی قافلہ لے کر کہیں جاتے تو قریش مکہ اپنا سرمایہ آپ کے سپرد کر دیتے۔ جب آپ واپس آتے تو نہایت خلوص اور دیانتداری سے ان میں منافع تقسیم کرتے۔ اس لئے قریش مکہ کی نگاہوں میں حضرت ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر دیانتدار اور صاحبِ صدق و صفا اور کوئی شخص نہیں تھا۔

۶۔ میں ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام جا رہے تھے کہ عیسٰی کے مقام پر مجاہد بن اسلام نے قریش کے قافلہ پر چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ حضرت ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) بھاگ کر مدینہ چلے گئے اور دوسرے مشرکین کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) نے مدینہ پہنچ کر حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کی پناہ لی۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے سفارش کی کہ ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) کا مال انہیں واپس کر دیا جائے۔ چونکہ ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) نے مکہ میں حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا اس لئے حضور ﷺ ان کا لحاظ کرتے تھے۔ صحابہ کرام سے فرمایا:



اگر تم ابو العاص (ؓ) کا مال واپس کر دو گے تو میں منونِ احسان ہوں گا۔
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو ہر وقت خوشنودی رسول اللہ ﷺ مطلوب تھی۔ فوراً تمام مال
 و اسباب حضرت ابو العاص (ؓ) کو واپس کر دیا۔ وہ تمام مال و متاع لے کر مکہ پہنچے اور
 تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں پھر اہل مکہ سے مخاطب ہو کر کہا:

”اے اہل قریش! اب میرے ذمہ کسی کی کوئی امانت تو نہیں ہے۔“

تمام اہل مکہ نے یک زبان ہو کر کہا: ”بالکل نہیں خدا تمہیں جزائے خیر دے
 تم ایک نیک نہاد اور باوقار شخص ہو۔“

حضرت ابو العاص (ؓ) نے کہا ”تو سن لو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں خدا کی
 قسم اسلام قبول کرنے میں مجھے صرف ایسا امر مانع تھا کہ تم لوگ مجھے خائن نہ سمجھو۔“
 یہ کہہ کر کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف
 لے آئے۔ یہ محرم ۷ھ کا واقعہ ہے۔

چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ میں شرک کی وجہ سے
 تفریق ہو گئی تھی۔ اس لئے جب ابو العاص (ؓ) مشرف بہ اسلام ہو کر مدینہ پہنچے تو
 حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے حضرت
 ابو العاص رضی اللہ عنہ کے گھر بھجوا دیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس واقعہ کے بعد زیادہ عرصہ زعمہ نہ رہیں۔ ۸ ہجری میں
 آپ نے وفات پائی۔ اس کا سبب اسقاطِ حمل کی تکلیف تھی جو پہلی دفعہ مکہ سے آتے
 ہوئے ذی طویٰ کے مقام پر ہوا۔

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے
 رسول کریم ﷺ کی ہدایات کے مطابق میت کو غسل دیا۔ جب غسل سے فارغ ہوئیں

حضرت علیؓ کو اطلاع دی۔ آپ نے اپنا تہبند حمایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اسے کفن کے اندر پہنا دو۔

نماز جنازہ رسول کریم ﷺ نے خود پڑھائی۔ حضرت ابوالعاصؓ نے قبر میں اتارا، حضور ﷺ خود بھی قبر میں اترے۔ صحیح بخاری میں مشہور صحابیہ اُمّ حلیہ سے روایت ہے کہ مجھے سیدہ ننب کے غسل میں شرکت کا موقع ملا۔ غسل کا طریقہ خود حضور ﷺ بتاتے جاتے تھے۔ آپ نے اُمّ حلیہ سے فرمایا:

اُمّ حلیہ میری بیٹی کو اچھی طرح کفن میں لپیٹنا، اس کے بالوں کی تین چوٹیاں بنانا اور اسے بہترین خوشبوؤں سے منظر کرنا۔ جس دن سیدہ ننبؓ نے وفات پائی حضور ﷺ بہت مغموم تھے اور فرما رہے تھے:

”ننب میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی“

حضرت ننبؓ نے ایک صاحبزادے علی اور ایک لڑکی امامہ چھوڑی۔ جب مکہ فتح ہوا تو حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے جب یرموک میں شہادت پائی۔

حضرت ننبؓ کے وصال کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت ابوالعاصؓ بھی وصال فرما گئے۔ وصال سے دو شتر انہوں نے اپنی لڑکی امامہ کو حضرت زبیر بن العوام (اپنے ماموں زاد بھائی) کی سرپرستی میں دے دیا۔

جیسا کہ ہم ذکر کر رہے ہیں کہ سیدہ ننبؓ سے ایک فرزند علیؓ اور ایک دختر امامہؓ پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت علیؓ کو حضرت ابوالعاصؓ نے رضاعت کیلئے چھوڑا ہوا تھا۔ ایام رضاعت کے بعد مدینہ شریف ہوا لیا، خود پرورش اور تربیت فرمائی۔ فتح مکہ شریف کے روز بھی علیؓ کو اسے رسول حضور ﷺ کے نانا

شریف پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ردیف تھے۔ ابھی بلوغت کا آغاز ہوا تھا کہ وصال فرما گئے۔ جب بستر مرگ پر تھے حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو فرمایا:

”خدا ہی ہے جو دل پس لیتا ہے یا عطا کرتا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔“ (حدیث مبارکہ)

سرکارِ دو عالم ﷺ کسی خاص امر میں معروف تھے۔ اس لئے فوراً تشریف نہ لے جاسکے۔ خادم پھر حاضر ہوا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کو قسم دیتی ہیں کہ ضرور تشریف لائیں۔ آپ ﷺ اور سعد بن عباد رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ چل پڑے بچہ دکھایا گیا وصال ہو چکا تھا۔

سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا:

بنت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، حضرت امامہ رضی اللہ عنہا وہ بیاری نو اسی جن کو گود میں لے کر حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ امامہ کندھے پر ہوتیں رکوع کے وقت آپ ﷺ ہز مین پر اُتار لیتے پھر اٹھا لیتے۔ (مسلم، نسائی، ابوداؤد)

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا:

أَحَبُّ أَهْلِي إِلَيَّ

”اہل بیت میں میری سب سے زیادہ بیاری۔“

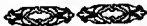
ایک بار نجاشی رضی اللہ عنہ نے ایک حلقہ بھیجا۔ جس میں سونے کی انگوٹھی تھی، جس کا حکمیدہ جشی تھا، رسول کریم ﷺ وہ انگوٹھی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائی۔

ایک بار حضور ﷺ کو کسی نے ہدیہ بھیجا جس میں سنہری ہار تھا۔ تمام اُہبات المؤمنین ﷺ ایک مکان میں جمع تھیں۔ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا مٹی سے کھیل رہی تھیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا یہ خوبصورت ترین اور عجیب ترین اپنے محبوب ترین اہل کوڈوں کا۔
 انتہائے المومنین ﷺ سمجھیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو طے کا مگر حضور اقدس ﷺ نے امامہ ﷺ
 کے گلے میں ڈال دیا۔

حضور ﷺ کو سیدہ فہب سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ یہ اپنی امی کے ساتھ
 سب سے پہلے ایمان لائیں اور اپنے عظیم ترین والدہ کی اتباع اور رضا جوئی میں ساری
 زندگی گزار دی۔ آپ کی وفات کے دکھ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے کیسے برداشت کیا
 اور کن جذباتِ غم کا اظہار کیا اس کا اندازہ احادیث کے مطالعہ سے ہو جاتا ہے۔ سیدہ
 فہب رضی اللہ عنہا کی قیمتی بیٹی سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بے حد پیار تھا۔ نبی کریم ﷺ کی
 سیدہ فہب رضی اللہ عنہا کی اولاد سے غیر معمولی شفقت و راصل اس انتہائی پیاری بیٹی سے
 پیار کا ایک فکر آفریں انداز تھا۔

سلام اس سیدہ کو سر بر مہر و وفا ٹھہریں
 سلام اس سیدہ کو "حکیر صبر و رضا ٹھہریں"



حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت محمد رسول اللہ ﷺ

رُقیہؓ جانِ احمدؓ جانِ عثمانؓ غنیؓ ٹھہریں
 جہاں کی ظلمتوں میں دینِ حق کی روشنی ٹھہریں
 وہ جن سے یزید ہستی کو قرار نور ملا ہے
 گلستانِ حیا و حلم کی وہ تازگی ٹھہریں
 وجودِ پاک اُن کا ہے مثالِ شمعِ نورانی
 خدیجہؓ کا قرار اور شوکتِ احمدؓ نئی ٹھہریں
 وہ مکہ ہو یا حبشہ ہو یا پھر شہرِ مدینہ ہو
 وہ خاوند کے لئے پیغامِ امن و آشتی ٹھہریں
 وہ بیٹی تھیں کہ جن پر سرورِ بطحا بھی نازاں تھے
 وہ بیوی تھیں جو شوہر کے لئے حُسنِ جلی ٹھہریں
 وہ بیٹی تھیں مثالی تھیں وہ بیوی تھی مثالی تھیں
 وقارِ زندگی ٹھہریں قرارِ بے کلی ٹھہریں
 محبت ہے رقیہؓ سے محبتِ شاہِ بطحا کی
 رضا جانِ حقیقت میں یہی آلِ نبیؐ ٹھہریں

حضرت زرقیہ رضی اللہ عنہا بنت محمد رسول اللہ ﷺ

حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں پر بات کرتے ہوئے ہر گام پر ادب و احتیاط سے دامن تمام کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ یہی مقام اُنہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے۔ کیونکہ یہ وہ ہستیاں ہیں جو تربیت یافتہ نبوت تھیں۔ اُنہات المؤمنین تو حضور نبی کریم ﷺ کے سانچے میں ڈھل کر یزہم ہستی کے اہل ایمان کیلئے اُسوہ عمل بن گئیں جبکہ ان کے مقابلہ میں حضور ﷺ کی صاحبزادیوں نے تو آپ کی آغوشِ رحمت میں تربیت پائی تھی۔ ہوش سنبھالنے پر اپنے آبا جان کے اُسوہ حسنہ کو نگاہوں کے روبرو دیکھا تھا اور اسی سے عمل کی روشنی حاصل کی تھی۔ نبی کریم ﷺ کو رب کریم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے چار صاحبزادیوں سے نوازا تھا۔

۱۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

۲۔ سیدہ زرقیہ رضی اللہ عنہا

۳۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

۴۔ خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

ان کے علاوہ خُدا نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے صاحبزادے بھی عطا کئے لیکن وہ بچپن ہی میں انتقال فرما گئے۔

حضرت زرقیہ رضی اللہ عنہا نبی محترم ﷺ کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت سے سات سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ آپ کی پیدائش کے وقت حضور ﷺ کی عمر تیس برس کی تھی۔ حضرت زرقیہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت زینب آپ سے تین برس بڑی تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنی اس صاحبزادی کو بڑی محبت اور شفقت سے پرورش کیا تھا

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عقبہ بن ابولہب سے ہوا تھا جب یہ ”سورہ تبت یٰ ابا لہب“ نازل ہوئی تو ابولہب غصے اور غیض و غضب میں ہوش کھو بیٹھا اور بیٹے کو حکم دیا کہ ابھی جا کر محمد رسول اللہ (ﷺ) کی بیٹی سیدہ رقیہ کو طلاق دے آؤ۔ عقبہ غصے میں مغلوب آیا اور داعیِ جاہی بکتے ہوئے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے کر چلا بنا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی مگر نبی کریم ﷺ کو ابولہب اور اس کے بیٹے کے اس اقدام سے بے پناہ رنج کا احساس ہوا۔ آخر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا لختِ جگر تھیں، غم کیوں محسوس نہ ہوتا۔

خدا خود بہتر سے بہتر سبب پیدا کرتا ہے۔ چند دنوں بعد ہی حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت عثمان ایک امیر، متول اور خوشحال گھرانے کے فرد تھے۔ صاحبِ خیر و برکت تھے، ہاتھ کھلاتا، خیرات کثرت سے کرنے کے عادی تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان کی صورت اور پاکیزہ سیرت دیکھ کر آپ کو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی حیثیت سے منتخب کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش بھی یہی تھی جس مستیِ عظیم میں ان کو اپنا بیٹا و بیوی مان کر اس کے دامانِ رحمت میں پناہ لی ہے اس سے دامادی کا رشتہ عظیم ترین شرف سے کم نہ تھا۔ فریقین کی رضامندی سے کہ مکرمہ ہی میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔

گمہ میں گتارنے جب مسلمانوں کو بے حد ستایا تو حضور ﷺ نے انہیں حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ رسول کریم ﷺ کو مَطُوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی

جوشہ میں قیام کے دوران میں ان کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ نے حضرت رقیہ کے وصال کے بعد انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس کی تھی۔ آنکھ پر مرغ نے ٹھونک مار دی زخم ہو گیا اور اسی سے ان کا وصال ہوا۔ اسی دوران میں خبر مشہور ہو گئی کہ مسلمانوں اور قریش تکہ میں صلح ہو گئی ہے۔ یہ افواہ سن کر کلی مسلمان مکہ مکرمہ پلٹ آئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ آ گئے مگر یہاں آ کر پتہ چلا کہ صلح نہیں بلکہ محض افواہ تھی۔ اس پر یہ دونوں میاں بیوی پھر جوشہ چلے گئے۔ حضور ﷺ ان کی خیریت کے بارے میں بڑی تشویش محسوس کیا کرتے۔ حتیٰ کہ ایک عورت نے اطلاع دی کہ میں نے جوشہ میں دونوں کو خیریت سے دیکھا ہے۔ یہ سن کر نبی پاک کی تشویش دور ہوئی۔ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئیں۔ غزوہ بدر کے دوران حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ اس لئے تیمارداری کے باعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر میں نہ جا سکے۔ البتہ حضور ﷺ نے انہیں اصحاب بدر رضی اللہ عنہم میں شامل شمار فرمایا ہے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ بھی ان کی خدمت کیلئے مدینہ شریف میں رہے تھے۔ جس دن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی بشارت لے کر مدینہ منورہ آئے اسی روز حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے اکیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا متعجب شریف میں دفن کی گئیں۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو آپ مدینہ طیبہ میں حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ۲ ہجری میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو چیچک لگی۔ اس وقت رسول کریم ﷺ جب بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ بدر کو روانگی سے دو روز آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی خبر گیری کیلئے مدینہ



منورہ ہی میں ٹھہریں۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ انہیں جہاد میں شریک ہونے کا ثواب بھی دے گا اور مالی غنیمت سے بھی انہیں حصہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرے۔ رسول کریم ﷺ ابھی بدر ہی میں تھے کہ حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ نے ۳۱ برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ عین اس وقت جب قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

رسول کریم ﷺ اپنی لخت جگر کی وفات کی اطلاع پا کر بہت مغموم ہوئے اور حضور ﷺ کی چشمان مقدس سے آنسو جاری ہو گئے۔ مدینہ واپس تشریف لا کر حضور ﷺ حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا ”عثمان بن مظعون جا چکے اب تم بھی ان سے جا ملو“۔ (مہاجرین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون پہلے صحابی تھے جنہوں نے مدینہ منورہ آ کر وفات پائی) حضور ﷺ کے اس ارشاد پر عورتوں میں کہرام مچ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”عمر! انہیں رونے دو دل اور آنکھ کے رونے میں کوئی حرج نہیں البتہ نوحہ و بین سے بچنا چاہئے“۔

قبر زقیہ رضی اللہ عنہا پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیٹھ کر روتی تھیں۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ اپنے پلو سے آپ رضی اللہ عنہا (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے آنسو پونچھ رہے تھے۔ (بدر سے واپسی) پر مدینہ شریف میں یہ مشہور تھا کہ سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے وہ زقیہ رضی اللہ عنہا اور عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ پیار کرتے تھے۔ حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا بھی اس دل و جان سے عزیز تر خاوند کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں مگر موت نے کب کس کا لحاظ کیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کئیے حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دنیا

اندھیر ہو گئی۔ حضور ﷺ حضرت عثمان اور حضرت رقیہ کو اس مشائی اعزاز سے زندگی گزارنا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنی دعاؤں سے نوازتے رہتے تھے۔ ان میاں بیوی کی محبت اس قدر مشائی تھی کہ اہل مدینہ اس محبت کو مثال کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے حوالے سے یہ مقولہ زبان زد عام ہو گیا تھا۔

أَحْسَنُ الرَّؤُفِ رَقِيَّةُ الْوَحْشِ رَقِيَّةُ الْإِنْسَانِ رَقِيَّةُ زَوْجِهَا عُثْمَانُ

بے شک حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر میاں بیوی کسی انسان نے نہیں دیکھے۔

جب حضور ﷺ میدان بدر کو روانہ ہوئے تھے۔ حضرت رقیہ کی بیماری دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی غزوہ سے رخصت دے دی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے حضرت رقیہ کی حمار داری کو بدر میں شمولیت کے برابر قرار دے دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی دل و جان سے حمار داری کی تھی۔ ابھی حضور ﷺ تشریف نہیں لائے تھے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ آپ نے خود ہی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے کفن و دفن کے انتظامات کئے۔ مقتدر صحابہ حتیٰ کہ حضور ﷺ موجود نہیں تھے۔ آپ رنج دالم کی تصویر بنے سب کچھ کر رہے تھے۔ جب اسلامی لشکر کامیابی کا مژدہ سنا تا ہوا مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور تجنیز و تکفین کے تمام مراحل ختم ہو چکے۔ حضور ﷺ انفرط غم سے بڑھ چلے ہوئے۔ اپنی بیماری بڑھنے کا چہرہ بھی نہ دیکھ سکے۔ کفن و دفن کا انتظام خود نہ کر سکے اور ان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھا سکے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا تھا۔ حضور ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ اس موقع پر آپ کی آمد کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی بہت سی عورتیں جمع ہو گئیں۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بلندی درجات اور مغفرت



کیلئے خصوصی دعا فرمائی۔ اس موقع پر حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہوگی اور آپ رنج و اندوہ کے اس طوفان سے کس طرح نبرد آزما ہو رہے ہوں گے۔ یہ اللہ کے حبیب ہی بہتر جانتے ہیں۔ بہر حال غمگین، غمزدہ آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر سارا مدینہ غم کے ماحول میں ڈوب گیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نہایت نرم مزاج اور نرم خو تھیں، رحمدل تھیں۔ یہی کیفیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تھی۔ دونوں ہی محبت و شفقت کا پیکر تھے۔ ہاتھ کے نخی تھے جو ان کے دُور پر آیا خالی نہ گیا۔

کنز العمال کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان ابن عفان سے کر دوں“

برائے شبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے یہ کتنی بڑی سعادت تھی کہ حضرت رقیہ سے نکاح کے لئے وحی آ رہی ہے۔ ابن عساکر نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے پیالے میں گوشت دے کر مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا۔ میں ان کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سامنے تشریف رکھتی تھیں۔ میں کبھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کو دیکھتا اور کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کو۔ پھر جب میں واپس آیا تو رسول اقدس ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم اندر گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! اس پر حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی اس سے خوبصورت جوڑا دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ۔“

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جب حبشہ میں تھیں تو ان کی پیاری امی جان حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا لیکن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اس انتقال سے بے خبر رہیں لیکن

جب وہ مسلمانوں اور قریش مکہ کی صلح کی افواہ سن کر گئے آئیں تو حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے لپٹ کر روتے ہوئے پوچھا کہ میری امی جان کہاں ہیں؟ لبا جان کدھر ہیں؟ حضرت اُم کلثوم نے فقط اتنا کہا کہ ابا جان خیریت سے ہیں اور تمہارے ساتھ آنے والے مسلمانوں سے ملنے کیلئے گئے ہیں۔ انہوں نے دوبارہ بے اختیار ہو کر پوچھا اور میری امی جان! میری امی کہاں ہیں؟ اس پر حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ یہ آنسو ہی ساری کہانی سنا گئے حریف کچھ کہنے کی کوشش ہی نہیں رہ گئی تھی۔ حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا روتے ہوئے ان کے ساتھ امی جان کی آخری آرام گاہ کی طرف چل دیں۔

بعض اصحاب تاریخ کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ ابولہب کے بیٹے کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ بہت مغرور اور حکمران تھا اور اسے ایک لٹکھ کیلئے اپنے چچا حضرت عبداللہ کے بیٹے حضور محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سے رشتہ توڑتے ہوئے حیا نہ آئی۔ اس نے ایک لٹکھ کیلئے بھی اپنے باپ ابولہب سے بحث نہ کی۔ ابولہب کی بیوی اُم جمیل سخت بد خو بد لحاظ زبان دراز، سنگدل، بداخلاق اور بد حراج عورت تھی۔ اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ ابولہب کے گھر میں اس عورت کے ساتھ میری لڑکیوں کا گزارا کیسے ہوگا؟ لیکن انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو پریشان کرنے کیلئے اس بات کا ذکر ان سے نہ کیا۔ حتیٰ کہ ابولہب کے انکار کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان جیسے شریف انفس اور انتہائی پاکیزہ صفت انسان کا رشتہ حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا کیلئے آگیا تو حضور ﷺ کو نہایت خوشی ہوئی اور فرمایا کہ مجھے وحی کے ذریعہ اس رشتہ کی خبر دی گئی ہے۔

حضرت زقیہ رضی اللہ عنہا کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلی ہجرت حبشہ کی جانب تھی۔ مگر واپس آئیں تو دوسری ہجرت بھی حبشہ کیلئے تھی۔ تیسری ہجرت حضرت عثمان



کے ساتھ مکہ آ کر مدینہ منورہ کی طرف تھی۔ اگرچہ آپ نے تین بار ہجرت کی لیکن ہجرت الی الحبشہ اور ہجرت الی المدینہ کے اعتبار سے آپ ”ذات الحجرتین“ یعنی دو ہجرتوں والی کہلاتی ہیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی زندگی اسلام کیلئے تھی۔ ان دونوں میاں بیوی نے اسلام کی خاطر کئی سفر کئے۔ کفار کے ظلم برداشت کئے۔ ان کی زندگی سکون سے نہ گزر سکی۔ ورنہ سکون میسر ہوتا اور مکہ مکرمہ ہی میں زندگی بسر ہو جاتی تو انسانی سیرت و کردار کا ایک لازوال نمونہ سامنے آ جاتا۔ بہر حال ان پریشانیوں کے درمیان بھی آپ کی زندگی کے کتنے ہی یادگار پہلو سامنے آتے ہیں۔ آپ حبشہ میں تھیں تو بیماری آتی جان حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مکہ میں انتقال ہو گیا۔ اباجان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ امید ان بدر میں تھے۔ آپ نے اپنے عظیم ترین والد گرامی کی غیر حاضری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تھیں تو نہایت فرمانبردار صاحبزادی تھیں اور جب حضرت عثمان کے ہاں آئیں تو خود کو مثالی بیوی ثابت کر دکھایا۔ سرکار مدینہ ﷺ اکثر اوقات اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور ان کی خیریت دریافت کرتے تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ کے گھر تشریف لے گئے اس وقت وہ اپنے شوہر نادر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سر کو دھو رہی تھیں تو حضور ﷺ نے حضرت رقیہ کی اس خدمت کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

اے نبی! اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک رکھنا اور حسن معاملہ کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ بے شک عثمان میرے اصحاب میں سے اخلاقیات میں میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔“

جب سیدہ زُقریہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہما غم زدہ ہوئے۔ اسی حالت میں آپ نے حضرت عبداللہ کو گود میں اٹھایا۔ آپ کی چشم مبارک سے آنسو رواں تھے۔ پھر آپ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اپنے رحیم و شفیع بندوں پر رحم فرماتا ہے۔“ آپ نے خود نماز پڑھائی۔ تدفین کیلئے حضرت عثمان قبر میں اترے اور تدفین عمل میں آئی۔ اس بارے فواسل کے وصال پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کافی عرصہ غمگین رہے۔

اے نبی رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کتنی عظیم تھی کہ ہر مشکل میں مبرورِ رضا کا پیکر بنی رہیں! اور اپنے شوہرِ نامدار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دہشتناک جنت دی اور خدمت گزاری کا وہ معیار قائم کیا کہ اس کے بارے میں سوچ کر انسانیت کا سر فرطِ عقیدت سے آپ کے حضور جھک جاتا ہے۔



حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت محمد (ﷺ)

گشن ایمان و حکمت کیلئے جان بہار
 حضرت عثمان کے گھر کے لئے حسن وقار
 سرور ذیشان کی نور نظر کا لہجہ حیا
 جس کے گھر میں تھا نزول رحمت پروردگار
 اُس کا اُسوہ تھا شہ کونین کی عظمت لئے
 اس کا کردار حسین مثل قمر تھا تابدار
 وہ شفیق مہربان و نرم خو اور رحمدل
 خانہ عثمان اس کے دم قدم سے تابدار
 اس کے دم سے حضرت عثمان ذوالنورین تھے
 یہ سراپا خیر و برکت لطف رب کردگار
 زینت دنیا و دیں تھی باغ جنت کی کلی
 غمزدوں کے واسطے سرمایہ صبر و قرار
 ہیں فزوں تر عظمتیں ان کی رضا کی فکر سے
 ان کے مرقد پر خدا کی رحمتیں لیل و نہار

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بنت محمد (رضی اللہ عنہا)

نبی کریم ﷺ کی نسبت پاک سے حضرت سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا رتبہ بھی بہت بلند ہے۔ آپ نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی تھی۔ سیدہ کلثوم کی ولادت باسعادت حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن اقدس سے مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ اپنی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے پانچ سال چھوٹی تھیں۔ آپ کو سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انسانی اوصاف کا مجسمہ بنا دیا۔ وہ خدیجہ الکبریٰ کے جن کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”وہ بچوں کیلئے بہترین ماں اور گھر کیلئے بہترین منتظم ہیں۔“ سیدہ اُم کلثوم اپنی امی جان کی تربیت کی وجہ سے نہایت خوش بیان اور پاکیزہ طبیعت کی مالک تھیں۔ جب حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اس وقت سیدہ اُم کلثوم کی عمر دو سال کی تھی۔ سیدہ اُم کلثوم نے اپنی دیگر بہنوں اور والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ بیعت کی اور ہجرت تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہیں۔

اعلان نبوت سے پہلے اس دور کے دستور کے مطابق سیدہ اُم کلثوم کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے ساتھ ہوا تھا۔ جب اشاعت اسلام کا سلسلہ پھیلا تو ابولہب اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھا اور ہر قسم کی رشتہ داری سے بے نیاز ہو کر کھلم کھلا دشمنی شروع کر دی۔ اس پر رب کریم نے ”سورۃ لہب“ نازل فرمائی جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کا نام لے کر وضاحت کے ساتھ ان کی مذمت کی گئی تھی۔ اس پر ابولہب کا غصہ بھڑک اٹھا۔ اُم جمیل ہاتھ میں پتھر لے کر آپ کو مارنے کیلئے چڑھ دوڑی۔ ان میاں بیوی نے بچوں کو مجبور کیا کہ وہ محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو فوری طلاق دے دیں۔ بڑے



بھائی عقبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دی تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتیبہ سے کہا کہ اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو محمد کی بیٹی اُم کلثوم کو طلاق دے دو۔ عقبہ نے تو سیدہ رقیہ کو طلاق دی تھی مگر چھوٹے بھائی عتیبہ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور سیدہ اُم کلثوم کی شان میں گستاخی بھی کی۔ ابولہب کے بیٹے دولت کے نشے میں غمور تھے۔ شرابی و سیاہ کار تھے۔ مختلف موزنین کا کہنا ہے کہ اچھا ہی ہے حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی صاحبزادیاں اس سخت مزاج ابولہب اس کی سنگدل بیوی اُم جمیل اور ان کے بدکردار بیٹوں کی زیادتیوں سے بچ گئیں۔ جب عتیبہ نے طلاق کے ساتھ نبی اقدس ﷺ کی توہین بھی کی تو حضور ﷺ نے اس کے حق میں بدو عافرمائی۔ آپ نے فرمایا:

اللہ! عتیبہ پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلما کر دے۔“

سرور کائنات کی صاحبزادیوں نے خدمتِ دین کی خاطر دکھ برداشت کئے اور اجر و ثواب کی حق دار قرار پائیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو شعب ابی طالب میں تین برسوں محصور رہنے کی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ شعب ابی طالب میں بچے بھی محصور تھے۔ معصوم شہزادیاں بھوک پیاس سے بلبلاتیں تو ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو ایک دور میں مکہ مکرمہ کی امیر ترین خاتون تھیں ان کا کلیجہ کٹ جاتا۔

جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینے پہنچے تو حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد نبی کریم ﷺ نے ابورافع اور زید بن حارثہ کو مکہ بھیجا۔ سواریاں بھی ہمراہ بھیجیں اور زادِ سفر بھی دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے اہل خاندان کو لے آئیں۔ آنے والوں میں سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔

عتیبہ جس نے سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دیتے ہوئے گستاخی بھی کی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کیلئے بدو عافرمائی وہ بدو عا کے بیچے میں بدترین انجام

سے دو چار ہوا۔

ابولہب کے ساتھ حمیدہ ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک راہب کے عبادت خانہ کے پاس اترے راہب نے کہا: یہاں درندے بہت ہیں۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”کیا تمہیں میری عمر اور میرا حق معلوم ہے۔ محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے پر بددعا کی ہے تم اپنا سامان صومعہ کے اندر جمع کر دو اور حمیدہ کیلئے اس کے اوپر بستر کرو اور خود اس کے ارد گرد سو جاؤ۔“ ایسا ہی کیا گیا۔

رات کو ایک شیر آیا، سب کو سونگھا پھر اس نے سامان کے اوپر کود کر حمیدہ کا سر کاٹ دیا۔ اہل قافلہ نے ہر چھ تلاش کیا مگر نہ ملا۔ یہ معجزہ ہے۔

شان رسالت کا کمال ہے کہ ابولہب ایمان بھی نہیں لارہا تھا مگر حضور ﷺ کی بددعا پر پورا یقین ہے اور اسے بچانے کیلئے تمام جتن کر رہا تھا مگر جو لفظ ہائے مصطفیٰ ﷺ سے نکل گئے تھے انہوں نے قبولیت کو چھوٹا ہی تھا۔ جب حضور ﷺ نے بددعا فرمائی تھی تو حضرت ابوطالب بھی مجلس میں موجود تھے۔ ابوطالب نے فرمایا:

”مجھے معلوم ہے کہ آپ کی بددعا کے تیرے وہ نہیں بچ سکے گا۔“

ابولہب کے بیٹے کے محافظ سوئے نہ تھے جاگ رہے تھے۔ پہرہ دے رہے تھے رب نے ان پر شیر مسلط کر دی اور شیر نے حمیدہ کا منہ بھی چاک کیا تھا کیونکہ اسی منہ سے گستاخانہ کلمات ادا ہوئے تھے۔

مدینہ طیبہ میں غزوہ بدر کے دوران میں حضرت عثمان بن عفان کی اہلیہ اور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا شدید بیمار ہوئیں اور حضور کے میدان بدر سے واپسی سے قبل انتقال کر گئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مثالی



زندگی گزاری تھی۔ اب حضرت عثمان سیدہ رقیہ کی یادوں میں کھوئے کھوئے رہتے تھے۔ حضور ﷺ سے ان کی حالت پوشیدہ نہ تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ انہی دنوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت خضہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ ہوئیں۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ خضہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں لیکن انہوں نے تامل کیا۔ رسول کریم ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تم کو خضہ کیلئے عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمان کیلئے خضہ سے بہتر رشتہ بتاتا ہوں۔ پھر فرمایا: خضہ کا نکاح مجھ سے کرو اور میں اپنی بیٹی کی شادی عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا ہوں جو رقیہ کے فوت ہو جانے سے بہت غمگین ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً رضامند ہو گئے۔ چنانچہ حضرت خضہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول کریم ﷺ سے ہو گیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ نکاح کے وقت حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کی معرفت مجھے حکم بھیجا ہے کہ اپنی بیٹی ام کلثوم کو اسی حق مہر پر جو رقیہ کا تھا تمہارے عقد میں دے دوں۔

ایک موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

میں اپنی صاحبزادیوں کو اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں بیاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نکاح کے فیصلے ہوتے ہیں۔

نبی اقدس ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے، سیدہ رقیہ اور ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور سیدہ النساء العالمین سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بحکم

خداوندی ہوا تھا۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان سے کہا:

اے عثمان! حضرت جبرائیل مجھ کو خبر دے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ام کلثوم کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اور جو مہر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا تھا وہی مہر سیدہ ام کلثوم کا بھی ہو۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو گئی تو دونوں کو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی یاد آ رہی تھیں۔ ایک کو بہن کی حیثیت سے اور دوسرے کو اپنی پیاری بیوی کی حیثیت سے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں یکے دیگر حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اسی لئے بارگاہ رسالت سے آپ کو ذوالنورین یعنی دو نور والے کا خطاب ملا۔

نور کی سرکار سے پایا دو شالا نور کا

ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے ہاں کسی نبی کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے نکاح میں آئی ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے۔ شریعت اور علیم الطبع تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان کی نہایت مخلصانہ قربت داری تھی۔

ایک مرتبہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں ان کے شوہر حضرت عثمان کا کیا مقام ہے؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اے نخت جگر تیرا شوہر عثمان ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول بھی ان سے محبت کرتے ہیں“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو خوش رکھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا پر ایک بیش محبت چادر دیکھی جو ریشم کی دھاریوں سے بنی ہوئی تھی۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا لباس نہایت عمدہ ہوتا تھا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک متمول فرد تھے۔

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتیں:

”میں نے اپنے بابا سے سنا ہے کہ آپ جنت کے مقربین میں سے ہیں۔ سب سے زیادہ قرب خداوندی کے مستحق لوگوں میں آپ بھی شامل ہیں اور فرشتے آپ کے قار' تواضع اور خشیت الہی کے سبب آپ سے شرماتے ہیں۔ نیز بے پناہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور مسلمان بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔“

حضور نبی کریم ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک، ارادت مندی اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ بہترین سلوک کی بناء پر آپ سے بے پناہ خوش رہے۔ جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیا تو فرمایا:

”میری اگر چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں انہیں یکے بعد دیگر عثمان (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں دیتا جاتا۔“

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی اولاد نہیں تھی لیکن اس کے باوجود میاں بیوی کی زندگی اس معاملہ میں ہر قسم کی بحث و تکرار سے پاک رہی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے اس حوالے کبھی کوئی رنجیدہ کر دینے والی بات نہ کہی بلکہ خوشی و مسرت کے ساتھ جتنا عرصہ رفاقت و زوجیت کا میسر آیا بسر کرتے رہے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اس نکاح کے بعد ۶ سال تک ذمہ رہیں اور شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق غسل دیا۔ حضور ﷺ نے کفن کیلئے اپنی چادر دی۔ رسول کریم ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ رسول کریم ﷺ کو ان کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا، قبر کے پاس بیٹھے تو اٹکبار ہو گئے۔

آپ جنت البقیع میں اپنی بہن کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابوطالب، حضرت علی، حضرت فضیل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہم نے قبر میں اتارا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کی تدفین میں شریک تھے۔ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ قبر پر بیٹھے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا ”تم میں سے آج رات کون اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا؟“ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ میں آج رات اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ آپ نے فرمایا ”تم ان کی قبر میں اتر جاؤ۔“

(مشکوٰۃ شریف باب دفن المیت)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی ان کی بیوی بہن حضرت نسیب رضی اللہ عنہا کی طرح پانی میں ہیری کے پتے ڈال کر غسل دیا گیا۔ آخر میں کافور کی خوشبو لگائی گئی اور کفن پہنایا گیا۔ یہ سب انتظام سلطانِ دو عالم ﷺ نے خود فرمائے۔

جناب سیدہ کی قبر ہے رحمت کی بھلاوی
جہاں ہر پل نزولِ رحمت خلاق ہے جاری



سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام

مرزغِ حلیم را حاصلِ جوت
 مادران را اسوۂ کاملِ جوت
 بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
 با یہودے چادرِ خود را فروخت
 نوری د ہم آتشی فرمانبرش
 گم رضائش در رضائے شوہرش
 آں ادب پروردۂ مبر د رضا
 آسیا گردان د لب قرآن سرا
 گریہ ہائے او دُبالیں بے نیاز
 گوہر افشانے بدامان نماز

(علامہ محمد اقبال)

خاتونِ جنت

سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام

سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام بے شمار فضائل کی حامل ہیں۔ آپ خاتونِ جنت ہیں؛ جنت میں تمام جنتی خواتین کا عالم کی سردار ہیں۔ سلطانِ دو عالم خیر آدم و بنی آدم حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی لاڈلی صاحبزادی ہیں۔ اگرچہ آپ چاروں بیٹیوں میں سے سب سے چھوٹی تھیں لیکن حضور ﷺ کی محبت کی سب سے زیادہ حقدار تھیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام کے حسن تربیت اور نبی کریم ﷺ کے فیضانِ اقدس نے آپ کے کردار کو انتہائی بلند یوں پر پہنچا دیا تھا۔ بیٹی کی حیثیت سے نبوی کی حیثیت سے ماں کے کردار کی حیثیت سے انسانی سرفرازی کے لحاظ سے آپ اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ فخر و درویشی، استغناء اور سخاوت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ رسولِ کریم ﷺ کی صفاتِ کُسنک کا مکمل گہوارہ تھیں۔ اپنے آبا جنان کے کردار کی احسن ترین تصویر تھیں۔

خاص طور سے آپ نے خواتینِ اسلام کیلئے جو اُسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ مشکیزے میں پانی خود لاتی ہیں؛ جس سے سینے اور کندھوں پر نشانات پڑ گئے۔ گھر کے تمام اُمور خود انجام دیتی ہیں۔ بچگی اس حالت میں بیستی ہیں کہ کود میں حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں؛ کندھے پر حضرت امام حسن علیہ السلام لٹکے ہوئے ہیں۔ ہاتھ بچگی میں رہے اور زبان پر قرآنِ حکیم کی تلاوت جاری ہے۔ تین تین دن فاقے سے گزارے مگر کبھی شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پہ آنے نہ پایا۔ جو نئی وقت ملا مسئلے پر کھڑی ہو جاتیں۔ تمام تمام رات مسئلے پر عبادت میں گزارتیں۔ صبح کی اذان ہوتی تو فرماتیں ”خدا یا تیری بندگی عبادت کا حق ادا نہیں کر پائی کیونکہ تیری رات ہی مختصر ہے۔“



ایک خاتون میں جس قدر خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب آپ کی ذات میں موجود تھیں۔

مرزبغ حلیم را حاصل بتول

ماوراء را اسوۂ کامل بتول

حضرت فاطمہ علیہا السلام آپ کا نام ہے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی صاحبزادی تھیں اور تمام مکارم اخلاق و فضائل اوصاف آپ پر ختم ہو گئے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ بن خویلد رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ سیدہ خواتین عالم اور سردار النساء اہل جنت ہیں۔ آپ کے القاب زہرا، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، راضیہ، مرضیہ اور بتول ہیں۔

بچپن ہی سے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی طبیعت میں بہت زیادہ متانت، سادگی اور سنجیدگی تھی۔ آپ کا دل کھیل میں نہیں لگتا تھا۔ آپ کہیں آنا جانا پسند نہ فرماتی تھیں۔ ہمیشہ اپنی والدہ محترمہ کے پاس بیٹھی رہتی تھیں۔ آپ کی یہ سادگی اور استغنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا، اسی وجہ سے آپ بتول (تارک الدنيا) کے لقب سے یاد فرمائی جاتی تھیں۔ چونکہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت و سیرت میں بہت مشابہ تھیں اس لحاظ سے آپ کا لقب زاکیہ اور راضیہ قرار پایا۔

آپ کی ولادت باسعادت نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی اور یہ وہ مبارک زمانہ تھا جب اہل قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت حضرت فاطمہ علیہا السلام تکتھرا تھیں۔ لوگوں نے پیغام دیا، ان میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے عقد کرنے کی استدعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکم الہی کا انتظار کرو۔ اس کا ذکر حضور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر

ﷺ سے کیا اور ان کو بھی ترغیب دی کہ تم اپنے لئے پیغام دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی پیغام دیا اور وہی جواب پایا جو حضرت ابوبکرؓ کو ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو اس جواب سے اطلاع دی۔ پھر حضرت علیؓ کو لوگوں نے آمادہ کیا لیکن آپ کو اپنی بے سرو سامانی پر تامل ہوا اور دوسرا خیال یہ بھی ہوا کہ اب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد میری کیا گنجائش ہو سکتی ہے لیکن لوگوں نے پھر مجبور کیا اور آنحضرت ﷺ کی قربت کا استحقاق یاد دلایا۔ پھر آپ نے آنحضرت ﷺ سے بطریقہ پیغام عرض کیا۔ آپ نے یہ استدعا قبول فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے ذکر کیا کہ علیؓ کا رجحان خاطر تمہاری طرف ہے۔ آپ خاموش رہیں (یہ خاموشی ایک طرح کی رضا مندی تھی) آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شادی کے چار مہینے بعد اوائل محرم ۲ھ میں حضرت فاطمہؓ کا عقد حضرت علیؓ سے کر دیا۔ حضرت علیؓ نے نکاح کے ساڑھے نو مہینے گزرنے کے بعد رخصتی کرائی۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی تھی اور حضرت علیؓ کی اکیس سال ساڑھے پانچ مہینے گویا حضرت علیؓ تقریباً ۱۶ سال بڑے تھے حضرت علیؓ نے شادی کیلئے اپنا اؤٹ اور بعض اسباب فروخت کر ڈالا تھا جس کی کل قیمت چار سو اتنی درہم ملی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دو ٹکٹ خوشبو وغیرہ میں صرف کرو اور ایک ٹکٹ متاع میں (یعنی سامان شادی یا خور و نوش اور دیگر ضروریاتِ خانہ داری وغیرہ میں)

حضرت علیؓ اپنی شادی کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں: میرے پاس ایک لوٹری تھی جس کو میں آزاد کر چکا تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت فاطمہؓ کا کسی نے پیغام دیا؟ میں نے کہا: معلوم نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ آپ پیغام

دیتے تھے۔ آپ کو کون سا امر مانع ہے؟ میں نے کہا: میں کس بنا پر جرأت کروں، میرے پاس کوئی چیز نہیں جس سے میں عقد کروں۔ اس نے کہا کہ نہیں، آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جائیے۔ چنانچہ میں اس کے اصرار پر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں گیا لیکن آنحضرت ﷺ کی جلالت و ہیبت کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ مجھے کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ مجھ میں بالکل طاقت نہ تھی کہ میں کچھ گفتگو کرتا لیکن حضور نبی کریم ﷺ ہی نے توجہ فرما کر دریافت فرمایا کہ کیا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیغام کیلئے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کوئی چیز مہر ادا کرنے کیلئے بھی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ حلی زرہ کہاں ہے جو میں نے تم کو دی تھی؟ وہی مہر میں دے دو۔ اُس زرہ کی قیمت چار سو درہم سے زائد نہ تھی۔ نکاح ہوا اور وہی زرہ بالعوض مہر دے دی گئی۔

جب نکاح سے فراغت ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: شادی کیلئے ولیمہ بھی ضروری ہے۔ حضرت سعد نے کہا کہ میرے پاس ایک بھیڑ ہے اس سے ولیمہ کر لیا جائے۔ اسی طرح انصار کے ایک قبیلہ نے بھی اپنی حسب استطاعت ولیمہ کا انتظام کیا۔ چنانچہ ولیمہ کا کھانا بھی دیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک چھوٹا سا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکان سے کسی قدر فاصلہ پر کرایہ پر لے لیا تھا۔ آپ نے اپنی لونڈی اُمّ ایمن کے ہمراہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر رخصت کر دیا۔ رخصتی کے وقت آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ تم مجھ سے مل لینا۔ پھر آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ پانی طلب کیا اس سے وضو کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وہ پانی ڈال دیا اور یہ دعا پڑھی:

اللھم بآرک فیہما و بآرک علیہما و بآرک لہما فی سلسلہما

دوسری روایت کے مطابق آپ نے دونوں پر پانی چھڑکا اور فرمایا ”اے فاطمہ! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں بہترین شخص سے کی ہے۔“
 شہنشاہ عالم نے اپنی صاحبزادی سیدہ عالم حضرت فاطمہ علیہا السلام کو یہ روایت
 عکرمہ مندرج ذیل جہز دیا۔

نقشبخت ایک، چمڑے کا ٹکڑا ایک (جس میں سمجور کی چھال بھری ہوئی تھی) ۲
 پیالہ ایک، مشکیزہ ایک، دو عدد چکیاں۔

سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام کی شادی کے بعد بھی آپ کا اسوہ وہی تھا جو شادی
 سے قبل تھا۔ اب خاوند کی خدمت اور بچوں کی تربیت کا اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ آپ
 حضرت علی علیہ السلام کے اصرار پر کوئی کینیر یا غلام طلب کرنے کیلئے آبا جان کے پاس آئیں
 مگر حیا سے خاموش رہیں۔ حضور ﷺ کے استفسار پر آپ تو کچھ نہ بولیں مگر حضرت
 علی علیہ السلام نے آمد کا مقصد بتا دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”میں تم کو قیدی خدمت کیلئے نہیں دے سکتا۔ ابھی اصحاب صفہ کے خور و نوش
 کا تسلی بخش انتظام انجام دینا ہے۔ میں ان فرزند ان حق کو کیسے فراموش کر دوں، جنہوں
 نے خوشنودی خدا اور رسول کیلئے فقر و استغنا کی زندگی کو اختیار کیا ہے، شبلی نعمانی کے اشعار
 میں اس واقعہ کی جھلک دیکھئے۔

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال
 کمر میں کوئی کینیر نہ کوئی غلام تھا
 کھس کھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
 بچنی کے پینے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ منک بھر کے لاتیں تھیں بار بار
 گو نُوْر سے بھرا تھا مگر نخل قام تھا
 اٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے
 جہازو کا مشغلہ بھی ہر صُبحِ شام تھا
 آخر گئیں جنابِ رُسُولِ خُدا کے پاس
 یہ بھی کچھ اِشفاق وہاں اِذنِ عام تھا
 محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
 واپس گئیں کہ پاس حیا کا قحام تھا
 پھر جب گئیں دوبارہ تو پُوچھا حضورؐ نے
 کل کس لے تم آئیں تھیں کیا خاص کام تھا
 غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
 حیدرؑ نے اُن کے منہ سے کہا جو پیام تھا
 ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن
 جن کا کہ صفہٴ نبویؐ میں قیام تھا
 میں اُن کے بندوبست سے فارغ نہیں ہوا
 ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
 جو جو مصیبتیں کہ اب اُن پہ گزرتی ہیں
 میں اُن کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
 کچھ تم سے بھی مُقدم تھا اُن کا حق
 جن کو کہ بُھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیدہ پاک رہ گئیں
 بُجرات نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا
 یوں کی ہر ہر اہل بیتِ مطہر نے زندگی
 یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا

جواب سن کر گھر واپس آئے تو آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔
 اُس وقت دونوں اپنے اپنے بستروں پر آرام کیلئے لیٹ چکے تھے لیکن جب آنحضرت
 ﷺ کو تشریف لائے دیکھا تو تعظیماً و کمریاً استقبال کیلئے اُٹھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان
 دونوں کو روکا اور فرمایا ”تم نے جس چیز کی ضرورت ظاہر کی تھی اور جس کے تم خواہش مند
 تھے اُس سے بہتر ایک چیز میں تم کو ملتا ہوں“ اُن دونوں نے عرض کیا: جی ہاں
 فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا
 کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ والحمد للہ ۳۳-۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ کر دم کر لیا
 کرو۔ یہی تمہارے لئے بہترین خادم ہیں۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اہل
 بیت میں اگرچہ بہت سے بزرگ داخل ہیں لیکن ان سب میں فردِ کامل سیدہ عالم حضرت
 فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وجودِ گرامی ہے۔ آیتِ تطہیر:

انما یرید اللہ لیزہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہراً
 سورة الاحزاب کا نازل ہونا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب کو خاص طور سے
 ظاہر ہے۔

عبدالرحمن ابن ابی نعیم بروایت ابی سعید الخدری لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے
 فرمایا ”سیدۃ النساء اہل الجنة“ (یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا) جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔



حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جنت کی عورتوں کی سردار حضرت مریم پھر حضرت فاطمہ بنت محمد پھر حضرت خدیجہ پھر حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) ہیں۔“

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے زمین پر چار خط کھینچے پھر لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ سب نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول زیادہ واقف ہیں۔ آپ نے فرمایا ”فاطمہ بنت محمد خدیجہ بنت خویلد مریم بنت عمران آسیہ بنت حزام (فرعون کی بیوی) ان لوگوں کو جنت کی عورتوں پر سب سے زیادہ فضیلت ہے۔“

خدا تعالیٰ نے طبقہ نسواں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذات مبارک کے ساتھ جو مناقب مخصوص کر دیئے تھے اُن کی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ یہ حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل پر شاہد ہے۔

”تمہاری تقلید کیلئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد اور آسیہ (فرعون کی بیوی) کافی ہیں۔“

صداقت اور راست گوئی میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی جواب نہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ لیکن اُن کے والد آنحضرت ﷺ بالبتہ مستثنیٰ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر سے مراجعت فرماتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جس قدر رحمت رسول اللہ ﷺ کو تھی اتنی اور کسی اولاد کے ساتھ نہ تھی۔ حالانکہ آپ کی بعض بیٹن آپ سے زیادہ حیز فہم اور خوب صورت تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت محبوب تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں لیکن آپ نے

جلالہ اسلام
کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا
”تمہاری رضا مندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تمہارے غیظ و غضب سے وہ غضب
ناک ہوتا ہے۔“

حضرت فاطمہؓ اپنے تمام مشاغل حیات میں رسول اللہ ﷺ کی تقلید کرتی
تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نشست و برخاست، عادات و
انکساک، طرز گفتگو اور لب و لہجہ میں آنحضرت ﷺ کے مشابہ فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو نہیں
دیکھا۔ حضرت فاطمہؓ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آنحضرت ﷺ
کھڑے ہو جاتے، بیٹھنے کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بیٹھا لیتے اور یہی طرز عمل حضرت
فاطمہؓ کا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ قدر و کثرت میں بہترین نمونہ رسول اللہ
ﷺ کا فاطمہؓ تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کی صورت بھی آنحضرت ﷺ سے بہت ملتی تھی۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ
کے بعد فاطمہؓ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ”فاطمہ! میرے جسم
کا ایک کلو ا ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا۔“

آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابویوسف انصاری
ؓ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ جب حضرت فاطمہؓ کا عقد ہوا آپ نے
حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم کوئی مکان کرایہ پر لے لو۔ حضرت علیؓ نے ایک
مکان آنحضرت ﷺ کے مکان سے کسی قدر فاصلے پر لے لیا۔ اسی مکان میں رخصت کرا
کے لے گئے۔ رخصتی کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے
گئے۔ اثنائے گفتگو میں آپ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو
پنے قریب بلا لوں۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ آپ حارث بن نعمان سے

فرمایئے وہ کوئی اپنا مکان دے دیں گے۔ حضرت حارث بن نعمان نے آنحضرت ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی ”مجھے مَطُوم ہوا ہے کہ آپ اپنی صاحبزادی صاحبہ کو اپنے قریب کے مکان میں نخل کرانا چاہتے ہیں میرے تمام مکانات موجود ہیں حضرت فاطمہ کو بلا لیجئے۔ میرا جان و مال اللہ اور اُس کے رسول پر قربان ہے اور بخدا جو چیز آپ مجھ سے لیں گے مجھے اس کا آپ کے پاس رہنا میرے پاس رہنے سے زیادہ محبوب ہوگا۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم نے سچ کہا“ خدا تم کو برکت دے اور اپنی رحمت تم پر نازل کرے۔“ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن نعمان کے مکان میں نخل کرایا۔

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا برتاؤ ہوا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار ہوا۔ آپ کبیدہ خاطر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں۔ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی گئے اور ایسی جگہ کھڑے ہو گئے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو سن سکیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غصہ کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا ”اے بیٹی! جو کچھ میں کہوں اس کو غور و فکر سے سنو اور عمل کرو۔ وہ کون سے میاں بیوی ہیں جن کے درمیان کبھی کوئی رنجش واقع نہ ہو اور یہ کیا ضروری ہے کہ مرد تمام کام عورت کی منشاء کے مطابق ہی کرے اور اپنی بیوی سے کچھ نہ کہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس مصلحانہ جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ پھر انہوں نے کوئی ایسی بات نہ کی جس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رنجیدہ خاطر ہوتیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جب کبھی خانگی معاملات میں کوئی رنجش ہو جاتی تو اسی طرح آنحضرت ﷺ صلح کر دیتے اور آپ ﷺ کو ان دونوں کی مصالحت سے غیر معمولی مسرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہی اتفاق پھر پیش آیا۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

یہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے چہرہ مبارک پر کچھ آثارِ رنج و ملال کے نمایاں تھے۔ آپ نے اُن دونوں میں صلح کرا دی۔ جب باہر تشریف لائے تو چہرہ مبارک بٹاش تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا ”یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟ جب آپ مگر تشریف لے گئے تو چہرہ مبارک خنجر تھا اور اب بٹاش ہے۔“ فرمایا ”میں نے ایسے دو قصوں میں مصالحت کرا دی جو مجھے بہت محبوب ہیں۔“ چونکہ آنحضرت ﷺ دنیاوی نعمت و آرائش کو بہت ناپسند فرماتے تھے اس لئے وہ ایسی چیزیں اولاد کو نہ خود دیتے تھے اور نہ دوسروں کو دینا پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک سونے کا ہار دیا، جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: فاطمہ! یا تم لوگوں سے کھلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بطور خیر مقدم گھر کے دروازوں پر پردے لگائے اور امام حسن اور امام حسین کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ جب آنحضرت ﷺ حسب معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو یہ سب کچھ دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپسی کا سبب سمجھ گئیں۔ فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھوں سے کنگن اتار دیئے۔ صاحبزادے روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا: ”مگر چہ یہ میرے اہل بیت ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ دنیا کے کی نمائش چیزوں سے آلودہ ہوں۔ صحابہ سے فرمایا: طلائی ہار کے عوض فاطمہ کیلئے عصیب کا ہار اور نقرئی کنگنوں کی جگہ احمی دانت کے دو جوڑے کنگن خرید لاؤ۔“

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہر روز



(حضرت فاطمہؑ حضرت علیؑ) میں کس کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا ”تم سے زیادہ فاطمہؑ مجھ کو محبوب ہے اور فاطمہ سے زیادہ تم عزیز ہو۔“

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ وفات سے قبل آنحضرت ﷺ کے پاس میں بیٹھی ہوئی تھی کہ فاطمہؑ آئیں۔ ان کی رفتار آنحضرت ﷺ کی رفتار سے بہت مشابہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ”مرحبا یا بنتی“ فرما کر اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا۔ پھر آپ نے اُن کے کان میں کچھ فرمایا وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ کان میں کچھ فرمایا وہ ہنسنے لگیں۔ مجھے (حضرت عائشہؓ) بڑا تعجب ہوا اور مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے فاطمہؑ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس سے قبل میں نے ایک ہی وقت میں (خوشی و غمی) ہنسنے اور رونے کا اجتماع نہیں دیکھا جیسا کہ اس موقع پر دیکھا۔ حضرت فاطمہؑ نے جواب دیا کہ میں ہر گز اپنے باپ کا راز فاش نہ کروں گی۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں نے فاطمہؑ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا کہ اُس روز رونے اور ہنسنے کا کیا سبب تھا؟ حضرت فاطمہؑ نے جواب دیا: چونکہ آنحضرت ﷺ اس عالم سے تشریف لے گئے اس لئے اب میں کہہ دیتی ہوں کہ پہلی مرتبہ تو آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جبریل (علیہ السلام) سال میں ایک مرتبہ قرآن شریف کا دور کرتے تھے اب کی خلاف معمول سال میں دو بار دور کیا۔ اس سے قیاس ہوتا کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے اور تم میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔ اس پر میں رونے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اس کو پسند نہیں کرتیں کہ تم دنیا کی عورتوں کی سردار ہو، میں یہ سن کر ہنسنے لگی۔

حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی لاڈلی صاحبزادی سیدہ فاطمہؑ الزہراءؑ کی کس قدر عزیز تھیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جب حضرت علیؑ کو ابو جہل کی بیٹی کی

شادی کی پیشکش ہوئی تھی۔ اصحابِ تاریخ اس بارے میں لکھتے ہیں۔

ابن ہشام بن مغیرہ برادر ابو جہل نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تم فوراً ابنتِ ابی جہل سے نکاح کر لو۔ حضرت علیؓ کا ارادہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ کو سخت ناگوار گزرا (اور صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس واقعہ کو بیان کیا) آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر یہ خطبہ پڑھا جس میں اپنی ناخوشی کا اظہار فرمایا۔

”آلِ ہشام علی بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) سے اپنی لڑکی کا عقد کرنے کیلئے مجھ سے اجازت چاہتے ہیں، لیکن میں نہ دوں گا۔ البتہ ابن (علی) ابی طالب میری لڑکی کو طلاق دے کر اس کی لڑکی سے عقد کر سکتے ہیں۔ فاطمہؓ (علیہا السلام) میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی (گویا) اس نے مجھے اذیت دی (جس سے اس کو) کہہ پیچنے کا اس سے مجھے بھی تکلیف ہوگی۔“

اور فرمایا ”میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرنا چاہتا ہوں لیکن خدا کی قسم! رسول اللہ (ﷺ) کی بیٹی اور دشمنِ خدا کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔“

ایک مرتبہ اچانک حضرت فاطمہؓ کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے عرض کیا ”مجھے تکلیف ہے، لیکن اس تکلیف میں حریدہ امضانہ یہ ہے کہ میرے گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہیں ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”بیٹی تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ خواتینِ عالم کی سردار بنو۔“ انہوں نے عرض کیا: مریم بنتِ عمران کا کیا مرتبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانہ کی اور خدا کی قسم! میں نے تمہاری شادی دنیا کے ایک بہتر من انسان سے کیا ہے۔

سرور کائنات ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور انہوں نے بے اختیار ہو کر فرمایا۔

میرے ابا جان نے دعوت حق کو قبول کیا اور فردوسِ بریں میں داخل ہو گئے۔
 آہ جبریل علیہ السلام کو ان کے انتقال کی خبر کون پہنچا سکتا ہے۔
 پھر دعا مانگی:

یا الہی! روحِ فاطمہ (علیہا السلام) کو روحِ محمد ﷺ کے پاس پہنچا دے۔ خدایا مجھے حضور ﷺ کے دیدار سے سرور کر دے۔ الہی! بروزِ محشر شفاعتِ محمد ﷺ سے مایوس نہ فرما۔
 آپ سے ایک مرثیہ بھی منسوب ہے۔ آپ نے شدتِ غم سے دو چار اپنے محبوب والدِ محترم کے وصال پر کہا۔ اس مرثیہ میں وہ کہتی ہیں۔

”آسمانِ خُبار اُٹھو ہو گیا۔ آفتابِ لپیٹ دیا گیا۔ دنیا میں تاریکی ہو گئی۔ نبی ﷺ کے بعد زمین نہ صرف غمگین ہے بلکہ فراطالم سے شق ہو گئی ہے۔ اُن پر قبیلہِ مضر کے لوگ اور اہلِ یمن روتے ہیں۔ بڑے بڑے پہاڑ اور محلات روتے ہیں۔ اے خاتمِ الرسل خدا آپ پر رحمت نازل فرمائے۔“

جب آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو تسلی دینے لگے تو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم رسول اللہ ﷺ کو دفن کر آئے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا ”تمہارے دل نے کیسے گوارا کیا کہ تم نے منوں خاک کے نیچے آنحضرت ﷺ کو دبا دیا۔“

آپ آنحضرت ﷺ کی قبر پر تشریف لے گئیں وہاں روئیں اور ایک مُشَبَّہ خاکِ قبر شریف سے لے کر آنکھوں سے لگائی اور یہ دوشعر پڑھے:

ترجمہ: کیا چاہئے اُس شخص کو جو خاکِ مزارِ مبارک آنحضرت ﷺ ہو گئے

لازم ہے اس پر پھر وہ تمام عمر کوئی خوشبو نہ سونگئے

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدۃ العالم کی اور تین بیٹیں جس طرح عین جوانی کی حالت میں گزر گئیں اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد انتقال ہو گیا۔

واقعی لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۳ رمضان ۱۱ھ میں ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فضل رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف نہیں رکھتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا اور فرمایا پانی کا انتظام کرو، میں غسل کروں گی صاف اور عمدہ کپڑے نکال دو پہنوں گی۔ چنانچہ میں نے پانی کا انتظام کر دیا اور کپڑے نکال دیئے۔ آپ نے اچھی طرح غسل کیا اور کپڑے پہنے پھر فرمایا: میرا بستر کرو میں لیٹوں گی۔ میں نے بستر کر دیا، وہ قبلہ رو ہو کر لیٹ گئیں اور مجھ سے فرمایا: اب مفارقت کا وقت قریب ہے میں غسل کر چکی ہوں اس لئے کمرِ غسل کی ضرورت نہیں اور نہ اب میرا بدن کھولا جائے، چنانچہ اس کے بعد ہی انتقال ہو گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے اُسی غسل پر اکتفا کیا اور اُن کو دفن کر دیا۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں انہما کی شرم و حیا تھی۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ عورت کا جنازہ نکلا ہوا قبرستان تک جائے، اس پر میں نے کہا: ہاں،

ہے اور مرد و عورت کے جنازے میں کوئی تفریق نہیں رہتی۔ مرد برا کرتے ہیں کہ عورت کا جنازہ کھلا ہوا لے جاتے ہیں یہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا: یا بنتِ رسول اللہ میں نے جس میں ایک بہترین طریقہ دیکھا ہے آپ اگر حکم دیں تو وہ طریقہ پیش کروں۔ یہ کہہ کر کھجور کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا اتارنا جس سے پردے کی صورت نکل آئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ طریقہ پسند آیا اور بہت خوش ہوئیں چنانچہ آپ کا جنازہ پردے میں قبر تک گیا اور اسلام میں یہ پہلی خاتون ہیں جن کا جنازہ اس طریقہ سے اٹھایا گیا۔ آپ کے بعد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا جنازہ اسی طرح قبر تک گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تجھیز و تکفین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے تو بہت مغموم و محزون تھے اور شدتِ غم و الم میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

(ترجمہ) ”میں دیکھتا ہوں مجھ میں دنیا کی بیماریاں بکثرت ہو گئی ہیں اور اہل دنیا جب تک دنیا میں ہیں بیمار ہیں“

ہر ایک جاتی کے بعد دوستوں سے مفارقت ہونا ضروری ہے اور وہ زمانہ جو فراق کے سوا ہوتا ہے، تھوڑا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مفارقت اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کم سنی میں ہی انتقال کر گئے۔ آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ الزہرا کو صاحبزادے بھی عطا کئے اور صاحبزادیاں بھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت

محسن ﷺ، سیدہ زینبؓ، سیدہ ام کلثومؓ، حضور نبی کریم ﷺ اس لئے آپ کو اپنے جسم کا حصہ دار اپنے گوشت کا ٹکڑا قرار دیتے اور فرمایا کرتے کہ خُدا میں قاطمہ بنتِ حنفیہؓ سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔ جو قاطمہ سے محبت رکھے میں اسے پسند کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت اور جو قاطمہ کو دُکھ پہنچائے اس نے مجھے دُکھ پہنچایا۔ خُدا یا اس پر غضب فرما۔

سیدہ قاطمہ الزہراءؓ صفت و عصمت کی بیکر تھیں پارسائی کا مظہر تھیں، حیا و شرم کا پیکر تھیں۔ انہیں ہر لمحہ حضور ﷺ عزیز رہے یا حضرت علیؓ، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے سیدہ قاطمہ سے پوچھا ”مسلمان عورت کے اوصاف کیا ہیں؟“

انہوں نے عرض کیا ”بَا جان! عورت کو چاہیئے کہ خُدا اور رسول کی اطاعت کرنے۔ اولاد پر شفقت کرے، اپنی رِہاہ بچی رکھے، اپنی زینت کو چھپائے، نہ خود غیر کو دیکھے نہ غیر اس کو دیکھ پائے۔“ حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا کہ یہ عورت کی احسن تعریف ہے۔

ایک دفعہ سیدہ علیہا صلوات لیکن علالت میں بھی دن رات عبادت میں مصروف رہیں۔ جب حضرت علیؓ صبح کی نماز کے لئے مسجد گئے تو وہ نماز کیلئے کھڑی ہو گئیں۔ نماز سے فارغ ہو کر چلی بیٹھ گئیں۔ حضرت علیؓ نے واپس آ کر ان کو چکی پیستے دیکھا تو فرمایا: اے رسولِ خُدا کی بیٹی اتنی مشقت نہ اٹھایا کرو، تھوڑی دیر آرام کر لیا کرو کہیں زیادہ بیمار نہ پڑ جاؤ۔ فرمائے لگیں: خُدا کی عبادت اور آپ کی اطاعت مرض کا بہترین علاج ہے اگر ان میں کوئی موت کا باعث بن جائے تو اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی کیا ہوگی۔

۔ حیری نسلِ پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا

تو ہے عین نورِ حیرا سب گمراہ نور کا

حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد

سرورِ ہر دو جہاں پر مثلِ مادرِ مہرباں
 فاطمہ بنتِ اسدؑ جانِ نبی تھیں بے مٹاں
 سرورِ عالم کو ہر پہل دیکھ کر جیتی تھیں وہ
 سرورِ عالم کے سر پر نورِ حق کا ساہاں
 مثلِ بُو طالب انہیں سلطانِ بطحا تھے عزیز
 وہ کہ تھیں ہر حال میں شاہِ عرب کی ہم زباں
 اَلْفِتِ احمد کا اک دریا تھا دل میں موجزن
 شاہِ دو عالم بھی اُن کو مانتے تھے اپنی ماں
 حیدرِ کرار کی ماں فاطمہؑ کی ساس تھیں
 اُن کے دل میں تھے عطا و جود کے چشمے رواں
 قبر میں اُن کی تھے لیٹے سرورِ کونین خود
 تاکہ اُن پر ہر گھڑی ہو رحمتِ ربّ جہاں
 پیرِ ہن اپنا دیا سرکارؑ نے بہرِ کفن
 تاکہ جنت میں ہو اُن پر لُفّہ خالقِ بے کراں
 اے رِضا ہم خاکساروں کا اُنہیں پہنچے سلام
 ہو بہارِ افزا لہ ان کی مثالِ گلستاں

حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد

حضرت فاطمہ بنتِ اسد کا شمار ان نامور اور معزز خواتین میں ہوتا ہے جو اسلامی تاریخ کا وقار ہیں۔ آپ حضور نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچا حضرت ابوطالب کی بیوی تھیں۔ آپ ہمیشہ ہی سے نیک اور برگزیدہ خاتون تھیں اور مکہ کی معزز خواتین میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ جب حضرت ابوطالب کی کفالت میں آئے تو حضرت فاطمہ بنتِ اسد نے آپ کو چچا سے بھی بڑھ کر پیار دیا۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز جانتیں۔ سوتے جاتے آپ کا خیال رکھتیں جب حمام بچوں کو کھلانے بیٹھتیں تو اردوں میں سے کسی کو کھانا کم ملتا ہو مگر پیارے محمد ﷺ کا احساس کرتے ہوئے آپ کو جی بھر کر کھانا کھلاتیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ جب تک حضور اقدس ﷺ کھانا نہ کھا لیتے دوسرے بچوں کو کھانا نہ دیتیں۔ آپ حضور ﷺ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کی حقیقی بھتیجی تھیں۔ آپ کے خرافات اور مناقب بے شمار ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ آپ رسولِ خدا کی انجائی مشفق چچی، حیدرِ کرار حضرت علی المرتضیٰؑ کی والدہ اور نبی کریم ﷺ سے بے پناہ پیار کرنے والے چچا حضرت ابوطالب کی بیوی تھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے کبھی آپ کے پیار و اُلفت کو فراموش نہ کیا اور ہمیشہ انہیں ”میری امی، میری امی“ کہہ کر خطاب فرماتے۔

آپ سردارِ قریش ہاشم بن عبد مناف کی پوتی اور حضرت عبدالمطلب کی بھتیجی اور بہو تھیں۔ سیدہ فاطمہؑ الزہراءؑ کی خوشدامن تھیں۔ حضرت فاطمہ کے والد اسد بن ہاشم حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے سوتیلے بھائی تھے۔ اسد کی والدہ کا نام قبلہ بنتِ عامر تھا اور حضرت عبدالمطلب، سلفی بنتِ عمرو بن زید نجاری کے بطن سے تھیں۔



حضرت فاطمہ ؓ نے قریش کے معزز ترین گھرانے بنو ہاشم میں ہوش کی آنکھیں کھولیں اور اسی میں پروان چڑھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے نہایت اعلیٰ اوصاف و خصائل کی مالک تھیں۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کی نگاہ گوہر شناس نے انہیں اپنی بہو بنانے کیلئے منتخب کر لیا اور اپنے فرزند عبد مناف (ابوطالب) سے اُن کا نکاح کر دیا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے انہیں چار فرزند اور تین لڑکیاں عطا کیں۔ لڑکوں کے نام طالب، عقیل، جعفر اور علی تھے اور لڑکیوں کے نام آمنہ ہانی (اصل نام باختلاف روایت فاختہ ہندیہ فاطمہ) جمانہ اور بلطہ تھے۔ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ”استیعاب“ میں لکھا ہے:

ہی اول ہاشمیہ ولدت لہا شمی

(یعنی یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن سے ہاشمی اولاد پیدا ہوئی)

کہا جاتا ہے کہ وہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ چنانچہ یہ شعر اُن سے منسوب ہے جو انہوں نے اپنے فرزند عقیل ؓ کے بارے میں کہا تھا:

۔ انت تکون ساجدٌ نبیل الفاہتہ شمال بلبل

بِخشت کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو بنو ہاشم نے آپ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا۔ حضرت فاطمہ ؓ کے فرزند حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے اولین نوجوان (لڑکے) تھے۔ خود حضرت فاطمہ ؓ بھی ابتدائے دعوت میں سعادت اندوز اسلام ہو گئیں۔ کچھ عرصہ بعد اُن کے دوسرے فرزند جعفر ؓ بھی پرستارِ انِ حق میں داخل ہو گئے۔ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ”أسد الغابہ“ میں لکھا ہے کہ ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی ؓ کے ساتھ مشغولِ عبادت تھے۔ حضرت ابوطالب نے انہیں دیکھا تو حضرت جعفر سے فرمایا ”بیٹے تم بھی اپنے ابنِ عم کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔“

جب حضرت ابوطالب نے وفات پائی تو نبی پاک ﷺ کیلئے رنج و آلام اور دکھوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اسے عزیز بچا جو ہمیشہ نبی کریم ﷺ کو ان کے دشمنوں سے بچانے کیلئے سامنے آتے رہے اور کھل کر فرمایا کرتے تھے: محمد (ﷺ) پر وار کرنے کیلئے پہلے مجھ سے اور آلِ ہاشم سے کھانا پڑے گا۔ یہ عمل الفاظ ہی نہیں تھے بلکہ حضرت ابوطالب کئی مرتبہ کفار مکہ کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میری زندگی میں کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا کہ فرمایا کرتے: اے بھتیجے! تم جو چاہے کرو میں کسی دشمن کو تمہارے دساتے میں نہیں آنے دوں گا۔ جب اسنے پیارے بچا کا وصال ہو گیا تو نبی کریم ﷺ کو سخت دھچکا لگا۔ ڈھارس بندھانے والی زوجہ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی خالقِ حقیقی سے جا ملی تھیں۔ اب کفار کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب محمد (ﷺ) کو ستانے اور ایذا دینے کیلئے ان کے سامنے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ ایسے پُر آشوب دور میں آپ کی چچی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ اسد نے آپ کی بہت ڈھارس بندھائی۔ کئی بار آپ کے دشمنوں کو کھل کر ان کے منہ پر نرا بھلا کہا اور فرمایا ”تم کیا سمجھتے ہو کہ پیارے بچا (ابوطالب) کے چلے جانے سے محمد (ﷺ) اکیلے رہ گئے ہیں، نہیں واللہ نہیں اُن کا خدا اُن کے ساتھ ہے، میں اُن کے ساتھ ہوں آلِ ہاشم کی قوت و دلیری اور عبدالمطلب کی اولاد کی شجاعت و جانثاری ان کے ساتھ ہے۔“

آپ کی لٹکار کا خاطر خواہ اثر ہوتا اور کئی مرتبہ قریش تک اپنی ریشہ و انہوں سے باز آ جاتے۔

حضرت ابوطالب اور حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت جعفر (رضی اللہ عنہم) رحمتِ عالم ﷺ سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ فی الحقیقت حضرت عبدالمطلب کی وفات



کے بعد حضرت ابوطالب اور ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ ؓ نے جس غلوں اور دلسوزی کے ساتھ سرورِ کونین ﷺ کی سرپرستی کی اور نہایت نامساعد حالات میں بھی آپ کی حفاظت و حمایت میں جان کی بازی لگادی، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

بعثت کے بعد جب اہل حق پر مشرکین قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو سرورِ عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ بعد بعثت اور ۶ بعد بعثت میں مسلمانوں کے دو قافلے یکے بعد دیگرے ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر حبشہ چلے گئے۔ ان مہاجرین میں حضرت فاطمہ ؓ کے فرزند ولیدہ حضرت جعفر ؓ بھی تھے اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت اسماء ؓ بنت عمیس بھی تھیں ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت جعفر ؓ پہلی ہجرت حبشہ کے شرکاء میں سے تھے لیکن موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں لکھا ہے کہ وہ دوسری ہجرت کے مہاجرین میں سے تھے۔ بہر صورت حضرت فاطمہ ؓ نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ اپنے فرزند اور بہو کی جدائی برداشت کی۔

یہ نبوت میں مشرکین قریش نے فیصلہ کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب ؓ کو قتل کے لئے ان کے حوالے نہ کریں گے کوئی شخص ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھے گا نہ ان کے پاس کوئی چیز فروخت کی جائے گی اور نہ ان سے رشتہ بنانا کیا جائے گا اس فیصلہ کو معرض تحریر میں لا کر ہر قبیلہ کے نمائندے نے دستخط کئے یا انگوٹھا لگایا اور اسے در کعبہ پر آویزاں کر دیا۔ حضرت ابوطالب کو اس معاہدہ کا علم ہوا تو وہ ہاشم اور ان کے بھائی مطلب کی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے۔ صرف ابولہب اور اس کے زیر اثر چند ہاشمیوں نے مشرکین کا ساتھ دیا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب مسلسل تین برس تک شعب ابی طالب میں محصور رہے مگر اُن کے پائے

استحکال میں نعوش نہ آئی۔ جب قریش مکہ کے اپنے معاہدے کو دیکھنے لگا تو معاہدہ خود بخود اپنا وجود کھو بیٹھا اور مسلمان اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

اب کفار کی ریشہ داندیوں نے سنے سنے رنگ اختیار کئے۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ مسلمانوں کیلئے گھروں میں نماز پڑھنا بھی مشکل ہو گیا۔ ان کا راستہ روکا جانے لگا۔ حتیٰ کہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو شدید مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مسلمان کا جذبہ ایمانی تھا کہ وہ ہر ذلک کو برداشت کر کے بھی سمجھتے تھے کہ یہ عین راحت ہے کیونکہ انہوں نے یہ آلام راوہ خداوندی میں خوشنودی مصطفیٰ ﷺ کی خاطر برداشت کئے۔ جب مسلمانوں پر کفار کے مظالم حد سے بڑھنے لگے تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جوشہ کی جانب ہجرت کا حکم دیا کیونکہ وہاں کا عیسائی حکمران نجاشی (جو بعد میں مسلمان ہو گیا) مسلمانوں کیلئے نرم گوشہ رکھتا تھا۔ اس ضمن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کے صاحبزادوں کو بھی ہجرت کے مراحل طے کرنے پڑے۔

جوشہ کی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کا مرحلہ آیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد جوشہ تو نہیں گئی تھیں مگر اب مدینہ کا سفر ان کا انتظار کر رہا تھا۔

”جب عام مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ملا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئیں۔ ہجرت کے موقع پر ان کے لخت جگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور پُر نور ﷺ انہیں اپنے بستر پر سلا کر سفر ہجرت پر روانہ ہوئے۔

ہجرت نبوی کے دو یا تین سال بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کے فرزند ولید بن ابی العاص کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اس موقع پر زوج و زوجہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:



کفی بنت رسول اللہ مقامیۃ الماء والذهب فی الحاجة

و یکفک الداخل لطحن والعجن

(فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ آتی ہیں، میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ پکلی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گے)

رحمتِ عالم ﷺ کو حضرت فاطمہ بنت اسد سے بڑی محبت تھی۔ آپ اکثر اُن سے ملنے کیلئے تشریف لے جاتے اور اُن کے گھر آرام فرماتے۔ حضور ﷺ نے کئی بار اُن کی شفقت، شرافت اور خصائلِ حمیدہ کی تحسین فرمائی۔ درِ منشور میں ہے:

”یہی فاطمہ ہیں جن کے فضائل و آثار کتبِ سیر میں مذکور ہیں۔“

مدینہ طیبہ میں آنے کے چار یا پانچ سال بعد حضرت فاطمہ بنت اسد انتقال فرما گئیں۔ یہ ایسی خبر تھی جس کو جناب رسولِ اقدس نے بڑے رنج و الم سے سنا۔ انہیں ایسے محسوس ہوا جیسے ایک مرتبہ پھر یتیم ہو گئے ہوں۔ آپ کی چشمانِ اقدس سے آنسوؤں کے دھارے پھونکنے لگے۔ دل میں سیدہ فاطمہ بنت اسد کی یاد جلوہ کر ہونے لگی۔ اُن کی محبتوں کی چاندنی جگمگانے لگی۔ آپ کے فکر و نظر نے اس موت کو شدت سے محسوس کیا۔ بلا تاخیر حضرت فاطمہ بنت اسد کے گھر روانہ ہو گئے اور موت کی آغوش میں جانے والی اس خاتونِ محترم کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے میری ماں! خدا آپ پر رحم کرے۔ آپ میری ماں کے بعد ماں تھیں، آپ خود بھوک رہتی تھیں مگر مجھے کھلاتی تھیں، آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی تھی لیکن آپ مجھے پہناتی تھیں۔“

اس کے بعد آپ نے غزوہ اہلِ خانہ کو اپنی قیصِ مبارک مرحمت فرمائی اور وصیت کی کہ انہیں میری قیص کا کفن پہناؤ۔



پھر آپ نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (جَبّ النبی) اور حضرت ابویوب
انصاری رضی اللہ عنہ (میزبانِ رسول) کو حکم دیا کہ جنت البقیع میں جا کر قبر کھودیں جب وہ قبر کا
اوپر کا حصہ کھود چکے تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم خود نیچے اترے اور اپنے دست مبارک سے لحد
کھودی اور خود ہی اس میں سے مٹی نکالی۔ جب یہ کام پورا ہو گیا تو ساری کوششیں صلی اللہ علیہ وسلم
کے اندر لیٹ گئے اور دعا مانگی:

”اللّٰہی! میری ماں کی مصفرت فرما اور ان کی قبر کو وسیع کر دے۔“

یہ دعا مانگ کر آپ قبر سے باہر نکلے تو شدتِ غم سے ریش مبارک ہاتھ میں پکڑ
رکھی تھی اور زخموں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ بنتِ اسد کی موت کو جس شدت
الم کے ساتھ محسوس کیا اور جس طرح انہیں ان کی وفات کے بعد سفرِ آخرت کی جانب
رواند کیا یہ بہت کم لوگوں کا مقدر بنتا ہے۔ یہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد کا کتنا بڑا اعزاز ہے
کہ اپنی قیص مبارک اُتار کر انہیں کفن دیا۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے وفات سے
پہلے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کرم فرمائی کی درخواست کی تھی جب آپ نے اُن کو اپنی قیص
کا کفن عطا کیا اور ان کی تدفین سے پہلے خود اُن کی قبر میں اتر کر لیٹ گئے تو لوگوں نے
اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ کسی نے میرے ساتھ اس قدر مہربانی نہیں
کی میں نے اپنی قیص انہیں اس لئے پہنائی ہے کہ جنت میں انہیں حدّ ملے۔ قبر میں اس
لئے لینا کہ خداوندِ قبر میں آسانی ہو۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو فاطمہ بنتِ اسد پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔“

کس قدر سعید قسمت ہیں حضرت فاطمہ بنتِ اسد ؓ کہ جنہیں حضور نے اپنے لباسِ مبارک کا کفن عطا فرمایا، جس کے جسم سے ہمیشہ کیلئے حضورِ اقدس ﷺ کا لباسِ اطہر مَس ہو جائے اس کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا۔

اور یہ سعید بخشی ہمیشہ وقت کا اعزاز بنی رہے گی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اس چچی کی قبرِ اطہر میں پہلے خود لیٹے، قبر کی زمین پہلے حضور ﷺ کے وجودِ پاک سے مَس ہوئی اور پھر یہ بہشتی گوشہ لہ حضرت فاطمہ ؓ بنتِ اسد کا مقدر بنا۔



رہے تیرا اعزاز اے فاطمہؓ
 وہ دیں کی ہم راز اے فاطمہؓ
 تری زندگی تھی محمدؐ پہ داری
 تھی آقا کی دم ساز اے فاطمہؓ



حضرت حلیمہ سہریہ ؓ

بڑی تو نے عظمت ہے پائی حلیمہ
 بنی جب کہ آقا کی دائی حلیمہ
 تھے اُوروں کی قسمت میں اُوروں کے بچے
 محمد سی رحمت تو لائی حلیمہ
 مقدر کی جانب سے حصہ ترا تھا
 جو توقیر تو نے ہے پائی حلیمہ
 ترے جانور تیز تر بھاگتے تھے
 حبیبِ خدا لے کے آئی حلیمہ
 ترے گھر میں خوشیاں اتر آئیں یکدم
 جو آقا نے برکت دکھائی حلیمہ
 بنو سعد میں ہر طرف ہی کرم تھا
 سعادت ترے گھر جو چھائی حلیمہ
 شہرِ دین کی نسبت سے تو محترم ہے
 تری شان رب نے بڑھائی حلیمہ
 رضا کے ہے لفظوں میں شانِ عقیدت
 بہر سو ہے تری بڑائی حلیمہ

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

حلیمہؓ تو نے کیا کیا مرتبے ہیں پائے
کہ تیری گود میں سرکارِ ختم المرسلین آئے
تری خوش قسمتی ننھے محمدؐ نے چُنا تجھ کو
تجھے اعزاز دینے کو شفیع اللہ نہیں آئے

شرفائے عرب میں دستور تھا کہ بچوں کو ماں کے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ اکثر پرورش کیلئے دوسری عورتوں کو دے دیتے یا قرب و جوار میں دے دیتے۔ وہ صحرائی قبیلوں کا انتخاب کرتے تاکہ اُن کا بچہ زمانے کے گرم و سرد سہہ کر کو آئندہ دُور میں بُلندی کر دار ادا کر سکے۔ وہ دایا کا شجرہ نسب، خاندان، قبیلہ دیکھتے تاکہ اُن کے بچے میں کردار کی بُلندی اور ارادوں کی پختگی پیدا ہو۔ اُن کا کردار قابلِ توصیف ہو اور وہ جوان، نوجوان اور بہادری و دلیری میں یکساں ہوں۔

جب چند سال گزر جاتے تو بچوں کی پرورش کرنے والی عورتیں ان بچوں کو والدین کے سپرد کر دیتیں جہاں سے انہیں اکرامات و انعامات سے نوازا جاتا اور پھر وہ دوسرے نوجوانوں کا انتخاب کر کے انہیں ہمراہ لے جاتیں۔

حضور محبوبِ دو عالم ﷺ نے جس خاتون کی گود میں پرورش پائی تھی اُس کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔ خاوند کا نام حارث بن عبد العزیٰ تھا۔ حضرت حلیمہ کا تعلق قبیلہ بنو سعد سے تھا جو حِمْیَر کی بیان کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ فصاحت و بلاغت اور شانِ گویائی میں بھی عظیم الظہیر تھا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:

”اللہ نے مجھ کو تمام عرب میں سے بڑا فصیح بتلایا ہے۔ ایک تو ہمارا قبیلہ

خلافتِ مہم اور شوکتِ زبان میں یکساں ہے دوسرے میری پرورش غنی سحر میں ہوئی ہے جس کی فصاحت و بلاغت عرب میں مشہور ہے۔“

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے پیدائش کے بعد سات دن تک والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ پھر حضرت ثویہؓ نے چھ دن دودھ پلایا۔ اسی اثناء میں قبیلہ بنو سحر کی چھ عورتیں بچے لینے کیلئے مکہ میں آگئیں جن میں حضرت حلیمہ سحر یہ بھی تھیں۔ دوسری سب عورتیں مالدار گھرانوں کے بچے لے کر چلیں لیکن حضرت حلیمہ کو کوئی بچہ نہ ملا۔ واپس جانے والی تھیں کہ معلوم ہوا کہ سردارِ قریش حضرت عبدالطلب کا ایک یتیم پوتا ہے۔ خاوند سے مشورہ کیا کہ یہ بچہ تو یتیم ہے باپ وقات پا چکا ہے ہمیں کیا ملے گا۔ البتہ اس کے دلوانہایت حالی نسب اور عالی مرتبت ہیں لیکن کا دھار اور بدبہ ہے شرافت اور نجابت ان کے چہرے سے چھٹی ہے بچہ بذاتِ خود انتہائی حسین و جمیل ہے اس کی ماں خود حسن و جمال کی بیکار ہے جیسا عاری محنت خالق نہیں جائے گی۔ دونوں میاں بیوی نے آپس میں گفتگو کی اور حضرت حلیمہ فرمایا کہ بچے کو لے آئیں۔ حضرت آمنہؓ نے فرمایا ”تم نہیں جانتیں کہ کتنی بڑی سعادت سمیٹ کر لے جا رہی ہو۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا جب یہی بچہ تمہارے لئے خوش بختیوں کے دروازے کھول دے گا۔“ حضرت حلیمہ کو ابھی کیا خبر تھی کہ جس بچے کو اٹھا کر وہ لے کر آ رہی تھیں وہ دنیا و دین کا سرِ مولا ہے۔ نبیِ آخر الزماں ہے اسے دودھ پلا کر وہ تاریخِ ساری مقام حاصل کر لیں گی اور انہیں وہ نعمتیں عطا ہوں گی جو اس سے قبل کسی دلیلا پرورش کرنے والی کا مقدر نہیں بنیں۔

جب حلیمہ حضرت عبدالطلب کے پاس پہنچی تو انہیں نے فرمایا ”تیرا ہم یہ ہے۔“

انہوں نے کہا ”حلیمہ“

فرمایا تیرا قبیلہ کیا ہے؟

عرض کیا: میرا قبیلہ بنو سعد ہے۔

حضرت عبدالمطلب فرط مسرت سے بولے:

حلم اور سعد دونوں اکٹھے ہو گئے۔

پھر حضرت عبدالمطلب نے فرمایا ”علیمہ! یہ میرا پوتا ہے، میں اس کا کفیل ہوں۔ تمہاری قوم کی عورتیں اسے دیکھ کر چھوڑ گئیں۔ شاید اُن کے دل میں خدشہ ہو گا کہ اس یتیم کی رضاعت کا عوضانہ ہمیں کیا ملے گا۔ تو اسے لے جا اور پھر دیکھ خدا کے انعامات تجھ پر کس طور نازل ہوتے ہیں؟“

حضرت علیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب میں ننھے محمد ﷺ کو لینے کیلئے اس کو ثعربی میں گئی جہاں حضور گہوارے میں پڑے تھے تو میں نے دیکھا کہ بہت سفید صُوف کا کپڑا آپ کے اوپر اور بزریشی پارچہ آپ کے نیچے ہیں اور آپ کا رُخ آسمان کی طرف ہے اور آپ سے کستوری کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑی نرمی کے ساتھ آپ کے سینے پر رکھا تو آپ مُسکرائے اور آنکھیں کھولیں، اُن سے نورانی شعاعیں نکل کر آسمانوں کو روشن کرتی گئیں۔ میں نے دیکھ کر آپ کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور آپ کو اٹھالیا۔ پھر میں نے آپ کو گود میں لے کر اپنا دہنا دودھ آپ کے منہ میں دیا تو آپ نے جتنا چاہا پی لیا پھر میں نے آپ کا رُخ دوسرے دودھ کی طرف پھیرا تو آپ نے نہ بپا کیونکہ میرا ایک اور بچہ بھی دودھ پیتا تھا۔ آپ کی طبیعت میں بچپن ہی سے عدل و انصاف کی جلوہ گری تھی اس لئے آپ نے رضاعی بھائی کا حصہ چھوڑ دیا۔

حضرت علیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس بچے محمد ﷺ کی برکت سے ہماری حالت ہی بدل گئی۔ میری چھاتیوں میں دودھ کم تھا، میرا اپنا بیٹا روتا رہتا تھا مگر میری چھاتیوں میں اتنا دودھ اتر آیا کہ دونوں نے خوب خوب پیا۔ ہماری اُونٹنی جس کے صُغن

ٹھنک ہو گئے تھے اُس کے قہن دودھ سے بھر گئے اور اس کی کمزوری دُور ہو گئی۔ ہمارا مرل
 گدھا جو سارے قافلے کے پیچھے چلا اس قدر تیز رفتاری سے چلا کہ سارے اہل قافلہ
 حیران رہ گئے۔ ہماری اُونٹنی دیکھتے ہی دیکھتے فریبہ ہوتی گئی۔ اُس کے قہنوں سے ہم بار
 بار دودھ پیتے تھے مگر وہ ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔ مگر بچے تو ہماری مرل بکریوں میں
 جان آ گئی اُن کے جسم فریبہ ہو گئے۔ ٹھنک قہن دودھ سے لبریز ہو گئے۔ گاؤں کے
 دُوسرے جانوروں کا دودھ بدستور ٹھنک تھا سب عورتیں میری طرف رشک کی نگاہوں
 سے دیکھتی تھیں کہ جسے ہم جیم ہونے کی وجہ سے چھوڑ آئی تھیں وہ تو حلیمہ سہیہ کے
 پورے گھرانے کے لئے سراپا برکت و رحمت اور خوش بخشی کی علامت بن گیا ہے۔
 حضرت حلیمہ سرور خوش تھیں کہ اس قدر بڑی سعادت اُن کا مقدر بن چکی ہے۔ ہمارے
 جانور جہاں گھاس چرتے وہاں سُکھی ہوئی گھاس بھی ہری ہو جاتی۔ سب گاؤں والے مجھ
 سے اجازت لے کر اپنے جانور بھی میرے جانوروں کے ساتھ چرانے لگے۔ خُدا کی
 قدرت کہ جب اُن جانوروں کو اچھی خوراک ملی تو اُن کے قہنوں میں بھی دودھ اُتر آیا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ دو سال تک جب تک آپ دودھ پیتے رہے ہم نے
 خیر و برکت سے گزارے اور اس اثناء میں ہمارے مال و متاع میں روز افزوں ترقی ہوتی
 گئی اور حضور کی نشوونما بھی حیرت انگیز تھی۔ وہ دو سال کی عمر میں اپنے سے بڑے بچوں
 کے مقابلہ میں طاقتور و توانا اور قد و قامت میں دو بالا دکھائی دیتے تھے۔ ابھی دو ماہ کے
 تھے تو محکم خانہ میں ہر طرف پھرنے لگے۔ تین ماہ کے ہوئے تو پاؤں کے بل اٹھ کھڑے
 ہوئے۔ چار مہینے کے ہوئے تو دیوار کے سہارے چلنے لگے۔ نو ماہ کے ہوئے تو نہایت
 فصاحت سے گفتگو فرمانے لگے۔ دس ماہ کے ہوئے تو لڑکوں کیساتھ تیر اندازی کرنے
 لگے۔ کوئی نشانہ خطا نہیں جانتا تھا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین)



حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے گھروالے اس بَلَد نصیب بچے پر سو جان سے قربان تھے اور نہایت محبت و شفقت سے حضور ﷺ کی پرورش کرتے تھے جب حضور ﷺ دو سال کے ہوئے تو حضرت حلیمہ انہیں لے کر سیدہ آمنہ کے پاس آئیں وہ خوشی سے نہال ہو گئیں۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ”سیدہ! اس وقت کئے کی آب و ہوا بہت خراب ہے مجھے ڈر ہے بچہ بیمار نہ ہو جائے۔ مجھے اسے واپس لے جانے ویں پھر جب حالات بہتر ہو جائیں گے تو بچے کے ہمراہ حاضر خدمت ہوں گی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے بخوشی اجازت دے دی اور یہ حضور ﷺ کو دوبارہ قبیلہ بنو سعد میں لے آئیں۔ حضرت حلیمہ سیدہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو کھلاتے وقت جو لوری دیا کرتی تھیں اُس کا ترجمہ یوں ہے:

”اے خدا! اگر تُو نے ان کو میرے پرورد کیا ہے تو ان کی حسبِ طلب مدد فرما۔ انہیں علم و بزرگی کی بَلندی اور ارتقا نصیب فرما“ انہیں شیاطین اور اُن کے شر سے محفوظ رکھ جیسا کہ ان کا حق ہے۔“

پانچ برس تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبیلہ بنو سعد میں حضرت حلیمہ کے سایہِ رحمت میں پرورش پائی۔ حتیٰ کہ واقعہ شق الصدر پیش کیا۔ ایک روز حضرت حلیمہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے دو بچے جو حضور ﷺ کے ساتھ باہر کھیلنے یا بکریاں چرانے گئے تھے دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے اور کہا: دو سینہ پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے اور قتل کر ڈالا۔ حضرت حلیمہ کی جان ہی نکل گئی، میاں بیوی دونوں بے تابانہ اس طرف دوڑے۔ دیکھا کہ حضور ﷺ سلامت ہیں لیکن چہرہ اقدس کی رنگت متغیر ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو گلے لگالیا اور پوچھا: کیا ہوا تھا؟ حضور نے فرمایا ”دو سفید پوش آدمی میرے پاس آئے مجھے چت لگا کر میرا سینہ چاک کیا۔ اس میں سے میرا

دل سے اور عمارت میں سے کوئی چیز نکال لی پھر میرے دل کو چنے میں رکھ کر کھڑت کر دیا۔
 حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند یہ سارا واقعہ سن کر گھبرا گئے۔ حیران و
 پریشان ہو گئے کہ کہیں اس بچے کو شدید گزند ہی نہ پہنچ جائے۔ مشورہ کیا اور حضور ﷺ کو
 ساتھ لے کر مکہ پہنچے اس وقت حضور ﷺ کی عمر پانچ سال اور مدون کی تھی انہوں نے
 نہ چاہے ہوئے بھی کونین کی اس سب سے قیمتی دولت کو ان کی اتنی جان سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا
 کے پرورد کر دیا۔ ساتھ ہی واقعہ شوق الصدور بھی تفصیل سے بیان کیا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے
 یہ سکون اعجاز میں فرمایا:

”تمہیں اندیشہ ہے کہ کوئی شیطان یا جتن اس بچے کو گزند پہنچائے گا ہرگز نہیں
 میرا بیٹا دنیا میں ایک عظیم الشان ہستی بنے گا ہے۔ یہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا اور خدا
 اس کی ہر حالت میں حفاظت کرے گا۔“

پھر سیدہ نے حضور ﷺ کی یدائش سے پہلے کے اور یدائش کے وقت کے
 چند عجرات بیان کئے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن اس نعمت کو ان کی
 والدہ ماجدہ کے پرورد کر کے دیکھیں چلی آئیں۔ سرورِ قریش حضرت عبدالصاحب نے
 حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا کچھ خاص ہوا کرام میں دیا کہ جس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔
 حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے پھر ایک عرصہ بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس شان
 سے دیکھا جب ان کا اسلام عالم عرب کا مقدس چکا تھا اور اسلام کا پیغام عرب کے صدر
 سے بلند ہو کر دوسرے علاقوں تک پہنچ رہا تھا۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے یہی زندگی پائی۔
 شاید خدا نے ان کو اس بچے کا ظاہری غروج بھی دکھانا تھا جس کی انہوں نے یہ سوں
 پرورش کی تھی لیکن اللہ نے محمدی حکمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے نہ ایک مرتبہ ایک
 صحت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اسے دیکھا تو حضور ﷺ نے اُنھیں



ہوئے۔ آپ کے لیوں پر جاری تھا ”میری ماں میری ماں“ پھر آپ نے اپنی چادر بچائی اور اس پر اس خاتون کو احرام سے بٹھایا۔ یہی حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضور ﷺ اس سے پہلے بھی حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو نوازتے رہے تھے جب حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے علاقہ میں قحط سالی کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے ان کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عطا فرمایا۔ اس طرح ایک مرتبہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ان کو کئی اونٹنیاں مرحمت فرمائیں جن کو لے کر وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی گئیں۔

”اصابہ“ میں رقم ہے کہ جب غزوہ حنین کے بعد حضور ﷺ ”معرانہ“ میں تشریف فرما تھے تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے چادر مبارک پر بٹھایا اور بے پناہ مکریم کی۔ بہر حال یہ امر طے ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کئی بار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انعامات سے نوازی گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اتنا نوازا کہ دوسرے پھر بچوں کی پرورش کرنے والی کوئی خاتون ان نوازشات کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

قیاس غالب یہی ہے کہ حضرت حلیمہ شرفِ صحابیت اور قبیلِ اسلام سے ضرور شرف ہوئی ہوں گی۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ وہ حضور ﷺ سے حد درجہ محبت بھی رکھتی ہوں۔ آپ کی ظاہری عظمت اور روحانی شوکت دیکھیں اور اسلام نہ لائیں۔ وہ تو عالم بچپن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات سے بہرہ اندوز ہو چکی تھیں۔ امام سیوطی لکھتے ہیں کہ ان کے خاوند حارث رضی اللہ عنہ حضور کی بعثت کے بعد ایک دفعہ مکہ آئے تو انہوں نے مشرکین مکہ کے بہکانے کے باوجود اسلام قبول کر لیا اور تازیت اس پر ثابت قدم

رہے۔ ظاہر ہے کہ حارث رحمۃ اللہ علیہ کے قولیت اسلام کے بعد حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے اسلام قبول کرنے میں کوئی شک ہی نہیں رہ جاتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سراپا نور تھے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے بچپن کا خوب مشاہدہ کیا تھا اور وہ تمام برکات خوب سمیٹی تھیں جو آپ پر خدا کی طرف سے نازل ہوتی تھی۔ یہ کیا کم ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

”جب سے ہم آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال کو کھلائے ہیں ہم رات کو چراغ جلانے کے محتاج نہیں رہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا نور چراغ کی روشنی پر غالب تھا۔
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ہی کا ارشاد ہے:

”جس روز ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آئے تو ہماری قوم کا کوئی گھرا یا نہ تھا کہ جس سے کستوری کی خوشبو نہ آ رہی ہو اور اہل دیہہ کے دلوں میں آپ کی برکت کا اس قدر یقین ہوا کہ اگر کسی کو کوئی دکھ درد ہوتا تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر جائے درد پر رکھ دیتا۔ آپ کے دست مبارک کی برکت سے فوراً شفا پاتا۔ اسی طرح اگر کسی کے اونٹ بکری کو کوئی بیماری ہو جاتی تو آپ کا ہاتھ لگانے سے فوراً آرام آ جاتا۔“

(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۵۶)

مطر ہوا جس کی خوشبو سے گھر
یہ کس باغ سے پھول لاتی حلیمہ
بڑی تو نے توقیر پائی حلیمہ
کہ ہے تو محمد کی دانی حلیمہ



حضرت اُمّ ایمنؓ

وہِ والا نے جن کو ماں کہا وہِ اُمّ ایمن تھیں
 وقار و عظمتِ ایمان تھیں رحمت کا بزمِ تھیں
 خزاں کے ظلم سے ہر گز کبھی مُرجھا نہیں سکا
 اُبد تک جو مہکا ہی رہا ہے ایسا ٹکس تھیں
 جنابِ زیدؑ جیسے ضیغِ اسلام کی زب
 رضائے مُصطفیٰؐ سے جو مہکا ہے وہِ دامن تھیں
 فدائے سرورِ کونین تھیں ہر آنِ ہر لمحہ
 لٹائے روشنی عشقِ نبی کی ، ایسا بزمِ تھیں
 نبی پاک پر داری تھیں بچپن سے وہِ آخر تک
 تصدّقِ اسمِ سلطانِ دو عالم پر ہمہ تن تھیں
 رہے قسمتِ انہوں نے پرورش کی شاہِ والا کی
 اسی خاطر سراپا محترم ، تھیں اور احسن تھیں
 مُجانبِ نبی اُن کو ادب سے یاد کرتے تھے
 رضا اعدائے احمد کی وہِ ہر حالت میں دشمن تھیں

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو کئی اعزازات حاصل ہیں۔ صحابیہ ہونے کا شرف بے پناہ عزت و توقیر اور حکمت کا حامل ہے لیکن جس اعزاز پر آپ ہمیشہ فخر کرتی تھیں وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ آپ کو آتی کہہ کر چکارا کرتے تھے کیونکہ سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا (مادرِ رسولِ محترم) کے وصال کے بعد حضرت اُمّ ایمن نے آپ کی جی بھر کر خدمت کی۔ حضور ﷺ ان کو دیکھتے ہی فرمایا کرتے تھے ”اُمّ ایمن میری ماں ہیں۔“ حضور ﷺ ان کی طرف نظر کرتے تو فرماتے:

هَلْ يَوْمَئِذٍ أَهْلٌ لِّنَحْنِ

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ کی ہر ممکن طریق سے خدمت کی تھی۔ اس لئے انہیں حضور ﷺ پر بہت ناز تھا۔ رسول کریم ﷺ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے شربت پیش کیا۔ آپ روزے سے تھے اس لئے بہت ناراض ہوئیں مگر رسول کریم ﷺ نے صورتِ حال سے انہیں آگاہ کر کئی امی کہہ کے منایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ سے حراج بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ سے اونٹ مانگا کیونکہ میرے پاس سواری کا کوئی جانور نہیں ہے تو حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: اونٹ کا بچہ پیش کر دیتا ہوں۔ آپ نے قدرے غصے سے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اونٹ کا بچہ نہیں اونٹ درکار ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”امی! آپ کو اونٹ کا بچہ ہی ملے گا۔ مگر اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے بچے کی کیا ضرورت ہے میں تو اونٹ ہی لوں گی۔ اتنی دیر میں حضور ﷺ کا اشارہ پا کر ایک غلام اونٹ لے کر آیا اور

اُس کی مہار اُم ایمن رضی اللہ عنہا کو تھا وہی اور پھر فرمایا ”ای ہر اُونٹ اُونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔“
حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا صورتحال کو سمجھ کر مسکرائے لگیں۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کا نام برکتہ تھا۔ والدہ کا نام ثلثہ بن عمرو تھا جو حبش کے رہنے والے تھے۔ اُم ایمن حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے بن شعور کو پہنچی چکی تھیں اور بچپن سے حضور ﷺ کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ساتھ کنیز کے طور پر رہتی تھیں۔ حضرت عبداللہ فوت ہوئے تو حضرت آمنہ کی خدمت کرنے لگیں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ہوئی تو آپ حضرت آمنہ کی خدمت گیری پر مامور تھیں۔ حضور ﷺ ولادت کے بعد پانچ یا چھ برس تک حضرت علیہ سعیدہ کے پاس پرورش پاتے رہے پھر انہوں نے آپ کو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصہ گُزرا تو حضرت آمنہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کے ہمراہ یثرب (مدینہ منورہ) تشریف لے گئیں۔ حضرت آمنہ خاندانِ بنو نجار کے ہاں مقیم ہوئیں جو حضور کے دادا کا نہال تھا۔ حضرت آمنہ نے مدینہ منورہ میں ایک مہینہ قیام کر کے اُم ایمن کے ساتھ واپسی کی ثنائی۔ مقام ابواء کے قریب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اچانک بیمار ہو گئیں اور دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ ننھے حضور ﷺ کتنے بڑے صدمے سے دوچار ہوئے ہوں گے اور آپ نے اور اُم ایمن نے یہ صدمہ کیسے برداشت کیا ہوگا؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے بڑے صبر و حوصلہ سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو وہیں سپردِ خاک کیا اور حضور ﷺ کو لے کر حضرت عبدالمطلب کے پاس حاضر ہوئیں جنہوں نے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اور پرورش پر مامور کر دیا۔ عَلَّامہ ابن سعد کی روایت کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور ننھے حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ پر قیام کے دوران حضرت آمنہ ایک بات بطورِ خاص طور پر فرماتی رہیں۔ وہ فرماتی تھیں۔

”قیامِ مِثرب کے دوران میں یہودی کی ایک جماعت آ کر نئے حضور ﷺ کو دیکھا کرتی تھی۔ ایک دن میں نے ایک یہودی کو یہ کہنے سنا کہ یہ لڑکا آخری نبی مَطُوم ہوتا ہے اور بھی شہر ہے جہاں وہ ہجرت کر کے آئے گا۔“

جب آقا و مولا جان ہوئے تو اُمّ ایمن و رابعہ بطور کنیز آپ کے حصے میں آئیں مگر آپ نے ان کو فروما دیا۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر عبید بن زید تھے جو مِثرب کے خاندانِ حارث بن خرزج سے تعلق رکھتے تھے۔

عبید زمانہ جاہلیت میں مِثرب سے مکہ آ کر مقیم ہو گئے تھے، یہیں اُن کا نکاح اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد وہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ مشرف باسلام ہو گئے تھے کیونکہ بعض روایتوں میں ان کو صحابی اور انصاری بھی لکھا گیا ہے۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد عبید اُمّ ایمن کو ساتھ لے کر مِثرب چلے گئے۔ وہاں ان کے حلب سے مشہور صحابی حضرت ایمن پیدا ہوئے۔ عبید بیٹے کی ولادت کے بعد زیادہ عرصہ زعمہ نہ رہے اور انہوں نے ہجرتِ نبوی سے کئی سال قبل مِثرب میں ہی وفات پائی۔

جنابِ عبید کی وفات کے بعد حضرت اُمّ ایمن اپنے خود سالِ فرزندِ ایمن کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اُن کی ہر طرح سے دلجوئی فرمائی۔ ایک دن صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمایا:

”اگر کوئی شخص جنت کی عورت سے عقد کرنا چاہے تو وہ اُمّ ایمن سے نکاح کرے۔“

حضور ﷺ کا ارشاد اُن کر آپ کے محبوبِ خاص حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ نے حضرت اُمّ ایمن سے نکاح کر لیا۔ ۷ بعثت میں حضرت اُمّ ایمن کے بطن سے حضرت

اُسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ اپنے جلیل القدر والد کی طرح انہیں بھی حبِ الہی بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت اُم ایمن ابتدائی دور ہی میں مسلمان ہو گئیں تھیں۔ اس لئے آپ کو السابقون الاولون ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مکہ میں اس دور میں اسلام قبول کرنا اور اس کا اعلان کرنا خود کو مصائب کے حوالے کرنے کے مترادف تھا۔ جو مسلمان ہو جاتا اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے۔ ایسا ہی بدترین سلوک حضرت اُم ایمن کے ساتھ بھی ہونے لگا۔ ظلم و ستم کی انتہاء ہونے لگی تو محبوبِ دو عالم ﷺ نے ۵ نبوی میں مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی۔ جب مدینہ منورہ میں امن و راحت سے زندگی بسر کرنے کے اسباب پیدا ہو گئے تو آقائے رحمت نے مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت اُم ایمن بھی ایسے ہی مہاجرین میں شامل تھیں۔ وہ چند سال حبش میں قیام کرنے کے بعد غزوہٴ اُحد سے پہلے مدینہ منورہ واپس آئیں لیکن حافظہ ابن عبد البر طبرانی اور بلاذری نے لکھا ہے کہ وہ ہجرت نبوی کے وقت مکہ ہی میں مقیم تھیں۔ چند ماہ بعد ان کے شوہر حضرت زید بن حارثہ (جو ان سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے) مکہ آئے اور اُم المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت اُم ایمن اور اپنے فرزند حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ مدینہ لے گئے۔

غزوہٴ اُحد ۳ ہجری کے وقت اگرچہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کافی معمر تھیں لیکن ان کے دل نے گوارا نہ کیا کہ گھر میں بیٹھی رہیں۔ چنانچہ وہ ان خواتین میں شامل ہو گئیں جو مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں اور مریضوں کی حصار داری کرتی تھیں۔ اُحد کے بعد وہ غزوہ

خیر میں شریک ہوئیں اور یہی خدمتِ انجام وی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کے صاحبزادے یمن بھی اس جنگ میں ان کے ساتھ شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑ کر شہید ہو گئے لیکن اکثر مؤرخین کے مطابق ان کا نام غزوہٗ اُحد کے شہداء میں نہیں ملتا۔ ابنِ اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ کی شہادت غزوہٗ حنین میں ہوئی۔

جنگِ موتہ میں حضور ﷺ نے انہیں لشکرِ اسلام کا سالار بننا کر بھیجا وہ کفار سے بڑی بہادری سے لڑے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت محمد ﷺ نے ان کی شہادت کے غم کو بہت محسوس کیا۔ اہلِ یمن کو قتلِ دی، حضور ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اُسامہ بن زید سے بہت پیار کرتے تھے اور وہ جب رسول اللہ (رسول اللہ کے محبوب) مشہور ہے۔ آپ اپنے شہزادوں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی طرح حضرت اُسامہ سے بھی خصوصی شفقت فرماتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نے ایک رات پر امام حسین اور ایک پر اُسامہ کو بٹھا رکھا تھا اور فرما رہے تھے۔

”خدا! میں دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما“

بعض شراکینوں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے مشہور کر لکھا تھا کہ اُسامہ زید کی حلیہ ہی نہیں۔ حضور سخت آزرده ہوئے۔

اسی زمانے میں اہلِ بائعہ سے ایک دن عرب کا مشہور قیافہ شناس مجرّم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ سر سے پاؤں تک ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں کے صرف پاؤں چادر سے باہر تھے۔ حضور ﷺ نے مجرّم سے فرمایا ”ذرا بتاؤ تو ان پاؤں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟“ مجرّم نے پاؤں پر نظر ڈالی اور عرض کی ”یہ باپ اور بیٹا ہیں“۔ اس کا جواب سن کر حضور ﷺ کو بڑی مسرت ہوئی اور حاسدین کی زبان ہمیشہ کیلئے بند ہو گئی۔

اب ۱۰ھ آپؐ پہنچا۔ حضور ﷺ کے وصال کے دن قریب آرہے تھے پھر بھی آپؐ نے جنگ موتہ کا بدلہ لینے کیلئے ایک لشکر تیار فرمایا جس میں حضرت صدیق اکبرؓ عمر فاروقؓ اعظمؓ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ حضور ﷺ کی رحمت نوازی نے اس لشکر کی قیادت حضرت أسامہ بن زید کو عطا فرمائی۔ آپؐ نے لشکر کو الوداع کہا ہی تھا کہ حضور ﷺ کی علالت کی خبر عام ہو گئی۔

حضرت اُم ایمنؓ خاندانِ ہاشمی کے بہت سے مرد اور عورتوں کا وقتِ آخر دیکھ چکی تھیں۔ حضور ﷺ کی بیماری میں کچھ ایسی علامات پائیں کہ انہیں یقین ہو گیا کہ اب حضور ﷺ اس دارِ فانی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ فوراً حضرت أسامہ کے پیچھے آدی دوڑا یا کہ حضور ﷺ ہمیں داغِ مفارقت دے رہے ہیں۔ فوراً مدینہ آؤ۔ چنانچہ حضرت أسامہؓ بعض دوست صحابہ کرام کے ہمراہ فوراً حُزُف سے مدینہ واپس آ گئے اور حضور کے وصال کے بعد آپؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔

حضرت اُم ایمنؓ کو حضور ﷺ کی رحلت سے سخت صدمہ پہنچا۔ فرطِ الم سے غمِ حال ہو گئیں ان کا رونا تھمتا ہی نہیں تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا ”رَسُولُ اکْرَمِ اللّٰہِ کیلئے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے“۔ حضرت اُم ایمن نے جواب دیا ”یہ تو مجھے معلوم ہے روتی میں اس لئے ہوں کہ وہی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا“ یہ سن کر حضرت صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ پر رقت طاری ہو گئی اور دونوں رونے لگے۔

یہ روایت صحیح مسلم کی ہے، طبقاتِ امینِ سعد میں ہے کہ لوگوں نے حضرت اُم ایمنؓ کو سمجھایا تو کہنے لگیں ”یہ تو میں جانتی تھی کہ رسول اللہ سے مفارقت ہو گئی لیکن

رونا مجھے اس بات پر آتا ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حضور ﷺ کے پاس انصار کے دیئے ہوئے بہت سے ٹکستان تھے جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر غلبہ حاصل ہوا تو حضور ﷺ نے انصار کو اُن کے ٹکستان واپس کرنا شروع کئے اُن میں سے کچھ ٹکستان حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھی تھے جو حضور ﷺ نے اُمّ ایمن کو عطا کر دیئے تھے جب حضور نے یہ ٹکستان حضرت انس رضی اللہ عنہ کو واپس لوٹائے اور وہ ان کا قبضہ لینے گئے تو حضرت اُمّ ایمن اُن کے واپس دینے میں متردد ہوئیں۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے ان باغات سے دس گنا زیادہ عطا فرما کر اُمّ ایمن کو راضی کر دیا۔

صاحبِ طبقات علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین کے عہدِ خلافت میں مجبور کے درختوں کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ایک درخت ایک ہزار پرائیوٹ تھا۔ اسی زمانہ میں ایک دن حضرت اُسامہ بن زید نے ایک درخت کی بیڑی کھوکھلی کر کے اُس کا مغز نکالا۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا ”یہ آپ کیا کر رہے ہیں کہ اتنے قیمتی درخت کو ضائع کرتے ہیں۔“ حضرت اُسامہ نے جواب دیا:

”میری ماں نے اس کی فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کا حکم دیتی ہیں میں اس کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُمّ ایمن، حضرت عثمان کے عہدِ خلافت تک زندہ تھیں اور صحیح یہی ہے کہ انہیں کے دورِ خلافت میں انہوں نے بڑی طویل عمر کے بعد وفات پائی۔ ان سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابن عبد اللہ اور ابو یزید مدنی شامل ہیں۔

زمانہ کہیں سے کہیں سفر کر جائے اور حالات کی گردشیں وقت کو چاہے جس



طرف لے جائیں۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ مبارک حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو بے پناہ عزیز تھیں۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے وقت کا شہادہ عبد اللہ میں وایہ کی خدمات انجام دی تھیں۔ ننھے محمد رسول اللہ ﷺ کو لوریاں دی تھیں۔ حضور ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ چلے گئے تو آپ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی شبِ دروز دل لگا کر خدمت کرتیں۔ ان کے خاندہ حضرت عبد اللہ وصال فرما چکے تھے۔ یہ حضرت آمنہ کی خوبِ خوب و لجوئی کرتیں۔ حضرت عبد المطلب بھی آپ کو بہت عزیز جانتے تھے۔ باوجودیکہ یہ کثیر تھیں انہیں ان کی خدمات اور عقیدت کی وجہ سے انہیں خاندانِ ہاشمی کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا۔ پھر جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضرت محمد ﷺ کو واپس اُن کی امی کے پاس چھوڑ گئیں تو آپ پھر سے حضور ﷺ پر دل و جان سے نثار ہونے لگیں۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے نہ صرف حضور ﷺ کو گودوں کھلایا تھا اور آپ کی پرورش کی تھی بلکہ آپ کے والدہ والدہ چچا دادا اور دوسرے بزرگوں کی آنکھیں بھی دیکھی تھیں۔ اس لئے حضور ﷺ ان کی محبت میں کوئی کمی آنے نہیں دیتے تھے اور ان کی ہر فرمائش کو پورا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نہایت بہادر اور شیر دل خاتون تھیں۔ غزواتِ نبوی ﷺ میں کئی بار لشکرِ اسلام کے ساتھ گئیں، زخمیوں کو پانی پلاتیں، مجروحین کی امداد کرتیں، دوسری چند صحابیات بھی ان معرکوں میں آپ کے ہمراہ ہوئیں۔ اُن کے ساتھ مل کر آپ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور بعض اوقات نبی کریم ﷺ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچاتیں، چونکہ آپ نبی کریم ﷺ کو بے حد عزیز تھیں اور حضور ﷺ آپ کو امی کہہ کر پکارتے تھے اس لئے دیگر صحابہ بھی آپ کی بہت زیادہ عزت کرتے۔ آپ کو جتنے خلفائے راشدین کا زمانہ میسر آیا اُن سب نے آپ کو عزت و توقیر سے نوازا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب

وہ کونین کی پوچھی فدا تھی شاد والا پر
 حافظ دین احمدؒ کی فدائے رحمت و اور
 بہادر تھیں شجاع و شیر دل تھی حسنِ فطرت تھیں
 شہ کونین کی تھی ذات اُن کی فکر کا عود
 عودِ مصطفیٰ کو تھی محبت آپ سے بے حد
 نوازا سرورؐ دیں نے دعاؤں سے انہیں اکو
 ہیں خدق کی لڑائی میں ہویدا مجراتیں اُن کی
 جو سر کاٹا یہودی کا تو محبت چھائی باطن پر
 بہادر تھیں کہ اُن پہ غازیوں کو رشک آتا تھا
 یہ تھیں مجراتِ دلیری اور شجاعت کی جیسے منظر
 انہوں نے اپنے بیٹے کو کچھ اس انداز سے پالا
 حواری بن گئے حضرت زہدؒ اسلام کے رہبر
 رضا سیرتِ صفیہؒ کی ہے شمع نور کی صورت
 کہ اُن پر مہرباں ہر آن تھے کونین کے سرور

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سردارِ قریش حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بھی تھیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے تمام زعمی بے پناہ محبت کی۔ ضرورت پڑی تو ان پر جان بھی نچا اور کرنے سے دریغ نہ کیا۔ آپ نہایت ذہین، معاملہ فہم اور دور اندیش خاتون تھیں۔ بہادری اور دلیری کے اوصاف خاندانی ورثہ تھے۔ تمام عرب میں آپ حسب و نسب، قول و فعل اور گفتار و کردار کے لحاظ سے مثالی مقام رکھتی تھیں، خوبصورت، گفتگو کرتی تھیں، لہجہ پر جوش تھا، شاعری کا سلیقہ بھی رکھتی تھیں، کسی کا مرثیہ کہیں تو آنسوؤں کا سمندر بپا ہو جاتا اور جب دشمن کو لگا کرتیں تو ایسا لگتا جیسے جرات و ہمت مجسم ہو کر ٹھوکھام ہیں۔

۔ ہو حلقہ یاراں تو برہنم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاو ہے مومن

جرات و ہمت اور غیرتِ اسلامی کی تصویر تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ سے بہت پیار کرتے تھے اور آپ کی رائے کو قدر و وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آپ کیلئے بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقط جان سے عزیز بیٹے نہ تھے بلکہ محبوبِ خدا اور رسول اللہ تھے۔ اس لئے آپ نے رشتے میں بزرگ ہونے کے باوجود کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں کمی نہ آنے دی۔ اس عظیم خاتون کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔

حضرت صفیہ ہالہ بنت وہیب (یا اہیب) بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب

بن مرہ کے بطن سے تھیں، جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کی چچا زاد بہن تھیں۔ اس رشتے سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ زاد بہن بھی ہوتی

ہیں۔ شہیدِ خدا حضرت حمزہ ؓ شہیدِ اُحد اُن کے حقیقی بھائی تھے۔ سرورِ عالم ؐ کے حضرت والدِ ماجد عبداللہ ؑ حضرت عبدالطلب کی ایک دوسری بیوی فاطمہ بنت عمرو کے بطن سے تھے۔ ان رشتے سے حضرت منیہ ؓ حضورِ نبی کریم ؐ کی چھوٹی بھی تھیں۔ اس لئے انہیں عمتہ النبی ؓ کہا جاتا ہے۔ حضور ؐ کی دوسری چھوٹی بہن اُمّ حکیم بیضا امیرہ فاطمہ اور اروئی کے اسلام کے بارے میں اہلِ بیرون میں اختلاف ہے لیکن حضرت منیہ رضی اللہ عنہا کے اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "أسد الغابہ" میں لکھا ہے "والصحيح انه لم يسلم غيرها" صحیح یہ ہے کہ اُن کے سرورِ مَول ؐ کی کسی چھوٹی بھی نہ فر اسلام قبول نہیں کیا۔

اگرچہ ابنِ سعد رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابنِ قیم نے فاطمہ اور اروئی کو بھی اسلام لانے والی خواتین میں شامل کیا ہے لیکن حضرت منیہ رضی اللہ عنہا کا یہ شرف پھر بھی باقی رہتا ہے کہ وہ دعوتِ حق کے آغاز ہی میں سعادتِ ابد و ایمان ہو گئیں اور سابقین الاولون کی اُس مقدس جماعت میں شمار ہوئیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کھلے فطرتوں میں جنت کی بشارت دی ہے۔ سرورِ عالم ؐ اور اُن کی ولادت کے زمانے میں بہت تھوڑا فرق ہے اس لئے وہ قریب قریب حضور کی ہم سن تھیں۔

حضرت منیہ ؓ کا پہلا نکاح عارض بن حرب اُموی سے ہوا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اُس کے انتقال سے بعد عوام بن خویلد قرشی الاسدی کے عقدِ نکاح میں آئیں جو اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کے بھائی تھے۔ حواریِ رسول حضرت زہیرہ ؓ انہی عوام سے پیدا ہوئے۔ حضرت زہیرہ ؓ ابھی کسین ہی تھے کہ سایہِ پدری سے محروم ہو گئے۔ اس وقت حضرت منیہ رضی اللہ عنہا بالکل جوان تھیں لیکن اس کے بعد انہوں نے ساری زندگی بیوگی کے عالم میں کاٹ دی۔ رحمتِ عالم ؐ نے مبعوث ہوئے



اور لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے بلا تامل اسلام قبول کر لیا اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی جن کی عمر اس وقت سولہ سال تھی مسلمان ہو گئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تربیت عمدہ طریق سے کی۔ اُن کی خواہش تھی کہ اُن کا فرزند بڑا ہو کر ایک بڑا اور بہادر سپاہی بنے۔ چنانچہ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سخت محنت و مشقت کا کام لیتیں اور وقتاً فوقتاً زبردستی اور زور و کوب سے بھی گریز نہ کرتیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے چچا نوفل بن خویلد ایک دن بھیجے کو ماں کے ہاتھوں پٹے دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور حضرت صفیہ کو سختی سے ڈانٹا کہ اس طرح تو تم بچے کو مار ڈالو گی۔ نوفل نے بنو ہاشم اور اپنے قبیلے کے بعض دوسرے لوگوں سے بھی کہا کہ وہ صفیہ کو بچے پر سختی کرنے سے روکیں۔ جب اُن کی سخت گیری کا چرچا عام ہوا تو انہوں نے لوگوں کے سامنے عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یوں تھا:

”جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیر بن العوام) سے عدالت رکھتی ہوں اس نے غلط کہا، میں تو اس کو غلظت اور زیرک بنانے کے لئے جلتی ہوں تاکہ یہ فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اصابہ“ میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو لڑکپن میں ایک جوان اور قوی آدمی سے مقابلہ پیش آ گیا۔ انہوں نے اسکی ضرب لگائی کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی تو انہوں نے معذرت کرنے کی بجائے لوگوں سے سوال کیا ”تم نے زبیر کیسا پایا، بہادر یا بزدل؟“ غرض ماں کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بڑے ہو کر ایک دلاور صفِ فکین اور صغیم شجاعت بنے۔ مبداء فیض نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یوں بھی فطرت

سجد سے نوازا تھا، ماں کی تربیت نے اُن کی خوبیوں کو اور بھی چمکادیا اور اُن کے دل میں اسلام اور داعی اسلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھردی۔ رحمتِ عالم ﷺ سے حضرت زہیرؓ کی والہانہ شہنشاہی کا عجیب عالم تھا۔ بخت کے ابتدائی زمانے میں ایک دن جب وہ انوارِ نبویؐ کے حضور ﷺ کو نصیب دشمنانِ مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے یا شہید کر دیا ہے تو ایسے بے قرار ہوئے کہ آؤ دیکھنا نہ تاؤ، نکوارِ سنوت کریمؐ رقتاری سے آستانہ نبویؐ پر پہنچے۔ حضورؐ کو وہاں بخیریت موجود پایا تو جان میں جان آئی اور چہرہ فرطِ بشارت سے گلزار ہو گیا۔ حضورؐ نے اُن کی شیریں بوند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”زہیر یہ کیا ہے؟“ عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان میں لے سنا تھا کہ آپ کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے یا شاید آپ شہید کر دیئے گئے ہیں۔“ حضورؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ”اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟“

حضرت زہیرؓ نے غضبناک انداز میں کہا ”میں غیرت مند ماں کا بیٹا ہوں، خدا کی قسم میں کفار کی لعنت سے لعنت بجا دیتا۔“

۵ بخت میں حضرت صفیہؓ کو اپنے محبوبِ لختِ جگر کی عارضی جدائی کا صدمہ سہتا پڑا۔ قبولِ اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح زہیرؓ بھی کفار کے جوہرِ شتم کا ہدف بن گئے تھے، بالخصوص اُن کا چچا نوفل بن خویلدان پر بڑا ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ چنانچہ حضورؐ کے ایما پر پھر وہ بلا کشانِ اسلام کا ایک قافلہ رجب ۵ میں حبش کی طرف ہجرت کر گیا اس میں حضرت زہیرؓ بھی شامل تھے۔ ماں پر اُن کی جدائی سخت شاق تھی لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے ایما اور بیٹے کی سلامتی کے خیال سے انہوں نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ فرزندِ عزیز کو کالے کوسوں دور روانہ کر دیا۔ اُن مہاجرینِ راہ



حق کو جوش میں ابھی تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انہوں نے ایک دل خوش کن خبر سنی۔ یہ کہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے اور کفار اور مسلمانوں میں صلح ہو گئی ہے مگر جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے مسلمان خوشی و مسرت کے جذبات لئے سرزمینِ مکہ پر پہنچے تو انہیں یہ جان کر سخت مایوسی ہوئی کہ یہ سب افواہ تھی جس کا حقائق سے کوئی تعلق نہ تھا۔ جان بچانے اور کفار کے ستم سے بچنے کیلئے مکہ مکرمہ کے کسی سردار کی پناہ میں آنا ضروری تھا۔ حضرت زبیر بن العوام نے زعمہ بن الاسود کی پناہ حاصل کی۔ حضرت صفیہ کو پیارے بیٹے کے اچانک آجانے سے غیر معمولی فرحت و مسرت کا احساس ہوا۔ اسی دوران میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا جو کامیاب ہوا اور اس کے ساتھ ہی ان کی شادی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ اس رشتے کو سب نے بڑی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا۔

سلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر عازمِ مدینہ ہوئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تجارت کے لئے شام گئے ہوئے تھے جب وہ شام سے گئے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جو گتے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اپنے خُسر) کی خدمت میں چند سفید کپڑے غنّہ پیش کئے اور وہ یہی سفید کپڑے زیب تن فرما کر مدینے میں داخل ہوئے۔

گتے واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ حضرت صفیہ اور اہلیہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کے ہمراہ مدینے کی طرف ہجرت کی اور کچھ مدت قیام میں قیام پذیر رہے۔ وہیں اہل میں (اور ایک دوسری روایت کے مطابق

۲۷ھ میں) حضرت اسماء کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت صفیہ کے اس پوتے کی ولادت تاریخِ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اس لئے کہ ان کی ولادت سے پہلے کئی ماہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی اور یہود و ینہ نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کا سلسلہ نسل منقطع کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے جوش انبساط میں اس زور سے فرہمائے تکبیر بلند کئے کہ دشت و جبل گونج اُٹھے۔ مسلمانوں کا یہ جوش و خروش اور خوشی و مسرت کے غیر معمولی جذبات و راصل ان طعنوں کا جواب تھے جو ینہ منورہ کے یہود اور منافق مسلمانوں کو دے رہے تھے۔

حضرت صفیہ کو اپنے پیارے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے بہت زیادہ پیار تھا جب غزوہ اُحد پھا ہوا تو مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ تیر اندازی کے دستے کی غفلت کی بناء پر بے سود ٹھہری۔ اس میں مسلمان سخت نقصانات سے دوچار ہوئے۔ اس جہن میں جنگ آزما خانوں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کچھ مسلمانوں کو مدینے کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو نیزہ ہاتھ میں لئے جوشِ غضب سے چلائیں کہ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو میدانِ اُحد میں ہیں تم کدھر جا رہے ہو۔ اس طرح وہ مسلمان پھر سے میدانِ اُحد کی طرف پلٹے۔ آپ خود بھی خواتینِ اسلام کو ہمراہ لے کر زخمیوں کی مرہم پٹی اور پیاسوں کو پانی پلانے کیلئے میدانِ اُحد میں پہنچ گئیں۔

اُحد کا میدان مسلمان شہداء کی لاشوں سے لہو رنگ تھا۔ مسلمانوں کو ایک نقصانِ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ یہ تھا کہ اسد اللہ اور اسد الرسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب شہید ہو گئے تھے۔ انہوں نے کافروں کی ایک بڑی تعداد کو شہید کیا تھا مگر جبیر بن مطعم کے قلام و وحشی بن حرب نے برچھمار ان کو شہادت سے ہمکنار کر دیا تھا۔



ابوسفیان کی بیوی نے میدان بدر میں اپنے خاندان کی موت کا بدلہ لینے کیلئے وحشی کو آمادہ کیا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے بعد ہندہ بنت عتبہ نے اپنے باپ عتبہ کی موت کا بدلہ لینے کیلئے سید الفہد ام حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی نش پاک کا مثلہ کیا۔

اُن کے ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ اُن کا سینہ چاک کر کے دل نکال کر چبانے لگی۔ وہ جوش انتقام میں اندھی ہو گئی تھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے انتہائی پیارے چچا جان کی لاش کی بے حرمتی دیکھ کر شدید غمگین تھے۔ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے دل غم میں ڈوبا ہوا تھا، ایسے عالم میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کو میدانِ جنگ کی طرف آتے دیکھا تو سوچا کہ اگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مثلہ شدہ لاش دیکھی تو اُن کے دل پر کیا مژرے گی اور مظلوم نہیں زبان سے شدتِ غم میں کیا کچھ کہہ بیٹھیں۔ اس لئے آپ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت صفیہ اپنے عظیم بھائی کی لاش کو اس عالم میں دیکھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ای کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جذبات سے آگاہ فرمایا تو وہ رُک گئیں اور فرمانے لگیں:

”میں جان چکی ہوں کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی ہے۔ خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں مگر میں مبر و ضبط کا مظاہرہ کروں گی۔“

اس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھنے کی اجازت دی۔ آپ لاش کے قریب گئیں اپنے شیر دل اور شجاع بھائی کی کٹی پھٹی لاش دیکھی۔ دل بھر آیا، آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں مگر زبان سے خاموش رہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کیلئے دعائے مغفرت مانگی اور اُن کی تدفین کیلئے دو چادریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کیں اور واپس مدینہ طیبہ لوٹ آئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا محبوب بھائی کیلئے دعائے مغفرت

مانگ کر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار رونے لگیں۔ سرورِ عالم ﷺ نے انہیں روتے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے بھی سیلِ اشک رواں ہو گیا پھر آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

”مجھے جبریل امین نے خبر دی ہے کہ عرشِ منقلیٰ پر حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو اسد اللہ اسد الرسول (اللہ کا شیر اور رسول کا شیر) لکھا گیا ہے۔“

غزوہٴ اُحُد کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے غزوہٴ خندق میں شرکت کی اور اس میں اُسِ حُرّات و پامردی کا مظاہرہ کیا کہ چشمِ فلک حیران رہ گئی۔ اس غزوہ میں حضور ﷺ نے مستورات کو بغرضِ حفاظت انصار کے ایک قلعہ فارغ میں ٹھہرایا تھا۔ یہ قلعہ یہودی بنو قریظہ کی آبادی کے قریب واقع تھا۔ یہود نے مسلمانوں کو جنگ میں مشغول دیکھا اور دیکھا کہ مسلمان پوری مندی کے ساتھ خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کی جاسوسی کرنے کی ٹھانی۔ اس غرض سے انہوں نے ایک یہودی جاسوس کو حصارِ فارغ کی طرف روانہ کیا کہ مسلمان مستورات کی باتیں سُننے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمانوں کے جذبات اور حوصلہ مندی کا کیا عالم ہے۔ جب وہ یہودی جاسوس ”حصارِ فارغ“ کے چکر لگا رہا تھا تو حضرت صفیہ نے اُسے دیکھ لیا۔ اپنی غیر معمولی ذہانت و فراست سے سمجھ گئیں کہ یہ یہودی جاسوس ہے اور کسی بُری نیت ہی سے آیا ہے اور اس کی اس حرکت کے نتائج مسلمانوں کے حق میں خطرناک بھی ہو سکتے ہیں اور اگر اس نے یہودیوں کو بتا دیا کہ قلعہ میں فقط مسلمان عورتیں ہیں تو جنگ کا پانہ پلٹ سکتا ہے۔

آپ نے قلعہ کے نگران مشہور شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اتنے طاقتور نہیں تھے یا ان دنوں کسی بیماری نے انہیں کمزور کر رکھا تھا اس لئے کہنے لگے:



”مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا میں اگر لڑنے کے قابل ہوتا تو یہاں نہ ہوتا بلکہ جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ کھڑا ہوتا۔“

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے اٹھ کر خیمہ کی ایک چوپا کھاڑی اور جا کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بعد اس یہودی کا سر کاٹ کر قلعے کے نیچے پھینک دیا۔ بنو قریظہ کے یہودیوں نے کہا کہ ضرور قلعہ کے اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے حملے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت عبدالمطلب کی معاملہ جہی دور اندیشی ایمانی استقامت اور دلیری و شجاعت ہی کا کمال تھا کہ مسلمان اندرون مدینہ ایک خطرہ سے دوچار ہونے سے بچ گئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت عبدالمطلب نامور شاعرہ بھی تھیں۔ عرب کی سرزمین شاعری کے لحاظ سے بہت سازگار مظلوم ہوتی ہے۔ تاریخ میں درجنوں ایسے مردوں اور عورتوں کے نام ملتے ہیں جنہوں نے نظمیں بھی کہیں نہ دردمرچے بھی کہے اور جب آفتاب نبوت نے اپنی جلوہ افروز یوں سے زمانے کو منور کر دیا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں نعتوں کے گلاب بھی نذر کئے۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی شاعرانہ صلاحیتوں کا جائزہ لینے کیلئے وہ مرثیہ بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اپنے والد گرامی کی وفات پر کہا تھا۔ تاریخ میں ان کے متعدد مرثیے ملتے ہیں جن سے ان کی خداداد شعری صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی فصاحت و بلاغت کے پھول کھلتے نظر آتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے کہے گئے مرثیوں سے چند اشعار کا ترجمہ پیش ہے:

”رات کو ایک لوحہ کرنے والی کی آواز نے مجھے ملادیا
وہ ایک مردِ کریم پر لوحہ کتاں تھی۔

اور اس حال میں میرے آنسو موتیوں کی طرح میرے گالوں پر بہنے لگے۔
افسوس ہے اس مردِ کریم کی موت پر

جو یہود و نہ تھا اور اس کی بزرگی کا چرچا دُرُور تک تھا
وہ عالی نسب صاحبِ جود و سخا اور قسط سالی میں لوگوں کیلئے ابرِ رحمت تھا۔
پس اگر انسان کو اپنی قدیم بزرگی کی وجہ سے دوام ہوتا
(لیکن دوام کی کوئی صورت نہیں)

تو وہ مردِ کریم اپنی قدیم شرافت اور فضیلت کی بناء پر بہت زمانے تک زندہ رہتا“
جب حضور نبی کریم ﷺ نے وصال فرمایا تو انہیں ایسا لگا جیسے قیامت ٹوٹ
پڑی ہو۔ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ کے نزدیک مدینہ
طیبہ آپ ہی کے دم سے آباد تھا۔ حضور ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حد درجہ احترام و محبت
سے نوازتے تھے۔ آپ کی کسی بات کو رد نہ کرتے۔ آپ کی اولاد کو بھی اپنی محبت خاص
سے جتنہ دافر عطا کرتے۔ قرہمی رشتہ داری بھی تھی اور عشق و عقیدت کا اہنٹ رشتہ بھی
تھا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو آپ کو یوں لگا
جیسے پوری دنیا اندھیر ہو گئی۔ شدتِ الم سے آپ کی زبان سے رنج و الم کی ترجمانی کرنے
والے اشعار ٹپک پڑے جن میں سے چند کا ترجمہ مذکور قارئین ہے:

یا رسول اللہ! آپ ہماری اُمید تھے

آپ ہمارے محسن تھے ظالم نہ تھے

آپ رحیم تھے ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے

آج ہر رونے والے کو آپ پر رونا چاہیے
 رسول اللہ پر میری ماں، خالہ، بچا اور ماموں قربان ہوں
 پھر میں خود اور میرا مال بھی
 کاش! اللہ ہمارے آقا کو ہمارے درمیان رکھتا
 تو ہم کیسے خوش قسمت تھے
 لیکن حکمِ الہی اٹل ہے
 آپ پر اللہ کا سلام ہو اور آپ جنّتِ عدن میں داخل ہوں
 ایک اور مرثیہ کا مطلع ہے:

”اے آنکھ رسول اللہ کی وفات پر خوب آنسو بہا“

حضرت منیفہ رضی اللہ عنہا نے ۷۳ سال عمر پائی اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں، حافظ ابن حجر نے ”اصابہ“ میں ایک شعر حضرت منیفہ رضی اللہ عنہا کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے جس سے ان کی بلاغت، قدرتِ کلام کا اظہار ہوتا ہے۔ اس شعر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتی ہیں:

”آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہو گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ روشن تھا۔“

حضرت منیفہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وادا حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی خالہ تھیں۔ گویا حضرت منیفہ رضی اللہ عنہا ایک طرف تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور دوسری طرف خالہ زاد بہن۔ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت منیفہ کے حقیقی بھائی تھے۔

غرض حضرت منیفہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب بہترین بیٹی، بہترین ماں، بہترین

منظہر اور اوصافِ حسنہ سے آراستہ خاتون تھیں۔ آپ کو اپنے خاندانی وقار پر بڑا ناز تھا مگر جب حلقہٴ نجوشِ اسلام ہوئیں تو ان کی تمام تر عزت و توقیر اور وقار کا معیار فقط محبتِ رسول ﷺ ہی سے وابستہ ہو کر رہ گیا۔ تمام زندگی اپنے بیٹے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں مگر ان کا دل فقط اور فقط خوشنودیِ رسولِ کریم ﷺ کیلئے دھڑکتا تھا۔

-----O-----

خدا کی رحمتیں دائم ہوں اس خاتونِ والا پر
سدا راضی رہے جن سے نبی سید و سرور
ہمیشہ آپ کا کردارِ شہلِ شمع روشن ہو
لہذا اُن کی شہدِ دیں کی شفاعت کی رہے مظہر



حضرت اُمّ الفضلؓ لبابۃ الکبریٰ

محبت شاہِ عالم کی شعارِ زندگی اُن کا
 بہت ہی لُفّ فرماتے تھے اُن پر سرورِ بطحا
 جنابِ حضرت عباسؓ کی بیوی تعالیٰ اللہ
 سدا خلاقِ عالم نے کرم تھا اُن پہ فرمایا
 بہت مشغول رہتی تھیں عبادت میں ریاضت میں
 مگر کُفار پر تھیں سخت ایمانی جلال میں
 دل و جاں میں بسا رکھی تھی چاہت شاہِ دلا کی
 کرم بارِ ان پہ ہوتی تھی عنایت حق تعالیٰ کی
 اُنہی کے اُسوۂ پُر نور سے ہر سو اُجالا ہے
 ہر اک دن کا عمل تبلیغِ ایمان کا حوالا ہے
 یہ خوش بختی کہ اتنی تھیں یہ ایسے پیارے بیٹوں کی
 کہ جن کے فیض سے تھی دین کی دنیا مہک اُنھی
 اُنہی کے کارناموں سے یہ بزمِ حق مزین ہے
 مہکتا اے رضا اُن سے وفاداری کا گلشن ہے

حضرت اُم الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

اسلام کے فروغ اور اس کی اشاعت میں صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ اہم کردار صحابیاتِ محترمہ کا ہے۔ یہ کہنے کو تو خواتین تھیں مگر ان کی جرأتِ ایمانی، حوصلہ مندی اور استقلالِ دین کے جو ہر مردوں سے کسی طور کم نہ تھے۔ اس لئے تذکارِ سیرت میں ان بلند مرتبہ خواتین اسلام کے کارنامے بھی اہل ایمان کو ذوق و شوق کی نعمت سے بہرہ ور کر رہے ہیں۔ ان نامور خواتین میں سے ایک اہم نام حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اہلیہ حضرت اُم الفضل لبابۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

حضرت لبابہ بنتِ حارث جو بالعموم اپنی کنیت ”اُم الفضل“ سے مشہور ہیں، نہایت بلند رتبہ صحابیات میں شمار ہوتی ہیں۔ کبریٰ ان کا لقب ہے اس لئے سیرت نگاروں نے ان کا نام لبابۃ الکبریٰ بھی لکھا ہے۔ ان کا تعلق جوہلال سے تھا۔

آپ کی شادی حضور ﷺ کے عم محترم سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اس حوالے سے آپ حضور ﷺ کی چچی نکلتی اور آپ عام نوعیت کی رشتہ دار خاتون نہیں بلکہ حضور ﷺ سے محبت کے حوالے سے بہت سے معاملات میں حضور کے چچا یعنی اپنے خاوند حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جایا کرتی تھیں۔ ان کی حقیقی بہن حضرت میمونہ بنتِ حنفیہ بنتِ حارث کو اُم المومنین بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس لحاظ سے اُم الفضل حضور ﷺ کی سالی بھی گنتی ہیں۔ حضرت اُم الفضل کی ایک اخیانی بہن حضرت اسماء بنتِ عمیس کی شادی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کی ایک تیسری بہن سلئی کی شادی حضور ﷺ کے دوسرے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ گویا آپ کئی نسبتوں سے حضور ﷺ کی



رشتہ دار تھیں۔ لوگ ان پر اور ان کی والدہ ہند بنت عوف پر رشک کیا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کا رشتہ داری کے لحاظ سے کوئی عورت اُن کے ہم پلہ نہیں۔

حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کا شمار ”الساہون الاولون“ میں ہوتا ہے۔ یہ بھی آپ کا عظیم اعزاز ہے۔ حضور ﷺ پر سب سے پہلے خواتین میں ایمان لانے کا مرتبہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔ اہم کتب سیرت اور ممتاز تذکرہ نگاروں کے بقول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام قبول کرنے والی شخصیت حضور ﷺ کی چچی اُمّ الفضل ہیں۔ قبول اسلام کے بعد آپ مسلسل مکہ میں ہی قیام پذیر رہیں اور مدینہ منورہ کی جانب آپ نے اپنے خاوند حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کی۔ یہ ہجرت فتح مکہ کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کافی عرصہ اپنا اسلام خفیہ رکھا۔ اس بہانے وہ حضور ﷺ کو مکہ کے حالات سے باخبر رکھتے تھے۔ حالانکہ مشرکین حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر کڑی نظر رکھتے تھے اور انہیں طعنہ بھی دیتے رہتے تھے۔ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں اپنے خاوند سے بھی بڑی ہوئی تھیں۔ اُن کا اسلام خفیہ نہیں تھا۔ بڑی بہادر اور دبدبے والی خاتون تھیں۔ جب بھی موقع ملتا قریش سے غضبناک لہجے میں گفتگو فرماتیں۔ حضور ﷺ اپنی چچی کی خود محبت سے اچھی طرح سے آگاہ تھے۔

حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نہایت عبادت گزار، پرہیزگار اور خدا ترس خاتون تھیں۔ ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو پابندی سے روزہ رکھا کرتی تھیں اور اس کا انعام بھی آپ کو کتنا عظیم عطا ہوا کہ حضور رحمتِ دو عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا ”میمنہ رضی اللہ عنہا، سلمیٰ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا چاروں مومنہ بہنیں تھیں۔

آپ کی جراتِ ایمانی کے حوالے سے یہ واقعہ داستانِ عشق و عقیدت کا سنہرا



باب ہے۔ آپ کی اسلام کے حوالے سے عقیدت و ابھلی کا اظہار ہوتا ہے۔

غزوہ بدر (رمضان المبارک ۲ ہجری) میں قریش کی ذلت آمیز ہزیمت کی خبر کہ معظمہ پہنچی تو وہاں گھر گھر حنفِ ماتم بچھ گئی۔ بد بخت ابولہب کی حالت تو دیکھی نہ جاتی تھی۔ قرطالم نے اس کو اتنا غصہ حال کر دیا کہ چلے ہوئے قدم لڑکھڑاتے تھے۔ اسی حالت میں وہ لڑائی کے حالات دریافت کرنے کیلئے گھسٹا گھسٹاتا اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کے گھر پہنچا جو مشرکین کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے گئے تھے اور لڑائی میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے قیدی بن چکے تھے۔ وہ حضرت عباس کے گھر جا کر ان کے غلام ابورافع کے قریب بیٹھ گیا جو تیر سازی میں مصروف تھے۔ اتنے میں کسی نے کہا وہ دیکھئے ابوسفیان بن حارث (حضور ﷺ کے عم زاد بھائی اور ابولہب کے بھتیجے جو ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے) بدر سے ابھی ابھی واپس آئے ہیں۔ ان سے لڑائی کے حالات معلوم کرنے چاہئیں۔ ابولہب نے انہیں آواز دی ”بھتیجے ذرا یہاں میرے پاس تو آؤ“۔ وہ آئے تو ابولہب نے پوچھا ”بمادر زادے اکہو وہاں کیا گزری؟“ ابوسفیان کہنے لگے:

”واللہ مسلمانوں کے سامنے ہماری بے بسی کا یہ عالم تھا جیسے مردہ خُسال کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ انہوں نے جس کو چاہا تہ تیغ کر دیا جس کو چاہا اسیر بنا لیا۔ ایک عجیب نظارہ ہم نے یہ دیکھا کہ اچلی کھوڑوں پر سوار سفید پوش آدمیوں نے مار مار کر ہمارا بھرتا بنا دیا، معلوم نہیں یہ کون تھے؟“

ابورافع نے فوراً کہا ”وہ فرشتے تھے“

یہ سن کر ابولہب بھڑک اٹھا اور ابورافع کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ ابورافع بھی سنبھل کر اس سے گتم گتھا ہو گئے لیکن کمزور تھے۔ ابولہب نے انہیں



زمین پر دے مارا اور بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت اُمّ الفضل قریب ہی بیٹھی تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر انہیں سخت غصہ آیا۔ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھیں۔ ایک لٹہ ہاتھ میں آگیا اور اسے اس زور سے ابولہب کو مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا، خون پھوٹنے لگا۔ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے اس پر ہی بس نہیں کی، گردار لہجے میں ابولہب سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں:

بے حیا بے شرم! اس کا آقا (حضرت عباس) یہاں موجود نہیں ہے اس لئے تو کمزور سمجھ کر انہیں مارتا ہے۔ یہ بھول گیا کہ میں اپنے خاوند سے زیادہ زبردست ہوں۔ ابولہب اپنی بھاد و جہالت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کے غصے کو پھیلاتا تھا۔ اس میں ان میں مقابلہ کرنے یا ان پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت ہی نہ پڑی۔ آہستہ آہستہ وہاں سے کھسک گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا میں زبردست غیرتِ ایمانی تھی۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لا چکی تھی۔ ابولہب اور دوسرے کفار بھی آپ کے اسلام سے آگاہ تھے مگر حضرت عباس کے مقام و مرتبہ اور ہاشموں کے جذبہ غیرت کی بناء پر وہ اس خاتونِ محترم سے کبھی بھی کچھ کہہ نہ سکے جبکہ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو جب بھی موقع ملتا تھا تو کفارِ مکہ کو خوب خوب کمری کمری سناتی تھیں۔

بعض روایتوں میں رقم ہے کہ ابولہب کے حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا سے پٹے اور بے آبرو ہونے کا واقعہ چاہ زمزم کی چہارویواری کے اندر پیش آیا۔ اس کے قریب ہی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ تھی۔

حضور ﷺ کو اس چچی سے بہت پیارا تھا۔ آپ ان کے حق میں اکثر دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ اگر دوپہر کا وقت ہوتا تو چچی کے گھر میں ہی آرام فرمانے لگتے۔ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا حضور رسول اکرم ﷺ کا سرِ اقدس اپنی گود میں رکھ لیتیں۔ آپ کے بالوں سے گرد دانتکے وغیرہ دُور فرماتیں اور پھر آپ کے بالوں میں کنگھی کرتیں۔

ایک بار حضرت اُم الفضل ؓ نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ کے جدِ اقدس کا کوئی حصہ ان کے گھر میں ہے۔ انہوں نے اپنا خواب پیارے آقا ﷺ کو سنا دیا۔ نبی اقدس نے جواب سن کر ارشاد فرمایا:

”چمچا جان! اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ربِّ العالمین میری محبتِ جبرئیلہ طاہرۃ الزہراء ؓ کو فرزندِ حطا کرے گا اور آپ اس کو اپنا دودھ پلاؤ گی۔“

اس خواب کو دیکھے ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ سیدہ طاہرۃ الزہراء ؓ کے ہاں حضرت امام حسین ؓ پیدا ہوئے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا جیسے رسول اقدس ﷺ نے فرمایا تھا۔ اُم الفضل ؓ نے ہی انہیں دودھ پلایا اور امام حسین ؓ کی کفالت اپنے ذمے لے لی۔ اسی بناء پر آپ خاندانِ رسالت مآب میں عزت و تکریم کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں۔ ایک دن اُم الفضل ؓ امام حسین ؓ کو گود میں اٹھائے بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئیں۔ آقائے دو عالم ﷺ نے لاڈلے نواسے کو گود میں اٹھایا اور انہوں نے حضور ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا۔ حضرت اُم الفضل ؓ نے انہیں فوراً آغوشِ رسالت مآب ﷺ سے اٹھالیا اور ننھے حسین ؓ کو ڈانٹا کہ تم نے اتنی بڑی خطا کر دی۔

آقائے عالی مرتبت ﷺ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اُم الفضل ؓ ننھے امام حسین ؓ کو ڈانٹیں۔ آپ نے انہیں ڈانٹنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

”اُم الفضل ؓ تم نے اچھا نہیں کیا کہ ننھے حسین کو ڈانٹ دیا۔ اس سے میرے دل کو تکلیف پہنچی ہے۔“

حضرت اُم الفضل ؓ نے معذرت کا اظہار کیا۔ رسول اقدس ﷺ نے پانی منگوا یا اور کپڑوں کو صاف فرمایا اور پیشاب آگود حصہ دھو دیا۔

اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو ایک عظیم سعادت عطا ہوئی۔ حجۃ الوداع کا موقع تھا تو حضور ﷺ نے آپ سے حج کیلئے فرمایا اور اپنے ہمراہ لے کر چلے، عرفہ کا دن تھا بعض لوگوں نے خیال کیا کہ رسولِ اقدس ﷺ روزے سے ہیں۔ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کو ایک تدبیر سوچی تاکہ لوگوں کو حقیقت کا علم ہو جائے۔ انہوں نے ایک پیالہ دودھ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسولِ پاک ﷺ نے دودھ پی لیا۔ اس سے لوگوں کا شک دور ہو گیا۔ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت عباس کی سات اولادیں ہوئیں۔ چھ بیٹے فضل، عبداللہ، عبید اللہ، معبد، قثم عبدالرحمن اور ایک بیٹی ام حبیبہ۔ یہ تمام اولادیں جنہیں آپ نے جنم دیا نہایت قابل تھیں۔ خاص طور پر آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے علم و فضل، شریعت اور فقہ میں بہت بلند مرتبہ حاصل کیا اور امتِ اسلام کے چند منتخب ترین محدثین میں شامل ہوئے، انہیں حبر الامت بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نہایت خوش بخت اور سعید قسمت خاتون تھی کہ اس وقت اسلام قبول کیا جب بڑے بڑوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ تمام زندگی حضور ﷺ سے غیر معمولی عشق و عقیدت کا مظاہرہ کیا۔ رسولِ اقدس ﷺ نے انہیں اپنی رحمت بے کراں سے بارہا نوازا۔ آپ اسلام کا وقار تھیں، دین کا اعزاز تھیں، شوکتِ اسلام کی لاکر تھیں، صحابیات تو ایک طرف جلیل القدر صحابہ کرام بھی آپ کی خدماتِ عالیہ، عشقِ رسالت مآب اور فروغِ دین کیلئے کاوشوں پر رشک کیا کرتے تھے۔





حضرت زینبؓ بنت علیؓ (کرم اللہ وجہہ)

شوکتِ علم و عمل تھیں سیدہ عالی مقام
 اُن پہ نازل تھا خدائے پاک کا لُفّہ تمام
 فاطمہؓ کے دل کی ٹھنڈک ' راحتِ مولا علیؓ
 تھیں پیامِ نبیّاتِ ایمان بہرِ خاص و عام
 وہ خطیبہ ' وہ نصیحہ ' عالمِ کامل تھیں وہ
 دشمنانِ دین کے حق میں وہ قتیقِ بے نیام
 تنگواں اُن کی بہاروں کی طرح سے دل نہیں
 علمِ اُن کا تھا مثالِ ہزہ نازکِ خرام
 کربلا میں دل کے گلوے ہر طرف بکھرے ہوئے
 آنسوؤں میں ڈوب کر آرام تھا اُن پر حرام
 جب فطائے دہر میں ہوتی تھیں وہ محوِ خطاب
 وقت کی بغضیں بھی رُک جاتی تھیں بہرِ احترام
 اے رِضا اُمّ الصّائب جانِ حلیم و رضا
 کر رہی ہیں ایک نورانی لحد میں اب قیام

حضرت زینبؓ بنت علی المرتضیٰؓ رضی اللہ عنہا

خوشی اور غم دو ایسی کیفیات ہیں جن کی بدولت انسان کی عظمت کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ ہمیشہ انہی مردوں اور خواتین کو یاد رکھتی ہے جو موت کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ رکھتی ہیں جو مصائب و آلام کی پورش میں پرچم حق و صداقت کو بلند تر رکھنے کا ہنر جانتی ہیں۔ جن کی آواز میں شمشیر کی کاٹ اور لہجہ میں ایمان کی فیصلہ کن قوت ہوتی ہے۔ یہی وہ شخصیات ہیں جو حقائق کا سامنا کرتیں اور دینِ مصطفیٰ ﷺ کو حالات کی بلند یوں پر فروزاں کرنے کا خدا داد جوہر رکھتی ہیں۔

سیدہ زینبؓ بنت علیؓ رضی اللہ عنہا بھی جراتِ ایمانی کی شمشیر اور ایمان کی روشن تصویر تھیں۔ آپ کا نام زینب ہے اور کنیت اُمّ الحسن۔ یہ وہی شیر دل خاتون ہے جو واقعہ کربلا کے بعد سرزمینِ کربلا سے دمشق کے دربارِ خلافت تک جرات و عزیمت کا مظاہرہ کرتی رہی۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ کی کنیت اُمّ المصائب مشہور ہے۔ آپ شیرِ خدا ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔ والدہ سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراؓ تھیں۔ حضور ﷺ آپ کے نانا، تاریخِ اسلام کی خاتونِ اول حضرت خدیجہ الکبریٰؓ آپ کی نانی محترمہ تھیں۔ اہلِ بیرون نے آپ کے متعلق القاب رقم کئے ہیں شریکہ الحسین، ناموس الکبریٰ، صدیقہ، شجاء، فصیحہ، حلیمہ، فاضلہ، نائب الزہرا وغیرہ۔

سیدہ زینبؓ بنت علیؓ رضی اللہ عنہا خوش بخت تھیں کہ آپ سے آپ کے نانا جان حضور محمد مصطفیٰ ﷺ بہت زیادہ پیار کرتے تھے لیکن اس پیار کی دنیا کے اس گلستان پر اس وقت خزاں آئی جب ابجری میں محبوبِ دو عالم ﷺ اس کائنات سے رخصت ہونے لگے۔ آپ نے اپنی لختِ جگر سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراؓ سے فرمایا کہ

اپنے بچوں کو بلا لاؤ۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے حیل ارشاد کی اور اپنے تمام بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ بچوں نے اپنے شفیق نانا کو بے چین دیکھا تو بے اختیار رو دینے لگے۔ ان میں سے ایک چھ سالہ بچی کو تو اتفاقاً صدمہ ہوا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچی کی پیشانی چومی اور اپنا دستِ شفقت اُس کے سر پر پھیر کر دلا سا دیا۔ یہ دعی بچی تھی جو چھ سال پہلے شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساءِ طاہرہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر پیدا ہوئی تھی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اذینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ تین دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدہ سیدہ طاہرہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ اس بچی کو گود میں لیا اور بہت دیر تک روتے رہے پھر دہن مبارک میں بھجور چبائی اور لعاب مبارک بچی کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچی کا نام ”ننب“ تجویز کیا اور فرمایا ”یہ ہم شبیرِ خدیجہ ہے“ چھ سال بعد آج بھی ننب رضی اللہ عنہا اپنے شفیق نانا سے ہمیشہ کیلئے چھڑی تھی۔ چھ سال کی محسوم جان کیلئے یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا لیکن اسے کیا خبر تھی کہ آئندہ زندگی میں اس پر اس قدر قیامتیں ٹوٹنے والی ہیں کہ اس کی کنیت ہی ”ام المصائب“ مشہور ہو جائے گی۔ یہی ننب رضی اللہ عنہا جنہیں ننب رضی اللہ عنہا کبریٰ بھی کہا جاتا ہے تاریخِ اسلام کی وہ مہتمم بالشان شخصیت ہیں کہ جن کے علم و فضل، فکر و عمل، جرأت و دلیری، بے خوفی و جرأت آزمائی، حلیم و رضا، صبر و استقامت کا ایک زمانہ گواہ ہے۔ یہ زمانہ آگے کی منزلوں کی جانب محو سر رہے گا مگر سیدہ ننب رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کو زیادہ سے زیادہ سر بلند و سرفرازی عطا ہوتی رہے گی۔ آپ جمادی الاولیٰ ۵ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا نام ننب رکھا اور اپنا لعابِ دہن اُن کے منہ میں ڈالا۔ حضرت ننب کے مقدّر کا کیا کہنا کہ آپ کو نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ تربیت میسر آئی اور حیدرِ کرار

حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے شجاع نے آپ کو آگے بڑھنا سکھایا اور پھر سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے حسن تربیت کا کیا کہنا جن کا گھر سادات کی رحمتوں کا خزانہ تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی اولاد کی تربیت کے معاملہ میں بہت سخت تھیں۔

ایک دن عہدِ طفلی میں حضرت نعب رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں کہ بے خیالی میں سر سے اوڑھنی اتر گئی۔ حضرت سیدۃ النساء نے دیکھا تو اُن کے سر پر اوڑھنی ڈالی اور فرمایا ”بیٹی اللہ کا کلام ننگے سر نہیں پڑھتے۔“

ایک دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت نعب رضی اللہ عنہا میں مصومانہ لڑائی ہو گئی۔ سیدۃ النساء نے انہیں کلامِ مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا:

”بچو لڑائی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔“

دونوں بچے خوفِ خدا سے کانپ اُٹھے اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی نہ لڑیں گے۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں اور انہیں سینے سے لگا لیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت نعب رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ مبارک پر سوار ہوئیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم الوداع کیلئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حضرت نعب رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ اس وقت اُن کی عمر پانچ سال کی تھی اور یہ اُن کا پہلا سفر تھا۔

۱۱ ہجری میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ وفات قریب آیا تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا ”اپنے بچوں کو بلاؤ۔“ وہ سب بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ اپنے شفیق نانا کو بے چین دیکھ کر سب بچے رونے لگے۔ حضرت نعب رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی چومی اور اپنا دستِ شفقت اُن کے سر پر پھیر کر دلاسا دیا۔

حضور ﷺ کی رحلت کے وقت سیدہ زینبؓ کی عمر تقریباً ۶۷ برس تھی۔ ۶۷ ماہ بعد شفیق والدہ سیدہ بتولؓ نے بھی وفات پائی۔ ان حادثوں نے بھی زینبؓ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ شفیق نانا اور جاں نثار ماں کی جدائی سے حیدر کرار ﷺ کے سارے بچے غم والہ کی صورتیں بن گئے۔ شیر خدا باپ علم نے بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام خود سنبھالا اور کچھ مدت کے بعد ان کی نگرانی کیلئے ام المومنین بنت خزام کلابیہ سے نکاح کر لیا۔ باپ علم جب خود مطمئن ہوئے تو ناشاکردوں کی خوش نصیبی کا کیا لھکانا۔ تھوڑی ہی مدت میں سارے بچوں کے دل و دماغ علم و حکمت کے خزانوں سے معمور ہو گئے۔ حضرت زینبؓ نے بھی اپنے جلیل القدر باپ کے علم اور دیگر اوصاف سے خوب استفادہ کیا۔ حتیٰ کہ ہدوتوں، عقل و فراست، حق گوئی و بے باکی، صفت و صحت اور عبادت و شب بیداری میں جملہ حضرت کاملہ اثر بردار ﷺ ہو گئیں۔ دراز قد اور مناسب الاعضاء تھیں۔ چہرہ مبارک پر اپنے نانا کا جلال تھا اور حرکات و سکنات اور چال و چال میں وقار حیدری نمایاں تھا۔ مؤرخین شیعہ ہیں کہ علم و فضل میں قریش اور بنو ہاشم کی کوئی لڑکی آپ کے برابر نہ تھی۔

سیدنا علیؓ بے محل خلیفہ تھے۔ مجمع پر چھا جانے کی قوت رکھتے تھے۔ آپ کے ایک ایک محلے میں کئی کئی نکات پناہ ہوتے تھے۔ بولتے تو میاں لگا کر جیسے موتی بول رہے ہوں۔ حضور ﷺ جو خود ارفع اصحاب تھے۔ حضرت علیؓ کی خطابت محسن بیان اور قد رت لسان پر فخر کرتے تھے۔ حضرت سیدہ زینبؓ اس سلسلہ میں آپ کا دوسرا نوپ تھیں۔ جس طرح حضرت علیؓ کے خطابت دلپذیر ستاروں اور تقریری مجموعوں کی زینت ہیں اسی طرح ہی خلیفہ مثنیٰ سیدہ زینبؓ کے خطابت عالیہ بھی تاریخ کا عطر ہیں۔ حضرت زینبؓ کے خطابت دل جان سے نکلتی ہیں۔

جن کے مطالعہ سے اہل دنیا کی کج ادائی دُنیا کی فتنہ پری اور مطلب پرستوں کی شیطانی کاوشیں سامنے آ جاتیں اور پھر آپ کے خطبات میں واقعہ کربلا کی جانب اشارے ملتے ہیں تو دلوں کی دُنیا پر روزِ برہونے لگتی ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سن بلوغ کو پہنچنے سے قبیلہ کنہہ کے اشعث بن قیس نے پیغام نکاح بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تو آپ کے بیٹے جعفر طیار بن ابی طالب کے بیٹے عبد اللہ اپنے چچا جان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پرورش و تربیت فرمائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے نگران و سرپرست تھے۔ وہ بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے اور سیرت و صورت میں جوانانِ قریش میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اُن کی درخواست قبول فرمائی۔ اس کے بعد خاندان کے چند بزرگ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مسجد میں آ گئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہایت سادہ طریق سے اپنی نختِ جگر کا نکاح حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ہے۔ اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عمر بہ اختلاف روایت گیارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ نکاح کے بعد خاندان کی عورتیں انہیں حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر خود پہنچا آئیں۔ دوسرے دن انہوں نے دعوتِ ولیمہ کی۔ مہر کی رقم کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے اور بعض نے چالیس ہزار۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی بے مثال تھی۔ میاں بیوی میں نہایت درجہ کی ہم آہنگی تھی۔ گھر میں ملازماؤں کے ہوتے ہوئے بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا گھر کا سارا کام کاج خود کرتیں۔ حضرت عبد اللہ کا کہنا تھا کہ ”زینب بہترین

خلافتِ مسلم
 گھر وال ہے؟“ حضرت عبداللہ امیر بھی تھے اور فیاض بھی۔ چال ہے کوئی ان کے در سے
 خالی ہاتھ چلا جائے۔ اس طرح وہ لوگ بھی ان کی سخاوت سے فائدہ اٹھا لیتے تھے جو اس
 کے اہل نہیں ہوتے تھے۔ ایسی ہی سخاوت کا دلکش ایمان آفریں نگار ادیکھا تو ایک دن
 امام حسین ؑ نے حضرت عبداللہ بن جعفر ؑ سے کہا:

اے ابنِ عم تم بہت اسراف سے کام لیتے ہو اور غیر مستحق لوگوں کو بھی اپنی کمائی
 میں شریک کر لیتے ہو۔

حضرت عبداللہ ؑ نے جواب دیا: جانِ برادر کیا کروں؟ سائل کو دیکھ کر دل
 قابو میں نہیں رہتا۔ اللہ نے مجھے دولت اسی لئے دی ہے کہ اس کے بندوں میں بانٹوں
 خاوند کے گھر میں دولت کی ریل چلے حضرت زینب ؑ کے حراج میں کوئی
 تغیر یہ نہ کر سکی اور وہ بدستور مبرقعاتِ سادگی اور جفاکشی کا پیکر بنی رہیں۔

اپنے لختِ جگر کے علم و فضل سے شیرِ خدا ؑ بھی مطمئن تھے۔ اُن کے زمانہ
 خلافت میں حضرت زینب ؑ کا قیام بھی کوفہ ہی میں رہا۔ کوفہ کی خواتین اکثر آپ کی
 خدمت میں حاضر ہو کر قرآنِ حکیم کے معانی و مطالب پوچھا کرتیں۔ ایک دفعہ آپ چند
 عورتوں کے سامنے قرآنِ پاک کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 تشریف لے آئے اور اپنی لختِ جگر کی تقریر سننے رہے۔ جب بیان ختم ہوا تو شیرِ خدا
 نہایت سرور ہوئے۔ فرمایا ”جانِ پدر میں نے تمہارا ایمان سنا اور مجھے بہت خوشی ہوئی کہ
 تم کلامِ اُمّی کے مطالب اتنے عمدہ طریقے سے بیان کر سکتی ہو۔“

۶۷ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہدِ خلافت میں کوفہ کو اپنا
 مستقر بنایا۔ حضرت زینب ؑ اور حضرت عبداللہ جعفر ؑ بھی کوفہ تشریف لے
 آئے۔ کوفہ میں حضرت زینب ؑ نہایت تندرستی سے درس و تدریس اور وعظ و ہدایت کا

کام سرانجام دیتیں۔ کوفہ کی اکثر خواتین ان کے ہند و نصائح سے مستفیض ہوتیں۔ ان کے علم و فضل اور فصاحت و بلاغت کا گھر گھر چاچا بھیل گیا۔ اسی اثناء میں وہ دردناک حادثہ پیش آیا جس نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے عظیم المرتبت باپ کے سایہ سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا۔

خوارجِ مدّت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ ایک شخص عبدالرحمن ابن ملجم کو انہوں نے خفیہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کیلئے مقرر کیا۔ اس نے ایک تلوار زہر میں بھجائی اور کوفہ آ کر شیر خدا پر حملہ کی تاک میں رہنے لگا۔ ۷ ارمضان المبارک ۴۰ ہجری کا دن تھا۔ شیر خدا رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کیلئے مسجد میں تشریف لائے۔ عین سجدہ کی حالت میں بد بخت خارجی ابن ملجم نے اُن پر قاتلانہ حملہ کیا۔ زہر آلود تلوار سے امیر المومنین شدید زخمی ہو گئے۔ ابن ملجم گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اُسے دیکھ کر فرمایا:

”اے دشمنِ اسلام! تو نے امیر المومنین کو اپنی تلوار سے زخمی کر دیا ہے“

اس شیطان نے جواب دیا: ”امیر المومنین کو نہیں تمہارے باپ کو“

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: ”انشاء اللہ ان کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔“

شیطان خارجی ابن ملجم نے کہا ”تو پھر رونے کی کیا بات ہے سُن لو میں نے اپنی تلوار کو کئی روز زہر پلایا ہے۔“

اس زہر آلود تلوار کے زخم سے شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ (۲۱ ارمضان

المبارک ۴۰ ہجری) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو شدید صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ ۵۰ ہجری میں انہیں اپنے بڑے بھائی سیدہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کا صدمہ سہنا پڑا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہ کی زندگی کا

اہم ترین دور شروع ہوا۔ واقعہ کربلا میں حضرت نضیب اللہؑ کی شرکت اُن کا کردار اور حادثہ کربلا سے بعد کی تحصیلات کو تاریخ کے سنگڑوں صفحات نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔ وہ مصائب و آلام کے ایسے طوفانوں سے گزریں جنہیں قلبِ بندہ کرتے ہوئے قلم کا پتا ہے اور سینہ شوق ہوتا ہے۔ تمام مؤرخین متفق ہیں کہ سیدہ نضیب اللہؑ سے زیادہ یکے بعد دیگر کسی نے اتنی تکلیفیں نہیں اٹھائیں۔

۵۶ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کیلئے اہل مدینہ سے بیعت لینی چاہی، محدو وے چند لوگوں کے سوا تمام اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ ان بیعت نہ کرنے والوں میں حضرت امام حسینؑ بھی شامل تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے چنداں تعرض نہ کیا۔

۶۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ نے وفات پائی اور حضرت امام حسینؑ کے بارے میں یزید کیلئے وصیت چھوڑی کہ ”میرے بعد اہل عراق تمہارے مقابلہ میں کھڑے ہوں اور تم ان کو مغلوب کر لو تو درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ قرابت دار بڑے حق دار اور رسولِ کریم ﷺ کے عزیز ہیں۔“

حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؑ بنی امیہ کے مخالفین میں سب سے زیادہ بااثر شخصیتوں کے مالک تھے۔ یزید نے تخت نشین ہوتے ہی حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کو تائیدی حکم بھیجا کہ عبداللہ اور حسین (علیہ السلام) سے فی الفور میری بیعت لو۔ ولید نے انہیں بیعت کے لئے بلایا لیکن حضرت امام حسینؑ نے عذر کیا اور مہلت چاہی۔ ولید رضامند ہو گیا۔ حضرت امام حسینؑ نے واپس آ کر اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے تکتہ جانے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ آپ اپنے عزیز و اقارب اور اہل و عیال کو ساتھ لے کر راتوں رات

عازم مکہ ہوئے۔ ان سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر بھی خفیہ طور پر نکلے چکے تھے۔ مکہ پہنچ کر حضرت امام حسین ؑ نے شعب ابی طالب میں قیام فرمایا۔ اس وقت انہیں اہل کوفہ کی طرف سے بلا دے پر بلاوا آنا شروع ہو گئے۔ بے شمار غلطوٹ اور بیعتنامات امام حسین ؑ کو موصول ہو رہے تھے جن میں اہل کوفہ انہیں کوفہ پہنچنے کی دعوت دے رہے تھے اور حلف اٹھا اٹھا کر التجائیں کر رہے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لا کر اپنی خلافت کیلئے بیعت لیجئے۔ ہم قاسم و قاضی کی بیعت نہیں کریں گے۔

حضرت امام حسین ؑ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا کہ وہ صورتحال کا جائزہ لے کر ہمیں لکھیں۔ حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ میں حیرت انگیز پذیرائی ملی جب بے شمار مسلمانوں نے انہیں نائب امام حسین ؑ سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو قاصد روانہ کیا کہ یا امام تشریف لے آئیے۔

جب مسلم بن عقیل کے قاصد عبداللہ بن سنان کے ذریعے امام حسین ؑ کو اہل کوفہ کی عقیدت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مکہ سے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت عمرو بن عبدالرحمن، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور دوسرے بھی خواہوں نے انہیں بہت روکا لیکن انہوں نے فرمایا ”دعوت حق دینے سے میں باز نہ رہوں گا اور جو لوگ حق کے مستلشی ہیں انہیں مایوس نہ کروں گا۔ مجھے خوزیری پسند نہیں، میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہو۔ مشیتِ ایزدی کے سامنے میرا سر خم ہے اور میں کوفہ ضرور جاؤں گا۔ اس کے بعد ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو آپ ؑ اہل بیت اور معتقدین کے ہمراہ مکہ سے کوفہ کی طرف چل پڑے۔ چھوٹی بچی صفری بیمار تھیں۔ انہیں آپ نے ام المومنین حضرت آمنہ ؑ کے سپرد کیا۔

ذی الحجہ ۶۰ ھ میں سیدنا حضرت امام حسین ؑ نے اہل کوفہ کی دعوت پر

اپنے اہل و عیال اور جانوروں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ مکہ سے کُوفہ کا عزم کیا تو حضرت زینب ؓ بھی اپنے دو نو خیز فرزندوں کے ہمراہ اس مقدس قافلے میں شامل ہو گئیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ اگرچہ خود اس قافلے میں شریک نہ ہو سکے لیکن انہوں نے حضرت زینب ؓ اور اپنے بچوں کو امام حسین ؓ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا کا دلہوز سانحہ پیش آیا جس میں حضرت زینب ؓ کی آنکھوں کے سامنے اُن کے بچے، بیٹے، بھائی اور ان کے متفقہ ساتھی شامی فوج سے مروانہ دار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ اس موقع پر سیدہ زینب ؓ نے جس جوصلے، شجاعت اور مہر و استقامت کا مظاہرہ کیا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نو اور دس محرم کی درمیانی شب کو حضرت امام حسین ؓ کی لکڑی صاف کی جانے لگی تو انہوں نے چند جہرت انگیز اشعار پڑھے۔ حضرت زینب ؓ قریب ہی تھیں یہ اشعار سن کر اُن پر درقت طاری ہو گئی اور زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ ”اے کاش! آج کا دن دیکھنے کیلئے میں زندہ نہ ہوتی، ہائے میرے نانا، میری ماں، میرے باپ اور میرے بھائی حسن سب مجھ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ اے بھائی اللہ کے بعد ہمارا سہارا اب آپ ہی ہیں ہم آپ کے بغیر کیسے زندہ رہیں گے؟“

امام حسین ؓ نے فرمایا: زینب مبرا کرو۔

حضرت زینب ؓ نے روتے ہوئے عرض کی: میرے ماں جائے آپ کے بدلہ میں، میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں۔

امام حسین ؓ اپنی پیاری بہن کی دلہوز باتیں سن کر اٹکبار ہو گئے لیکن مومنانہ شان سے فرمایا:



”اے بہن صبر کرو خدا سے تسکین حاصل کرو خدا کی ذات کے سوا ساری کائنات کیلئے فنا ہے۔ ہمارے لئے ہمارے نانا خیر الخالق کی ذات اقدس نمونہ ہے۔ تم انہیں کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنا۔ اے بہن تمہیں خدا کی قسم ہے کہ اگر میں راہِ حق میں کام آ جاؤں تو میرے ماتم میں گریبان نہ پھاڑنا چہرہ کو نہ لوچنا اور بین نہ کرنا۔“

حضرت امام حسین علیہ السلام سمیت بہتر (۷۲) نفوسِ قدسی ایک طرف تھے اور ہزاروں اشقیاء پر مشتمل فوج دوسری طرف۔ لڑائی سے پہلے جناب امام حسین علیہ السلام اور ان کے چند ساتھیوں نے نہایت دلدوز تقریریں کیں جن میں دشمنوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنی عاقبت خراب نہ کریں لیکن سوائے ایک مردِ مومن حضرت حُرمین یزید تمیمی کے ان بد بختوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (بعض روایتوں کے مطابق حُرمین یزید کا بیٹا بھی امام حسین علیہ السلام کے جھنڈے تلے آ کر اپنی عاقبت سنوار گیا) جس وقت امام حسین علیہ السلام تقریر فرما رہے تھے شدتِ الم سے حضرت زینب علیہا السلام اور دوسری خواتین اہل بیت کی چیخیں نکل گئیں۔ آپ نے حضرت عباس اور حضرت علی کو انہیں خاموش کرانے کیلئے بھیجا اور فرمایا ”میری عمر کی قسم! ابھی ان کو بہت روتا ہے۔“

اس کے بعد مبارزت شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی میدان میں نکلتا اور اپنے حریف سے لڑتا۔ حسینی فوج کے کچھ مجاہدین نے جامِ شہادت پیا اور بہت سے عراقی بھی جہنم واصل ہوئے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی۔ حضرت حُرمین یزید اور دوسرے جانثارانِ اہل بیت پامردی سے لڑے۔ دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر دیں لیکن دونوں جماعتوں کی تعداد میں کوئی نسبت ہی نہیں تھی۔ خاندانِ اہل بیت کے افراد اور جاٹار ایک ایک کر کے نہایت بہادری کے ساتھ جامِ شہادت نوش کرنے لگے۔ حضرت علی علیہ السلام، حضرت قاسم علیہ السلام، حضرت عباس علیہ السلام، حضرت حُرمین یزید علیہ السلام جیسے

فرزندانِ اسلام خلعتِ شہادت پہن چکے تھے۔

حضرت نذیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نوخیز فرزندوں حضرت عون رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ کو رزم گاہ میں بھیجے کیلئے سیدنا امام حسین رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دینے میں تامل کیا لیکن حضرت نذیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر اصرار کیا کہ وہ بادلِ ناخوستہ انہیں میدانِ جنگ میں بھیجنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت نذیب رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں لال اس شان سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکارا نہی۔ آخر شامیوں نے انہیں زرنے میں لے کر کھاروں اور نیزوں کا مینہ برسا دیا اور دودمانِ ہاشمی کے دونوں لونہال جامِ شہادت پی کر غلبہ بریں میں پہنچ گئے۔ دکھیا ری نذیب رحمۃ اللہ علیہ اور مظلوم ماموں رحمۃ اللہ علیہ کے قلبِ دگر کے کھڑے آڑ گئے لیکن آسمان کی طرف نظری اور خاموش ہو گئے۔

حضرت عون و محمد کی شہادت کے بعد خاندانِ نبوت کے باقی نوجوان بھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ حضرت عباس بن علی رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔ اب سیدنا امام حسین رحمۃ اللہ علیہ تیار ہو گئے۔ زین العابدین علی بن حسین بیمار تھے اور لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ اُن کو اللہ اور حضرت نذیب کے پُر د کیا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر سبطِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری سفر پر روانہ ہوئے۔ پیاس کا غلبہ تھا اپنے جگر کے ٹکڑوں اور جاثاروں کی شہادت سے سخت دلِ نگار تھے لیکن آخر حیدرِ کرار کے فرزند تھے۔ اس قیامت کا حملہ کیا کہ دشمن کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیں۔ جس طرف رُخ کرتے۔ دشمن بادل کی طرح چھٹ جاتے۔ شامی بار بار حملہ کرتے لیکن جونہی شمشیرِ حسینی چمکتی بھاگ کھڑے ہوتے۔ آپ لڑتے لڑتے زخموں سے چور چور ہو گئے لیکن اللہ رے بیت کہ کوئی تھا سامنے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ جنگیٹے بنا کر ہر طرف سے تیروں، کھاروں، نیزوں اور نیزوں کی بارش کر رہے تھے۔ حصین بن نمیر نے ایک نیزہ پھینکا جو گلوئے مبارک میں پڑا اور ہو گیا اور وہیں مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اپنے چلو میں تھوڑا سا خون لے کر آسمان کی



طرف اچھالا اور فرمایا:

”مولا! جو کچھ تیرے محبوب کے نواسہ کے ساتھ کیا جا رہا ہے، تمہی سے اس کی فریاد کرتا ہوں۔“

جلیل القدر بھائی کی عاشق زار بہن زینت دل پر ہاتھ رکھے آفتابِ امامت کی حالت دیکھ رہی تھیں؛ جب انہیں کھون کی کلیاں کرتے دیکھا تو دوڑی ہوئی رزمگاہ کے قریب ایک ٹیلہ پر کھڑی ہو کر پکاریں۔

”اے مردِ بنِ سعد کیا قیامت ہے؟ ابو عبد اللہ قتل کئے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو۔“
عمر بن سعد کی آنکھوں پر لالچ نے پردہ ڈال دیا تھا لیکن قربتِ دار تھا۔ فرطِ اندامت سے حضرت زینب ؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

جنابِ امام کی حالت اب لمحہ بہ لمحہ غیر ہوتی جا رہی تھی۔ دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ زورِ بنِ شریک تمہی نے ہاتھ اور گردن پر کھوار چلائی۔ سنان نے نیزہ مار کر آپ کو زمن پر گرا دیا۔ پھر سنان ابنِ انس (اور بعض روایتوں کے مطابق شمر بن الجوشن) نے اس گردن پر خنجر پھیر دیا، جس پر رحمتِ دو عالم ﷺ سے دیا کرتے تھے۔ شہادت کے وقت جنابِ امام حسین ؓ کے جسمِ مبارک پر تیس زخم کھوار کے ۳۳ زخم نیزہ کے اور لاتعداد زخم تیروں کے تھے۔

سنگدل شامیوں کا دل ابھی تک ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ انہوں نے سیدۃ النساء ؓ کے لال کا سر مبارک نیزہ پر چڑھایا اور تمام شہیدانِ راہِ حق کے مقدس جسموں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ سیدۃ النساء کے لال کا سر اقدس نیزے پر چڑھایا اور پھر اہل بیت کے خیموں کا رخ کیا۔ ایک بد بخت نے چاہا کہ حضرت زین العابدین کو بھی جو طلیل تھے شہید کر دے لیکن حضرت زینب ؓ ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور فرمایا ”خدا کی

”تم جب تک میں زندہ ہوں اس عیار کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔“

ان کا عزم دیکھ کر وہ بد بخت اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔ ۱۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری میں حملہ خواتین بچوں اور نام زین العابدینؑ کو اونٹوں پر باندھ کر یزیدی فوج کوفہ کی طرف لے چلی۔ شہداء کے لاشے ابھی میدان کربلا میں بے گور و کفن پڑے تھے۔ جب رنج و الم کے ماروں کا قافلہ ان شہیدوں کے سر کٹے اور چاک چاک پامال شدہ جسموں کے پاس سے گزرا تو الم رسیدگانِ الٰہی بیت کی نظروں سے طوقانِ اشکبار پیا ہو گیا۔ حضرت نسیبؑ کی فضاؤں کو چرتی ہوئی رنج و الم سے ڈوٹی صدائے دردناک اُبھری۔

”اے محمد مصطفیٰؐ آئیے دیکھئے آپ کے حسینؑ کا خون آہستہ لاش چمیل میدان میں پڑا ہے۔

اس کا جسم کلوے کلوے کر دیا گیا ہے۔

آپ کی لڑکیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔

آپ کی ذریت قتل کر کے گرم ریت پر بچھادی گئی ہے اور اس پر خاک اڑ

رہی ہے۔

اے میرے نانا! یہ آپ کی اولاد ہے جسے ہٹکایا جا رہا ہے۔

ذرا حسینؑ کو دیکھئے اُس کا سر کاٹ لیا گیا ہے۔

اور میری چادر چھین لی گئی ہے۔“

حضرت نسیبؑ کبرئیؑ کا یہ لوحِ سن کر دوست دشمن روتے تھے۔ جب اسیرانِ حق کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو ذلیل کوئی ہزاروں کی تعداد میں انہیں دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔ بد عہد اور دغا باز کوفیوں کے هجوم کو دیکھ کر شیرِ خدا کی بیٹی بے احتیاج ہو گئی بازارِ کوفہ میں انہوں نے باوازِ بلند پکارا۔



”لوگو! اپنی نظریں نیچی رکھو! یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی لٹی ہوئی اولاد ہے۔“

اس کے بعد آپ نے اہل کوفہ کے سامنے ایک عبرت انگیز خطبہ دیا۔ سارا مجمع بالکل ساکت ہو گیا۔ یوں نظر آتا تھا جیسے شعلے لپک رہے ہوں، بجلی کڑک رہی ہو، طوفانوں نے ادھر کا رخ کر لیا ہو، لفظوں نے انگاروں اور فحرات نے رنج و الم کے شہپاروں کا روپ اختیار کر لیا ہو۔ کوئی بشر گرج رہا ہے یا بلبل شوریدہ سر کی صدائے دردناک دلوں پر قیامت ڈھا رہی ہے۔ یہ خطاب تھا یا آسمانوں سے نازل ہونے والا صحیفہ دردناک، سیدہ کے جذبات اپنی قوت لٹا رہے تھے۔

”اے کوفیو! اے مکاترو! اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والو! خدا کرے تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں، تمہاری مثال ان عورتوں کی سی ہے جو خود ہی سوت کا تتی اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔“

تم نے خود ہی میرے بھائی سے رخصت بیعت جوڑا اور پھر اپنے حبیبِ باطنی کی وجہ سے توڑ ڈالا۔ تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے۔ تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے۔ خوشامد اور شنی خوری اور عہد شکنی تمہارے خمیر میں ہے۔ تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ بہت بڑا ہے۔

تم نے خیر البشر کے فرزند کو جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، قتل کیا ہے، خدا کا قبر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

آہ کوفہ والو! تم نے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا جو منہ بگاڑ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔

یاد رکھو! تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں رہتا ہے۔ اس کے ہاں دیر ہے

اندھیر نہیں۔

اس خطبہ کو سن کر اکثر کوفیوں کے ضمیر نے ان پر لعنت بھیجی، روتے روتے ان کی ٹھکسی بندھ گئی۔ خدام بن کثیر جو عرب کے فصیح ترین آدمیوں میں شمار ہوتا تھا وہ بھی حضرت زینب ؓ کا خطبہ سننے والوں میں شامل تھا۔ خطبہ سن کر وہ ان کے زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت سے دنگ رہ گیا اور بے ساختہ کہنے لگا: واللہ اے علی کی بیٹی! تمہارے بڑے سب بڑھوں سے تمہارے جوان سب جوانوں سے تمہاری عورتیں سب عورتوں سے اور تمہاری نسل سب نسلوں سے بہتر ہے جو حق بات کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتی۔“

دوسرے دن ابن زیاد نے دربار منعقد کیا۔ امیر ابن ابی بیت کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت زینب ؓ بہت خستہ حالت میں تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا: ”یہ عورت کون ہے؟“ ایک خادمہ نے کہا: زینت بنت علی ؓ ہیں۔

ابن زیاد نے کہا: خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا اور تمہاری جذباتوں کو جھٹلایا۔ حضرت زینب ؓ نے نہایت بے باکی سے جواب دیا:

”خدا کا شکر ہے جس نے اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعے ہمیں عزت بخشی، انشاء اللہ قاصد رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔“

ابن زیاد نے کہا: تم نے دیکھا تمہارے بھائی اور اس کے ساتھیوں کا کیا

حشر ہوا؟

حضرت زینب ؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں درجہ شہادت پر فائز کیا، معترِب وہ اور تم دائرِ محشر کے سامنے جمع ہوں گے، اُس وقت تمہیں پہچل جائے گا کہ کس کا کیا حشر ہوتا ہے؟

ابن زیاد دھملا کر بولا: بنی ہاشم کے سب سے سرکش آدمی کے قتل سے میرا دل

ششہا ہو گیا ہے۔

حضرت زینب ؓ کو امین زیاد کے اس طرح اٹھار سرت کرنے پر بڑا دکھ ہوا۔ اُن کا آگینے دل حوادثِ کربلا سے ٹوٹ چکا تھا بے اختیار رو دیں اور فرمایا ”خدا کی قسم! تو نے ہمیں اپنے گھروں سے نکالا ہمارے اوجیزوں کو قتل کیا، ہماری شاخوں کو کاٹا، ہماری جڑوں کو اکھاڑا اگر اسی سے تمہارا دل ٹھنڈا ہوتا تھا تو ہو گیا۔“

ابن زیاد سے کوئی جواب بن نہ پڑا اب اس کی نظر حضرت زین العابدین ؓ پر پڑی پوچھا: لڑکے تم کون ہو؟

انہوں نے جواب دیا: ”علی بن حسین ؓ“

ابن زیاد نے عمر بن سعد سے پوچھا ”اسے کیوں نہیں قتل کیا؟“

حضرت زینب ؓ نے ابن زیاد کو شرم دلائی کہ کیا ابھی تمہارا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا اور اپنے بیمار بھتیجے سے چٹ گئیں کہ اگر مارنا ہے تو پہلے مجھے مار دے۔ ابن زیاد نے زندگی کی رعایت دے دی اور حکم دیا کہ شہداء کے سردوں اور اسیرانِ اہل بیت کا قافلہ فوج کے زعمہ میں یزید کے پاس دمشق پہنچایا جائے۔

طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد اسیرانِ اہل بیت دمشق پہنچے تو تین چار دنوں کے بعد انہیں یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ایک سُرخ رنگ شامی نے حضرت فاطمہ ؓ بنتِ حسین ؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

”امیر المومنین یہ لڑکی مجھے دے دیجئے۔“

حضرت زینب ؓ ترپ اٹھیں اور بولیں ”خدا کی قسم! یہ لڑکی نہ تجھے ملے گی ہے اور نہ یزید کو جب تک کہ اللہ کے دین کو ترک کرنے کا اعلان نہ کر دے۔ پیغمبرِ خاندان میں کسی کو تو یا تیرا بادشاہ ہرگز لوٹھای نہیں جاسکتا۔“

شامی نے دوبارہ یہی سوال کیا لیکن یزید نے اسے روک دیا۔ جب امام حسین

کامبر اقدس یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو خواتین اہل بیت روئے لگیں۔ حضرت
 زینب علیہا السلام نے سر اقدس کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

”اے حسین! اے محمد مصطفیٰ کے دلِ بے غائبِ بدوشِ حیدرِ کلام کے سوار اے عالم۔
 ہر اہل بیت کے لئے جگر اے جنت کے جوانوں کے سردار یزید نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟
 بتایا گیا کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی اور امام حسین علیہ السلام کی بہن زینب ہے۔

یزید نے حضرت زینب علیہا السلام سے مخاطب ہو کر کہا: کیا تمہارا بھائی یہ نہیں کہتا تھا
 کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر تھا۔“

حضرت زینب علیہا السلام نے دلیری سے جواب دیا: بے شک میرا بھائی سچ کہتا تھا
 یزید نے کہا: میری عمر کی قسم! حسین کے مانا میرے دادا سے بہتر تھے۔ حسین کی
 ماں میری ماں سے بہتر تھیں اور میرا باپ اور حسین کا باپ تو سب کو مظلوم ہے کہ خدا نے
 کس کے حق میں فیصلہ دیا۔“

اس پر حضرت زینب علیہا السلام نے یزید اور اس کے اہلِ دربار کو مخاطب کر کے ایک
 دردناک تقریر کی انہوں نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

”اے یزید! اگر دشمنِ افلاک اور ہجومِ آفات نے مجھے تجھ سے مخاطب ہونے پر مجبور
 کر دیا ہے۔ یاد رکھ ربِّ اعزت ہم کو زیادہ عرصہ اس حال میں نہ رکھے گا ہمارے مقاصد کو
 ضائع نہیں کرے گا تو نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا اپنے آپ کو پہنچایا ہے۔ تیرے آدمیوں
 نے دوشِ نبوت کے سوار اس کے بھائیوں فرزندوں اور رُفقاء کو کھایت بے دردی سے ذبح
 کر دیا۔ تو نے پردہ نشینِ اہل بیت کی بے حرمتی کی۔ تو اس وقت شہیدانِ کربلا کو دیکھ سکتا تو
 اپنی ساری دولت و شہمت کے بدلے ان کے پہلو میں کھڑا ہوتا پسند کرتا۔“

ہم مقرر یہ اپنے مانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان



مصائب کو بیان کریں گے جو حیرے بیدرد ہاتھوں سے ہمیں پہنچے ہیں اور یہ اس جگہ ہوگا جہاں اولادِ رسول ﷺ اور ان کے ساتھی جمع ہوں گے۔ ان کے چہروں کے خون اور جسموں کی خاک صاف کی جائے گی۔ جہاں ظالموں سے بدلہ لیا جائے گا۔ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مرے نہیں اپنے خالق کے پاس زندہ ہیں اور وہی ان کیلئے کافی ہے۔ وہ عادلِ حقیقی انبیاء کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے والوں سے ضرور بدلہ لے گا۔ وہی ہماری اُمید گاہ ہے اور اُمی سے ہم فریاد کرتے ہیں۔“

حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی گرجُن کر یزید اور اُس کے درباری سکتے میں آ گئے۔ یزید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ خاندانِ رسالت کی حمایت میں میرے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ اُس نے خواتینِ اہل بیت کو اپنے خاص حرمِ سرا میں ٹھہرایا اور جہاں تک ہو سکا ان کی دل جوئی کی کوشش کی۔ چند دن بعد اُس نے حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کے زیرِ حفاظت قافلہ اہل بیت کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب قافلہ چلنے لگا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”محملوں پر سیاہ چادریں ڈال دو تا کہ وہ دیکھنے والوں کو پہچان نہ لے سکیں۔ یہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی دلِ نگر اولاد ہے۔“

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے جہاں تک بن پڑا ان مصیبت زدہ مسافروں کی مدد کی اور راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب یہ قافلہ کربلا پہنچا تو وہاں بزرگ صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرطِ الم میں پکارا:

”اے بنی ہاشم! تمہارا چاند غروب ہو گیا۔ اے میرے نانا کے صحابی! تو نے جس بچے کو کبھی اپنے آقا کے دوش مبارک پر سوار کیا تھا اُس کا جسم اطہر گھوڑوں کے سموں

سے پامال ہو گیا۔

اس کے بعد اس قدر روئیں کہ قتل آگیا۔ اس موقع پر مؤرخ دوسرے سب لوگ بھی شدتِ غم سے رونے لگے۔ خالد بن ولیدؓ نے پہنچا تو ان مہاجرین نے حضرت نعمان بن بشیر کو اس ایسے سُنوک پر اپنی چوڑیاں اُتار کر بچیں اور فرمایا کہ ہم اُنے ہوئے مسافروں پر اور کچھ نہیں کہ تیری خدمت کا عوض نہ دے سکیں۔ نعمان نے محبتِ اہل بیت میں ان چوڑیاں کو لینے سے ہمدردی ادا کر دیا۔

اس دن سارا مدینہ منورہ سوگوار تھا۔ ہزاروں لوگوں نے روتے ہوئے ان اُنے ہوئے مسافروں کی تدفین کی۔ حضرت نضیبؓ نے روئے نبی کریم ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر عرض کیا:

”اے میرے مقدس نانا جان امی آپ کے فرزند اور اپنے بھائی حسین کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔ آپ کی اولاد کو رسیوں میں ما کر بے پردہ کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں بھرایا گیا۔“

حضرت نضیبؓ کے الفاظ سے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ مہر وہ اپنی ماں سیدہ فاطمہؓ کے حرار پر حاضر ہوئیں اور اس درد سے روئیں کہ پتھروں کا کلیجہ بھی پانی ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں سے ملیں انہیں اپنی روادِ غم سنائی اور سب کو صبر کی تلقین کی۔

کربلا سے واپس لوٹنے تک کبھی مسکراہٹ ان کے لبوں تک نہ آئی۔ آپ ہمیشہ مصائبِ کربلا بیان کرتے اور زلاتیں۔ ان مصائب نے ان کے قلب و جان کو پارا پارا کر دیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۶۲ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہی انتقال فرمایا۔ آپ کی وفات سے کربلا کی زعمہ داستان وُجیا سے اُٹھ گئی۔ دوسری روایت



کے مطابق حضرت نذیب علیؑ اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفرؑ کے ساتھ شام چلی گئیں۔ وہاں پہنچ کر بیمار ہوئیں اور انتقال کر گئیں۔

ایک اور روایت کے مطابق سیدہ نذیب علیؑ مدینہ منورہ میں کر بلا کے شہیدوں کے مصائب بیان کرتیں دنیا کی بے ثباتی اور حالات کی بے وفا کی پر خون کے آنسو بہاتیں۔ اُن کا اندازِ خطابت اس قدر دلکش و درآئینہ جوش اور اثر آفریں ہوتا تھا کہ لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں اور ہر سوطوفانِ اشک جاری ہو جاتا۔ لوگوں میں اہل بیتِ کریم سے ہمدردی اور محبت کا جذبہ ٹھانٹیں مارنے لگتا تھا۔ اہل بیت کی اس خطیبہ عظیم کا خطاب کیا تھا ایک بحرِ بے کراں تھا جو کناروں سے اُچھلتا دُور دراز کے علاقوں کو بھی سیراب کرنے لگتا تھا۔ سیدہ نذیب بنتِ علیؑ کی خطابت حضورِ نبی کریم اور سید علی المرتضیٰؑ کی خطابت کا احتراز تھی۔ جب لوگوں کے اندر حُبِ اہل بیت کا جذبہ شدت سے ٹھانٹیں مارنے لگا تو مدینہ کے گورنر نے یزید کو ان معاملات سے آگاہ کیا۔ اُس نے انہیں کسی اور شہر میں بھیجنے کا حکم بھیج دیا۔ سیدہ نذیب علیؑ کسی صورت بھی نانا جانِ علیؑ کے قُرب سے دُوری گوارا کرنے کو تیار نہیں تھیں مگر بہت سے ہمدردوں اور اہل بیت سے خصوصی محبت رکھنے والوں نے سمجھایا کہ مصلحت سے کام لیں کہیں ایک اور کر بلا نہ پیا ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے سمجھانے پر سیدہ نذیب علیؑ حضرت سیدہ فاطمہ بنتِ حضرت امام حسینؑ کو ساتھ لے کر مصر چلی گئیں۔ وہاں کے امیر حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری نے اُن کی غیر معمولی تعظیم کی۔ ایک خوبصورت اور بڑے مکان میں ٹھہرایا۔ حضرت نذیب علیؑ زندگی کے آخری ایام تک سیدہ امام حسینؑ اور سرزمینِ کر بلا کے دوسرے شہداء کے حالات سے دل و نگاہ کو اشکبار کر دیتیں۔ ایک سال بعد ۶۳ھ میں اہل بیت کی عظیم خطیب اور تعلیماتِ اسلام کی نامور عالمہ اس کائنات سے

دارقانی کی طرف کوچ کر گئیں۔ سیدہ منورہؓ میں حضرت نضیب علیہ السلام کی قبر کا کوئی نشان نہیں۔ البتہ دمشق اور قاہرہ دونوں مقامات پر ان کے حرار موجود ہیں۔ خمداد اہل بیت سے عقیدت رکھنے والے صاحب ایمان تھے پر حاضری دے کر دہائی سکون کی دولت حاصل کرتے ہیں۔



مُحَرَّم قارئین! سیدہ نضیب علیہ السلام بنتِ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا تذکرہ قدرے طویل ہو گیا۔ ہم نے لاکھ چاہا کہ سانچہ کر بلا سے آکھ بچا کر آگے گزر جائیں مگر ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حضرت نضیب علیہ السلام کی تو پہچان ہی سانچہ کر بلا ہے۔ سیدہ نضیب علیہ السلام بہت بڑی خطیبہ، فقیہہ اور دلوں میں گداز پیدا کرنے والی سر بیان مقررہ تھیں۔ مگر ان کے خطبات تعلیمات اسلامی اور دوسرے موضوعات پر مشتمل تھے ان خطبات نے حیرت انگیز دلیری و شجاعت، ایمان افروز استقامت اور باطل قوتوں کے سامنے شمشیر برسا کر سینہ سپر ہونے والی عبت کی استطاعت اور شانِ عطا کی۔ ان کا تعلق سانچہ کر بلا سے ہے۔ سیدہ نضیب علیہ السلام کا واقعہ کر بلا سے تعلق اول سے آخر تک ہے۔ امام حسین علیہ السلام تو خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو کر خدا کے حضور سجدہ نماز پیش کر کے سر خرد ہو گئے۔ اس سے آگے جو کچھ ہے وہ محض اسلام سیدہ نضیب علیہ السلام بنتِ علی علیہ السلام کے کردار کی لازوال چمک ہے جس نے سانچہ کر بلا کو لکھ لکھ خون روتی اور رولاتی ہوئی قوتِ بیان کے ساتھ تاریخ کی زینت بنا دیا۔ اس لئے کیسے ممکن تھا کہ سیدہ نضیب علیہ السلام بنتِ علی علیہ السلام کا ذکر چھڑتا اور کر بلا کی لہو رنگ داستان سامنے نہ آتی۔ سرزمین کر بلا اور سیدہ نضیب علیہ السلام دونوں ہی وقت کے افق پر ابھرنے والے لہو رنگ حقائق ہیں۔

تھی داستانِ دراز بھی اور دل گداز بھی

لیکن کہاں یہ دل کہ دیا جائے اس کو طول

حضرت سمیہ بنت خطابؓ

شوکتِ اسلام کی پہلی شہیدہ مرحبا
 نقش ہے تاریخ پر اس کا عیامِ دل بُنا
 اپنے خُون سے دی گواہی عِصمتِ اسلام کی
 ہے عمل ہر ایک اُس کا قُورِ ایمان جاں فزا
 حضرت یاسرؓ کی بیوی اور ماںِ عمارؓ کی
 اُس کا خاوند بھی ہوا سُلطانِ عالم پر فدا
 جان دینا دین کی خاطر نہیں آسان کام
 ہے یہ لُغِبِ جاوداں اور ہے یہ قُدْرَت کی عطا
 ہوں سمیہؓ پر اَبَد تک ہم غلاموں کے سلام
 وہ ہے زَعمہ آج بھی بُوجھلِ ذُلّت کی صدا
 صبر کر اے آلِ یاسرِ غلہ ہے حیرے لئے
 سرورِ دین نے رستمؓ ہوتے جو دیکھے تو کہا
 اے رِضا زَعمہ حقیقت ہے یہی ہر دور میں
 قافلے حق کے چلیں گے اس کے رستے پر سدا

اسلام کی شہیدۂ اول

حضرت سمریہ بنت خیاطؓ

حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کا اقرار کرنا اور زندگی کے آخری سانس تک اسے عملی طور پر نباہنا بہت مشکل کام ہے۔ مشقِ مصطفیٰ ﷺ کا نعرہ لگانا آسان ہے مگر اس پر عملی طور پر مظاہرہ کرنا آگ اور خون کے سمندر سے گزرنے کے مترادف ہے۔ آج کا دور تو آج کا دور ظہرِ اجب آج سے چودہ صدیاں قبل محبوبِ خدا ﷺ نے اسلام اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تھا تو وہی لوگ جو حضور ﷺ کو امین، صادق، اعلیٰ ترین کردار کا پیکر کہتے نہیں جھکتے تھے یک ایک آپ کے دشمن ہو گئے۔ جس زبان سے نکلنے والے الفاظ کو وہ سچائی اور صداقت کی میزان سمجھتے تھے اُسی زبانِ اقدس سے نکلنے والے الفاظ ان کیلئے ناقابلِ برداشت ہو گئے۔ مٹی اور پتھر کے سینکڑوں اصنام نے اُن کی عقلوں پر جہالت، تعصب اور باطل شناسی کی مہر لگا دی تھی۔ وہ اندر سے محسوس کرتے تھے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان حق و صداقت کے الفاظ کے علاوہ کچھ اور ادا کر ہی نہیں سکتی مگر اپنا قبائلی وقار، اتاپہندی اور بھجوں کے ساتھ اُن کی دیرینہ وقاداری انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمہ حق کو قبول کرنے سے روک رہے تھے۔ اب اُن کے پاس ایک ہی حربہ تھا کہ امن و سلامتی کے طبرِ رواں اور اُس کے چاہنے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں۔ خدا کی توحید و سرِ بلندی کا نعرہ لگانے والے پر زندگی گزارنی محال کر دی جائے۔ کفر و شرک کے اندھیروں میں آفتابِ نور روشن کرنے والے پر زندگی حرام کر دی جائے اور وہ الٰہی ایمان جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی آواز پر لبیک کہہ کر اُن کی دعوت کو قبول کر رہے ہیں اُن پر زندگی کی ایک ایک سانس چھوار کر دی جائے۔

ہمارا سلام شوقِ پیچھے اُن فرزندِ عمانِ عزیمت کو جنہوں نے ہر مشکل گمزی میں

حائے بے کسان، معینِ عاصیاں، علیہ السلام کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا ایک مرتبہ حضور ﷺ کا دامانِ اسلام تمام لیا خدا کی وحدانیت اور رسالت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقرار کر لیا تو پھر ان کے قدم ہواواستقامت میں کبھی ڈولنے نہ پائے۔ وہ اس حقیقت کی تفسیر بن چکے تھے۔

۔ قدم آگے کو اٹھے ہیں وہ واپس پھر نہیں سکتے

بلندیِ عشق احمد علیہ السلام کی ملی ہے گر نہیں سکتے

اسلام قبول کرنے والے ”المتابعون الاولون“ میں جہاں حضرت صدیق اکبر، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ، حضرت خدیجہ الکبریٰ، حضرت عثمان، حضرت عمر فاروق اعظم (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جیسے سر بلند نفوس اور عظیم شخصیات کے اسمائے گرامی سامنے آتے ہیں وہاں ایک ایسے گھرانے کا تصور بھی ابھرتا ہے جو تین افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت یاسر، حضرت سیدہ اور حضرت عمار بن یاسر۔ یہ گھرانہ بھی اولین مسلمانوں میں سے تھا۔ کفار جہاں دوسرے مسلمانوں کو ستاتے تھے ایذائیں دیتے، وہاں ان کے قبیلوں سے کئی مرتبہ خانف بھی ہو جاتے تھے کہ کہیں ان کی خاندانی حیثیت جوش میں نہ آجائے اور وہ ہم سے بدلہ لینے پر نڈل جائیں۔ اس لئے اُن سے کبھی بھی نری اور درگزر بھی کر لیا کرتے مگر یہ مختصر سا گھرانہ تو انتہائی غریب افراد کا تھا اس لئے ابو جہل جیسے سفاک اور اُس کے دوسرے ساتھیوں کا غصہ اس خاندان پر لگا۔ خوب خوب ستاتے جاتے، بلکہ اُن کے ساتھ جو مظالم ردا رکھے گئے اُن کا تصور کر کے قلبِ ہستی کپکپا اُٹھتا ہے۔ بوڑھے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، عمر رسیدہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے جوان بیٹے ظلم و تشدد کی بیہنٹ چڑھے ہوئے تھے۔

نبی کریم ﷺ سے اپنے چاہنے والوں کی پریشان حالی پوشیدہ نہیں تھی۔ وہ سب کے عمر راز تھے سب کے دلوں میں بٹے اس لئے سب کی خبر رکھتے تھے۔ ان تک

یہ بات سچی کہ حضرت یاسر ؓ حضرت سیمہ ؓ حضرت عمار ؓ اور حضرت مہد ؓ اللہ ﷻ پر عظیم و ستم کی انتہا کر دی گئی ہے۔ اسی زمانے میں سرورِ عالم ﷺ ایک دن بنو حرم کے محلے سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ کفارِ قریش نے ایک ضعیف العمر خاتون کلوہ کی زدہ پیتا کر دھوپ میں زمین پر لٹا رکھا ہے اور پاس کھڑے ہو کر قہقہہ لگا رہے ہیں ساتھ ہی اس خاتون سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں ”محمد کا دین قبول کرنے کا حشر چکو“۔

مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ کر حضور ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا ”میر کو تمہارا نکاح جنت میں ہے۔“

راوی حق میں عظیم سہنے والی یہ خاتون جن کو سید المرسلین ﷺ نے صبر کی تلقین فرمائی اور جنت کی بشارت دی، حضرت سیمہ بنت خبابہ تھیں۔

حضرت سیمہ ؓ بنت خبابہ کا شمار نہایت بلند پایہ صحابیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے راوی حق میں اپنے ضعف اور کبرئی کے باوجود ہرہ گدا و مظلوم جھیلے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اسی راہ میں قربان کر دی اور اسلام کی سب سے پہلی شہید ہونے کا متمم بالآخر شرف حاصل کیا۔

حضرت سیمہ ؓ کون تھیں؟ حضرت یاسر ؓ کون تھے؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ کس طور پر مکہ معظمہ میں آئے اور کس طور پر سلطانِ دو عالم ﷺ کے پیغامِ اسلام نے انہیں اس درجہ متاثر کر دیا تھا کہ وہ ہر ستم کو سہنے کیلئے تیار ہو گئے تھے۔ یہ اسلامی مساوات تھی جس نے حضرت بلال ؓ حضرت خبیب ؓ اور ان کی طرح حضرت یاسر ؓ اور حضرت سیمہ ؓ کو بھی یہ احساس دلایا تھا کہ فقط اسلام ہی وہ ضابطہ حیات ہے جس کے رامن میں پناہ لے کر وہ مقتدر انسانوں کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے آباؤ اجداد میں صرف ان کے باپ ”خباط“ کا نام معلوم ہے۔ ان کا وطن اور خاندان کون سا تھا اور وہ کب اور کیسے مکہ پہنچیں؟ کتب سیران سوانحوں کا کوئی جواب نہیں دیتا، صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ وہ آیام جاہلیت میں مکہ کے ایک رئیس ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ یہ بعثت نبوی سے تقریباً بیسالیس سال پہلے کا ذکر ہے۔ اسی زمانے میں یمن سے ایک قطانی النسل شخص یاسر بن عامر اپنے ایک مفقود لٹھر بھائی کی تلاش کرتے ہوئے مکہ میں وارد ہوئے اور یہیں مستقل اقامت اختیار کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ کے حلیف بن گئے۔ اس نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت یاسر بن عامر سے کر دی۔ اُن کی صلب سے حضرت سمیہ کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رحمت عالم ﷺ بچپن اور جوانی کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حیات اقدس کا یہ سارا دور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سامنے گزرا اور انہوں نے حضور ﷺ کی عظیم ترین شخصیت اور اعلیٰ سیرت و کردار کا نہایت گہرا اثر قبول کیا۔ کیونکہ بعثت کے بعد حضور ﷺ نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو اس سارے خاندان نے کسی تامل کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ اس وقت ابو حذیفہ مخزومی کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہ اس کے ورثہ کی غلامی میں تھیں۔ یہ الہی حق کیلئے بڑا پر آشوب زمانہ تھا۔ مکہ کا جو شخص اسلام قبول کرتا، مشرکین قریش کے غیظ و غضب اور لرزہ خیز جو روتشہ و کانٹا نہ بن جاتا، مشرکین اس معاملے میں اپنے قریب ترین عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکے غریب الوطن تھے اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہ کو بھی ابھی بنو مخزوم نے آزاد نہیں کیا تھا۔ ان بے چاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں مشرکین کو کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ انہوں نے اس بے کس خاندان پر

عالمِ احمق کہ انسانیت سرحد کرنا گئی۔ حضرت پیر علیؒ اور حضرت سید

علیؒ دونوں بہت ضعیف اور کھراں تھے مگر ان کی قوتِ ایمانی اور استقامت کا یہ عالم تھا کہ شریکینِ امن کو طرح طرح کی دھمکائیں دیتے تھے اور شرک پر مجبور کرتے تھے۔

رحمتِ عالمؒ نے ہشت کے بعد دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو وہی قریش مکہ جن کی زبانیں آپ کو امن میں کہتے نہیں تھیں وہ نہ صرف آپؐ کے خون کے واسطے بن گئے بلکہ جو شخص بھی دعوتِ حق پر تکیہ کرتا اُس پر بے تحاشا ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیتے تھے اس میں مردِ باہمت کی کوئی شخصیں نہ تھی۔

لیکن ان کے قدمِ باہمتِ حق سے ایک لوہے کیلے بھی نڈا لگاتے تھے۔ یہی حال ان مظلوموں کا بھی تھا جن مظلوموں کو پہلی ذرہ میں پناہ کی تک کی جتنی حق و سچ پر لگتا اور ان کی پشتوں کو آگ کے لگھڑوں سے جھنڈا اور پانی میں غوطے دینا کتھ کا رنڈ کا معمول بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ سرورِ دو عالمؐ اس مقام سے گزرے جہاں ان مظلوموں کو ظلم دیا جا رہا تھا آپؐ کو اس پر سخت دکھ ہوا اور آپؐ نے فرمایا: میرا کہہ آؤ پیر علیؒ تمہارے لئے جتنا کھانا ہے۔

حضرت اکرمؐ نے یہی طرح آٹھ ماہ چکا تھا کہ اس معاملہ پر ڈھلے جانے والے عالم کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ پہلے کی عکاسی کو آؤ کرنا چکے تھے۔ ہر ملک بے مسلمان ملے تھے پاس وقت کر رہے تھے کہیں چاروں کو آؤ کرنا نہ دے سکتے تھے یا مگر جو حملہ اس کے شقی بھگت ہوا نے اسے اپنی تباہی پہلی عزت کا مسلہ ملا ہوا کہ ہم نے ہر شخصیتِ غربت کو چارہ کر رہے ہیں۔ چارہ میں چارہ میں ہے جو میں خوش کی زندگی سے کھیل کر میں کی خوشی کو مسلمانوں کیلئے حرام میرت ہوا ہے۔ اس لئے وہ کی قیمت پر بھی آؤ پیر کو آؤ کرنا نہ دے پر تین سو تے ہیں۔



رحمت پناہ بے کساں ﷺ نے تو جس کو جہاں بھی ظلم و تشدد کی جگہ تھی میں پست و یکساں خود کوشش کی یا صحابہ کے تعاون سے انہیں آزادی دلانے میں کامیاب رہے۔ یہاں معاملہ زیادہ ہی سخت تھا۔ مظلوم بھی اعنہائی غریب و مفلس اور کمزور تھے اور ظالم و جاہل بھی اپنے جبر و ستم کی آخری حدوں کو آزما رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں دیکھے بغیر بھی نہیں روہ سکتے تھے اس لئے ہر بار انہیں صبر کی تلقین کرتے اور جنت کا مژدہ سناتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بچوں کو معتلائے مصیبت دیکھا تو آپ نے فرمایا ”مہر کرو! الٰہی آلِ یاسر رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرما دے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔“ بوڑھے یاسر رضی اللہ عنہ یہ ظلم سہتے سہتے ایک دن جاں بحق ہو گئے لیکن مشرکین کو پھر بھی اس خاندان پر رحم نہ آیا اور انہوں نے حضرت سمیہ اور ان کے بچوں پر ظلم کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

اسی طرح ظلم کرنے اور ظلم سہنے کا عمل جاری رہا۔ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ابو جہل ظلم و تشدد اور وحشیانہ سفاکی کو آخری منزل تک پہنچانے پر ٹکا ہوا تھا۔ اس نے ظلم و ستم کا ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا تھا کہ یہ نچیف و زنا غلام بوڑھے بھی اسلام کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اُسے حیرت تھی کہ محمد ﷺ نے ان کو کون سا نشہ پلا دیا ہے کہ ان کو اپنی جان کی معمولی سی پرواہ بھی نہیں ہے اور یوں لگتا ہے کہ موت ان کیلئے موت نہیں بلکہ حقیقی زندگی کا پیام ہے۔

کشاودر دل سمجھتے ہیں اس کو..... ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

ایک دن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دن بھر سختیاں سہنے کے بعد شام کو گھر آئیں تو ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کر دی اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اپنا ہر چھا حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کھینچ مارا۔ وہ اسی وقت زمین پر گر گئیں اور اپنی جان جانِ آفرین

کے پُروردگی ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے حیر مار کر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا۔ اب صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے تھے۔ ان کو اپنی والدہ کی مرگ بے کسی پر سخت صدمہ ہوا، روتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سن کر عرض کی:

يَا رَسُولَ اللَّهِ ابْنُ قَوْمٍ كَيْفَ يَكُونُ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مبرکی تلقین کی اور فرمایا:

”اے اللہ! آلِ یاسر کو دوزخ سے بچا“

حضرت عمار رضی اللہ عنہ تو بیٹے تھے اس لئے ان کو والدہ کی مظلومانہ شہادت کبھی نہیں بھول سکتی تھی لیکن سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ابو جہل کی شہادت اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی مرگ بے کسی یاد رہی چنانچہ غزوہ بدر (رمضان المبارک ۲ھ) میں ابو جہل جہنمِ داصل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

قَدْ قَتَلَ اللَّهُ كَيْدَ ابْنِ لَيْلَى

وہ وقت بھی کتنا عبرت آفریں تھا جب حضرت یاسر رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ کا قاتل اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر تشدد کا ہر حربہ آزمانے والا ابو جہل خود موت کے بے رحم جیزوں میں جا رہا تھا۔ یہی ابو جہل تھا جس نے نبیؐ کو حق پرستوں کی زنجیوں کا چراغ ٹھکرایا تھا اور آج میدانِ بدر میں ایک ہزار مسلح کفار کو لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے جانفروں کی زنجیوں کے چراغ ٹھکرا کر مارنے کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کی امنٹ سمانٹ بجانے پر ٹلا ہوا تھا۔

اسلام اور کفر کی زبردست معرکہ آرائی کے بعد حضرت محاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما نے مکہ کے مفرحون کو شدید غمی کر کے بدست و پا کر کدمن چائے پر مجبور کر دیا تھا۔

اب وہ اپنے بچے ہوئے خون میں ڈوب کر اپنے وجود کی سانسوں کو ختم ہوتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اتنے میں حضرت معاذ اور مسود رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کی اُلو جہل کی ہلاکت کا مُردہ سنایا۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے ظلم و تکبر کے پیکر کو موت کی تھخیاں چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس دوران میں صحابی رسول فقید الامت حضرت عبداللہ بن مسود رضی اللہ عنہ جو کمزور بچے کے مالک تھے اُلو جہل کی زردہ اور سامانِ جنگ بطور مالِ غنیمت حاصل کرنے کیلئے اُس کے قریب پہنچے۔ اُس کی تلوار اٹھائی اور اسی کے سینے پر چڑھ بیٹھے موت کے منہ میں جانے والے اس شیطان نے پھر بھی اکر کر کہا۔

”اوجھوا ہے تجھے پتہ ہے تو کس کے سینے پر بیٹھا ہے“

حضرت عبداللہ بن مسود رضی اللہ عنہ نے کہا ”او عالم اپنا انجام دیکھ تو ذلت و رسوائی کی موت مر رہا ہے۔ اسلام سُرخرد ہو چکا اور محمد رسول اللہ قاتل ہیں۔“
یہ سنتے ہی آخری دردناک کراہ اُلو جہل کے سینے سے نکلی اور کہا:
”میرا سر میرے گلے سے رگڑ کر کاٹنا کہ جب سروں کی کتلی ہو تو کتے کے سردار کا سر سب سے بلند ہو۔“

۔ کہ جس کو دیکھنے والے کہیں سردار کا سر ہے

بڑے ہی گردن افراز و سہ سالار کا سر ہے

اُلو جہل مِٹ چکا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کو دیکھا جن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اپنے ماں باپ یاد آ رہے تھے۔ سر کا ردو عالم ﷺ نے اُن کے آنسو پونچھے ہوئے کہا:

”اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا ہے“

حضرت سہیل کی شہادت بھرت نبوی سے کئی برس قبل واقع ہوئی تھی اس لئے تمام مؤرخین اسلام نے انہیں اسلام کی اولین شہیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت خطابؓ

فاطمہ بنت خطاب کی زندگی
 روشنی روشنی ، بدگی بدگی
 اُن کا انداز ہر ایک نورِ یقین
 اُن کی ہر اک ادا آگہی آگہی
 راو ایمان میں راو ایمان میں
 اُن کی ہر اک ادا رحمتِ جلی
 ترترِ خون میں آپ کو دیکھ کر
 ابنِ خطاب کو دہیں کی دولتِ ملی
 پاک دل پاک خُو نیک دلِ باصفا
 اُن کا کردار نگراںِ حق کی کلی
 یہ فدا تھیں دل و جاں سے اسلام پر
 ضوِ کون اُن کے دل میں تھا عشقِ نبی
 نام اُن کا رضا شوکتِ دینِ حق
 اُن کا ایمان تھا سربرِ چاندنی

(محمد اکرم رضا)



حضرت فاطمہ بنت خطابؓ

اسلام کا اعلان ہوتے ہی مکہ میں مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ بُت پرستوں کی سرزمین پر جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعلانِ توحید و رسالت سے ظالم و جابر بُت پرستوں نے مسلمان کو دن رات ستانا اور انہیں کلمہ و شہادہ کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ مسلمانوں حرم بیت اللہ میں آتے تو ان پر قیامت توڑی جاتی۔ خاص طور پر پیغمبر اسلام حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو وحشت و بربریت کا نشانہ بنایا جاتا آپ پر پتھر پھینکے جاتے، حالتِ سجدہ میں آپ پر گندگی پھینکی۔ ان کے بقول پیغمبر اسلام اپنے نئے دین کے ذریعہ انہیں گمراہ کر رہے تھے۔ غریب اور نادار مسلمان خاص طور پر ان کے مظالم کا نشانہ بنتے تھے کیونکہ ان میں سے بعض تو ان کے غلام ہوتے اور بعض اس قدر غریب کہ ان کے خلاف بول بھی نہیں سکتے تھے۔

لیکن چشمِ فلک یہ مظر دیکھ کر حیران تھی کہ وہ جتنا زیادہ مسلمانوں کو ستاتے تھے اسلام ماننے والوں کی تعداد اتنی ہی زیادہ بڑھ رہی تھی۔ خود مکہ کے بڑے بڑے رؤساء کے گھروں میں کوئی کوئی فرد اسلام قبول کر رہا تھا۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ یہ ایسا نشہ تھا کہ جس کی تاثیر حیرت انگیز تھی۔ اسلام قبول کرنے والی ہستیوں میں حضرت فاطمہ بنت خطابؓ بھی تھیں جن کے بھائی عمر ابن خطاب حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی شہادت اور مسلمانوں کو ایذا دینے کے شب و روز بھانے سوچا کرتے تھے۔

حضرت آمنہؓ جلیل فاطمہ بنت خطابؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے لیکن تعجب ہے کہ کتبِ سیر میں ان کے بہت ہی کم حالاتِ زندگی ملتے ہیں۔ حسبِ نسب کے بارے میں اتنا کافی ہے کہ وہ قریش کے خاندانِ بنو عدی میں سے تھیں اور سداً ناقاروق اعظم ﷺ کی بہن تھیں سلسلہ نسب یہ ہے:

فاطمہ بنت خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

کعب بن لوی پر حضرت فاطمہ ؓ کا سلسلہ نسب حضور ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت فاطمہ ؓ کی شادی حضرت سعید بن زید (بن عمرو بن نفیل) سے ہوئی جو اصحابِ عمرہ و بصرہ میں سے ایک ہیں۔ دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ سرورِ عالم ﷺ نے بیٹہ کے بعد جو نبی دعوتِ حق کا آغاز فرمایا۔ حضرت سعید اور حضرت فاطمہ ؓ ملا تامل آگے بڑھے اور دینِ حق کے حلقہ بگوش بن گئے۔ ان سے پہلے صرف کئی کے چند سعید الفطرت اصحابِ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت خطاب ؓ سے پہلے صرف چھیس آدمی ایمان لائے تھے۔ حضرت فاطمہ ؓ ستائیسویں مسلمان تھیں اور حضرت سعید ؓ اٹھائیسویں مسلمان تھے۔ اس طرح دونوں میاں بیوی کو ”السا بقون الاولون“ میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

جس زمانے میں حضرت فاطمہ ؓ سخاوتِ اعوذِ اسلام ہوئیں اُن کے نامور بھائی عمر بن الخطاب دینِ حق کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ یہ حضرت فاطمہ ؓ کا استقلال اور اخلاص فی الدین ہی تھا جس نے ایک دن ان کو عمر بن الخطاب سے فاروقِ اعظم ہٹا دیا۔ حضرت فاطمہ ؓ کی کتابِ زندگی کا یہ سب سے نامک باب ہے اور بہت سے اور باب بیز نے اُسے بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ تاہم کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن میں حضرت عمر فاروق ؓ کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو ایک دوسری صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت فاطمہ ؓ کا ذکر نہیں آیا لیکن مشہور روایتِ وحی ہے جسے ابن اسحاق ابو علی، ہزار طبرانی، بیہقی، دارقطنی اور کئی دوسرے اہل



سیر نے تو اتر کے ساتھ نکل گیا ہے اگرچہ تفصیلات میں تھوڑا بہت اختلاف ہے لیکن واقعہ کی صورت قریب قریب یکساں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ بعدِ بعثت میں ایک دن حضرت عمرؓ علی الصباح شمشیر بدست گھر سے یہ ارادہ کر کے نکلے کہ آج شیخ رسالت ﷺ کو بُجا کر دم لیں گے۔

مشہور روایت ہے کہ جب سرورِ عالم ﷺ کے شجاع چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے تو مشرکینِ قریش کے چندار پر سخت ضرب لگی۔ انہوں نے مشتعل ہو کر ایک اجتماعِ عام کیا جس میں ابو جہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو قتل کرے گا میں اسے سو سرخ اونٹ (جو بہت گراں بہا ہوتے تھے) اور چالیس ہزار درہم نقد بطورِ انعام دُوں گا۔

حضرت عمرؓ بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ انہیں انعام کا لالچ تو نہیں تھا لیکن اپنی زور آوری اور طاقت پر بڑا مانا تھا۔ ابو جہل کی اشتعال انگیز تقریر سن کر جوش میں آ گئے اور باوازی بلند کیا:

”مجھے لات وعزائی کی قسم جب تک میں محمد (ﷺ) کو قتل نہ کر لوں گا زمین پر نہ بیٹھوں گا۔“

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قبولِ اسلام کے بعد سرورِ دو عالم ﷺ کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ قریش کے دوستوں عمرو بن ہشام (ابو جہل) اور عمر بن الخطابؓ میں سے کسی ایک کو دولتِ اسلام سے بہرہ ور کر دے چنانچہ آپؐ نے دعا مانگی:

اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ہشام واما عمر ابن الخطاب
(الہی! اسلام کو ابنِ ہشام یا عمر بن الخطاب سے عزت دے)

یہ دعا فوراً اجابت پر پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو اسلام کا دست و بازو بنانے کیلئے چُن لیا۔ اس واقعہ (یعنی حضور ﷺ کے دُعا مانگنے) کے دوسرے ہی دن حضرت عمرؓ حضور ﷺ کو شہید کرنے کا عزم کر کے گھر سے نکلے۔ راستے میں اِشفاق سے اُن کے قبیلہ بنو عدی کے ایک صاحب حضرت فہیم بن عبد اللہؓ مل گئے۔ وہ خفیہ طور پر دولتِ اسلام سے بہرہ مند ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے پوچھا:

”عمر یہ آج شمشیر بکف کدھر چلے ہو۔“

حضرت عمرؓ: ”آج اپنے دین سے منحرف ہو جانے والے اس شخص کو قتل کرنے جاتا ہوں جس نے قریش کی جمیعت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے، ہم سب کو احقر قرار دیا ہے۔ ہمارے معبودوں کی مُدّت کی ہے اور ہمارے دین میں کیڑے بٹالے ہیں۔“

حضرت فہیمؓ: عمرؓ یہ بڑا خطرناک کام ہے، خدا کی قسم تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو اگر تم محمد (ﷺ) کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا بنو عبد مناف تمہیں زمین پر چلنے بھرنے کیلئے زندہ چھوڑ دیں گے؟

حضرت عمرؓ (ﷺ) نے کہا: ”مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی اپنا آبائی مذہب ترک کر کے محمد (ﷺ) کا دین اختیار کر لیا ہے۔ کیوں نہ پہلے تمہیں ہی اس کا حرہ چکھا دوں۔“

حضرت فہیمؓ نے کہا: تم مجھ کو بعد میں حرہ چکھانا پہلے اپنے گھروالوں کی تو خبر لو۔

حضرت عمرؓ بولے: ”میرے کون سے گھروالے؟“

حضرت فہیمؓ بولے: ”تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، میری نسبت تم پر اُن کا زیادہ حق ہے۔“

حضرت عمرؓ (ﷺ) کیسُن کر جوشِ غضب سے بے قرار ہو گئے۔ پلٹ کر حضرت

فاطمہؓ کے گھر پہنچے۔ وہاں اس وقت سادس الاسلام حضرت خباب بن الارتؓ بھی موجود تھے۔ اُن کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۃ النکسی ہوئی تھی۔ وہ دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت فاطمہؓ اور اُن کے شوہر حضرت سعیدؓ کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کی آواز سُن لی اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں کہ یہ عمرؓ ہیں۔ انہوں نے حضرت خبابؓ کو گھر کے پچھلے حصے میں دھکیل دیا اور قرآن پاک کے اجزاء کو جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھول دیا۔

حضرت عمرؓ (رضی اللہ عنہ) نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا:

”یہ کیسی آواز تھی جو ابھی میں نے سنی ہے۔“

حضرت فاطمہؓ اور حضرت سعیدؓ نے کہا: ”تم نے کچھ نہیں سنا۔“

حضرت عمرؓ سخت غضب ناک ہو کر بولے۔

”نہیں میں نے سنا ہے، خدا کی قسم میں سُن چکا ہوں کہ تم دونوں نے محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر لیا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ اپنے بہنوئی (حضرت سعید بن زید) سے لپٹ گئے، اُن کے لیے

بال پکڑ کر زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشہ پیشنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر

کو بچانے کیلئے اٹھیں تو انہیں بھی مارا۔ پھر حضرت سعیدؓ پر ایک لکڑی سے وار کیا

چاہتے تھے کہ حضرت فاطمہؓ آگے آگئیں، وار اُن کے سر پر پڑا اور اُس سے خون کے

نوارے چھوٹنے لگے۔ اسی حالت میں شوہر کے ساتھ ہم زبان ہو کر بولیں:

”ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آئے

ہیں تم جو کر سکتے ہو کر لو دین حق کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔“

ایک اور روایت میں حضرت فاطمہؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں جن کی

حیظ جانہ مری نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

بہن بولی مہرہم کو اگر تو مار بھی ڈالے

فلنجوں میں کسے یا بونیاں کتوں سے نہالے

مگر ہم اپنے دین حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے

بندہ معرفت کی بل گئی ہے گر نہیں سکتے

ہمیشہ کی جرأت گفتار اور استقامت ایمان اور بے خوف لہجہ دیکھ کر عمر کا باطن بیدار ہونے

لگا۔ ان بہن اور بہنوئی کو غور سے دیکھا جن کو مار مار کر خون میں نہلا دیا تھا۔ یہ کیفیت

مظلومی اور جذبہ ایمانی

دہن سے نام حق، آنکھوں سے آنسوؤں سے خون جاری

مہر کے دل پہ اس نقشے سے عبرت ہو گئی طاری

آہستہ آہستہ اُن کا قصہ عمامت میں تبدیل ہونے لگا۔ آخر کو دعائے مصطفیٰ ﷺ نے بھی

اپنی تاثیر دکھائی تھی اور آپ نے ہی آگے چل کر فاروقی اعظم بننا تھا۔ حضرت فاطمہ بنت

خطاب ﷺ نے اپنا خون بہا کر کسی اور ہی راستے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے بیٹھے

رہے پھر بولے:

”اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔“

حضرت فاطمہ ﷺ نے کہا: ”میں ڈر رہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ ”تم کوئی اندیشہ نہ کرو

میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اب خیال آیا کہ شاید بھائی کے دل پر کلام

الہی کا اثر ہو جائے۔ انہوں نے کہا:



”ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے یہ صحیفہ جس میں کلامِ الہی درج ہے اس کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو اس صحیفہ کو نہیں چھو سکتے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُنھ کو غسل کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صحیفہ اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے سورۃ کا ابتدائی حصہ ہی پڑھا تھا کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، دل سے کُفر و شرک کا رنگ دُور ہونے لگا۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے قرآنِ کریم کی شوکتِ الفاظ، ندرتِ بیان اور فصاحتِ زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی۔ جب اس آیت پر پہنچے:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى

(پارہ ۱۶، سورۃ ۱، آیت ۸)

یعنی اللہ (وہ ہے) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کیلئے بڑے خوبصورت نام ہیں۔

تو اُن پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار پکار اُٹھے:

”ما احسن الکلام“ یہ کتاب یا را کلام ہے..... جو نبی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے حضرت خباب رضی اللہ عنہ مکان کے پچھلے حصے سے نکل کر باہر آ گئے اور جوشِ مسرت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا: اے عمر مبارک ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل ہی دُعا مانگی تھی کہ الہی عمر و بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر۔“

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی پڑھ کر سناؤ۔

حضرت فاطمہ ؑ نے اپنے جسم سے خون صاف کیا دُھو کر کے کلام اللہ کے اوراق نکالے اور پھر بڑے جوش سے سورہہ کی تلاوت شروع کر دی۔

طه ۝ مَا اَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی ۝ اِلَّا تَذَكُّرًا لِّمَنۡ

يَخْشٰی ۝ تَنزِيْلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝

اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ السُّعُوٰی ۝

(پارہ ۱۶، سورہہ طہ، آیت ۵ تا ۱۵)

(طا) نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ یہ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بے حد مہربان کائنات کی فرمانروائی پر متمکن ہوا۔

جوں جوں پڑھتی جاتی تھیں حضرت عمر ؓ کا دل پانی ہوتا جاتا تھا جب انہوں نے پڑھا:

لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الْعَرْشِ

(پارہ ۱۶، سورہہ طہ، آیت ۶)

اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گہلی مٹی کے نیچے ہے۔

تو حضرت عمر ؓ ضبط نہ کر سکے اور بولے:

”اے فاطمہ! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے کیا وہ سب

تمہارے خدا کا ہے؟“

حضرت فاطمہ ؑ نے جواب دیا: ”بے شک بھائی! ہمارا اللہ بڑی شان اور



قدرت والا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”ذرا یہ اور اوراق مجھے بھی دو۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: بھائی ہمارے اللہ کا حکم ہے:

لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ

جب تک کوئی پاک و صاف نہ ہو کلام الہی کو ہاتھ نہ لگائے۔ آپ پہلے غسل

کریں اس کے بعد شوق سے ان اوراق مقدس کو دیکھیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُنھ کو غسل کیا اور پھر نہایت ذوق و شوق سے کلام الہی کو دیکھنا شروع کیا اس کی تاثیر نے انہیں مغلوب کر لیا لیکن جب اس آیت پر پہنچے:

يٰۤاَيُّهَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ

(پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت ۱۴)

ترجمہ: (یقیناً میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو میری ہی عبادت کیا کر اور میری ہی یاد کیلئے نماز پڑھا کر)

تو بے اختیار ہو گئے اور زار زار رونے لگے حتیٰ کہ واڑھی کے سب بال تر ہو گئے۔ پھر اپنے بہنوئی اور بہن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”خدا کیلئے میری زیادتی مُخاف کردادہ گواہ ہو کہ میں سچے دل سے محمد ﷺ

پر ایمان لاتا ہوں۔“

اس کے بعد حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور ﷺ کو ابرار قم میں تشریف فرما

ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ار کمر سے باندھے ہوئے دابر قم کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دروازہ کھولنے میں تامل ہوا۔ اس موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جوش آگیا انہوں نے کڑک کر کہا: دروازہ



کھول دو عُمَرِ نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر و نہاسی کی تلوار سے اس کا سر اُڑا دوں گا۔
دروازہ کھلنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے تابانہ اندر داخل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان کی چادر کو اپنی مٹھی میں دبا کر زور سے کھینچا اور فرمایا ”ابن خطاب کس نیت سے یہاں
آئے ہو“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جلالِ نبوت نے لرزادیا۔ سر جھکا کر نہایت ادب سے عرض کی:
”یا رسول اللہ! میں اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے کیلئے حاضر ہوں۔“
اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے اللہ اکبر فرمایا۔ تمام صحابہ کچھ گئے کہ عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے
ہیں۔ انہوں نے جوشِ مسرت میں اس زور سے نعرہ بکیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج
اُٹھیں۔ حضرت فاطمہ اور حضرت سعید بن زید کے مسلمان ہونے کا علم ہوا لیکن صحیح
بخاری کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کے اسلام سے پہلے ہی
آگاہ تھے اور اب اسلام لانے کے جُرم میں اُن کو باعہد لیا کرتے تھے۔

اس روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قبولِ اسلام
سے پہلے بھی یمن اور بنی نوئی پر اسلام لانے کے جُرم میں کبھی کبھی سختی کیا کرتے تھے لیکن
سختی صرف ان کے باندھنے تک محدود تھی۔ جس دن انہوں نے اسلام قبول کیا یہ سختی حد
سے تجاوز کر گئی اور یمن ان کے ہاتھ سے سخت زخمی ہو گئیں۔ شاید قضا و قدرت کو یہی منظور
تھا کہ یمن کے سر سے خون بہتا دیکھ کر اُن کا سخت دل نرم ہو جائے۔

۱۳ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ کی طرف
ہجرت کرنے کا اِذن دیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ
بھی مہاجرینِ اولین کے ساتھ مدینے پہنچے اور حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام
کیا۔ درمختور کی ایک روایت کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق

ﷺ کے عہد خلافت میں وفات پائی لیکن اہل سیر نے اُن کے زمانہ وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا جس کا نام عبدالرحمن تھا لیکن حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اُن کے چار بیٹے تھے۔ عبداللہ عبدالرحمن زید اور اسود (رحمہم اللہ)

حضرت فاطمہ بنت خطاب رحمہم اللہ کے حالات کم دستیاب سہی لیکن اُن کی یہ قربانی بھلا کم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت گیر اور درشت مزاج انسان کو ایوان اسلام تک لے آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنا مارا کہ جسم و جان لرز اُٹھے نہ انہوں نے بہن کا خیال کیا نہ بہنوئی کا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت حقانیت اسلام کی مضبوط چٹان بن چکی تھی جس کی مضبوطی بڑے بڑے مضبوط اعصاب رکھنے والوں کو گداز بخش دیتی ہے۔ آپ نے ظلم و ستم کی آخر حد کو برداشت کر لیا مگر سبب خارا کو اسلام اور قرآن مجید کی تاثیر بخش دی۔ جب بھی استقامت عمل اور فروغ دین کیلئے جرات ایمانی کا مظاہرہ کرنے والی خواتین کا ذکر آئے گا حضرت فاطمہ بنت خطاب کا تذکرہ ضرور چمڑے گا۔ سلام ہوں اس عظیم ہستی پر جو کمزور عورت ہو کر بھی رفعت قرآن کا ستون بن گئیں اور ان کے اس عمل نے اسلام کے قافلے کو نئی تپ و تاب اور برق رفتاری بخش دی۔

۔ جناب فاطمہؑ نے شمع ایمان کو ضیا بخشی
 وہ کونین کی اُلفت میں جینے کی ادا بخشی



حضرت اُمّ سلیمؓ بنت طلحان

زینتِ دنیائے نساء حضرت اُمّ سلیم
 عاشقِ سلطانِ دُورِ حضرت اُمّ سلیم
 جس کو ہر پل ہر گھڑی ہر آن آقا تھے عزیز
 خدمتِ احمدؐ کا عنوان حضرت اُمّ سلیم
 چہرہ سلطانِ دین کی اک جھلک جس کے لئے
 قہقہہ خمِ ہستی کا دریا حضرت اُمّ سلیم
 اہلِ نبیؐ کی قہسِ والدہ سرکار کی قہسِ خادمہ
 احمدؐ مرسلؐ پر قربان حضرت اُمّ سلیم
 رحمتِ للعالمین کی قہسِ رضا اُن کو عزیز
 سرورِ عالم پہ قربان حضرت اُمّ سلیم
 قہسِ دُعائیں اُن کو حاصل رحمتِ دارین کی
 جن پہ تھے سرکارِ نازاں حضرت اُمّ سلیم
 اے رضا یہ عورتوں کے حق میں رشکِ زندگی
 خالقِ ہستی کا احسان حضرت اُمّ سلیم



حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بنت طلحان

ایمان کی سب سے بڑی کسوٹی یہی ہے کہ صاحب ایمان حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اپنی زندگی سے بڑھ کر عزیز جانے۔ آپ کی ذات کو حاصلِ ایمان سمجھ، شوکتِ ایمان تصور کرے اور خدا اور رسول خدا اس سے جب بھی کوئی قربانی طلب کریں یہ اپنی جان کا نذرانہ ہتھیلی پر سجا کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہو جائے۔ ماں باپ، بہن بھائی، جائیداد حتیٰ کہ وہ زندگی جو رنگوں کے اندر رقصاں ہے اسے ناموسِ رسول ﷺ پر تصدق کر کے اپنی خوش بختیوں پر ناز کرے۔ مکہ معظمہ میں نبی کریم ﷺ کو سخت دل بدوں اور سنگدل اصنام کے پرستاروں سے واسطہ پڑا مگر رسول کریم ﷺ کے دلمان کریم سے وابستہ ہونے کے بعد یہاں سے ایسے اصحابِ ایمان اُٹھے جو ناموسِ رسول کی خاطر اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ نذرانہ جاں پیش کرنے والوں میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں بلکہ

۔ یہ رُتبہ بلند ملا جس کو بل گیا

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

لیکن جو نبی حضور ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں تو یہاں کی ہر چیز آپ کے قدموں پر تصدق ہونے کیلئے بے قرار نظر آتی ہے۔ مرد اور عورت تو ایک طرف بچے بھی حضور ﷺ کے نام نامی پر کٹ مرنے کیلئے بے قرار نظر آتے ہیں۔ ان خوش بختوں میں سے ایک حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بنت طلحان رضی اللہ عنہا بھی ہیں جو محبتِ رسول ﷺ سے سرشار نظر آتی ہیں اور آپ کی رضا جوئی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔

نامِ رمیلہ یا مہلہ اور بعض کے نزدیک رمیلہ ہے۔ اُمّ سلیم اور اُمّ انس کنیت

عمیرا اور رمیہ القاب ہے۔ ان کے باپ طلحان بن خالد مدینہ کے باشندے اور انصار کے قبیلہ مخار سے تعلق رکھتے تھے۔

مالک بن نضر سے نکاح ہوا جو ان کے ہم قبیلہ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ انہیں سے پیدا ہوئے۔ اسی سال اسلام میں مسلمان ہو گئے۔ اسی سال پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسباب میں لکھا ہے: سلمت مع المسلمین إلى الإسلام من الانصار۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت بچہ تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کو کلمہ پڑھاتی تھیں تو مالک بن نضر جو اپنے مذہب پر قائم تھے اور مشرک تھے نہت فقاہتے تھے کہ تم میرے بچہ کو بھی بدین کہہ دیتی ہو فرض وہ مسلمان نہ ہوتا تھے نہ ہوئے اور اسی حالت میں ناراض ہو کر شام چلے گئے۔ یہاں تک کہ کوئی دشمن پہلے سے خطر تھا اس نے موقع پا کر قتل کر ڈالا۔ اب ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور حضرت انس کے بچپن سے پریشان۔ اگر ایسے وقت میں نکاح کر لیتیں تو قاتل الزام نہ تھیں مگر انہوں نے بڑے استحکال سے کام لیا اور سب کے پیغام یہ کہہ کر دے کہ جب تک میرا بیٹا بگلوں میں مٹھے بیٹھے اور گھنگو کرنے کے قاتل نہ ہو جائے نکاح نہ کروں گی۔ پھر جب انس رضی اللہ عنہ میرے نکاح پر رضامند ہو گا تو کروں گی۔ ان کا یہ کہنا اس خیال سے تھا کہ سو نیلے باپ سے حضرت انس کو تکلیف نہ ہو۔ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ بن شحر کو بچپن تو انہیں کے قبیلہ کے ایک شخص ابو طلحہ نے نکاح کا پیغام دیا مگر مالک کی طرح یہ بھی مشرک تھے اس لئے انہوں نے غور کیا اور کہا: میں تو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائی ہوں اور کوئی دینی ہوں کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ تمہارے باپ پر البتہ غم ہے کہ تم اور کلمی کے بُت پوجتے ہو جو تمہیں کچھ نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ یہ تمہیں کچھ ایسے اعمال میں کی گئی کہ اسلام کی صداقت ابو طلحہ کی سمجھ میں آئی اور چند دن کے غم کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر شرف بہ اسلام ہوئے۔

ابو طلحہ مالک سے بہت معمولی حیثیت کے آدمی تھے مگر چونکہ حضرت ام



سلیم رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے مسلمان ہوئے تھے اس لئے حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا کے دل میں اُن کی وقعت بڑھ گئی تھی اور انہوں نے قبولِ اسلام کے بعد ہی ابو طلحہ سے کہہ دیا میں بھی تم سے نکاح کرتی ہوں اور سوائے اسلام کے کوئی مہر نہیں لیتی۔ یہ نکاح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زیرِ اہتمام ہوا۔

حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا بھی بعض دوسری مسلمان شیرِ دل عورتوں کی طرح جہاد میں مردوں کے دوش بدوش رہیں اور برابر کام کیا۔ صحیح مسلم میں ہے: رسول اللہ ﷺ غزوات میں امّ سلیم رضی اللہ عنہا اور انصار کی چند عورتوں کو ساتھ رکھتے تھے جب آپ جنگ میں مشغول ہوتے تو یہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

جنگِ احد میں امّ سلیم رضی اللہ عنہا مع اپنے شوہر حضرت ابو طلحہ کے شریک تھیں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت میں دشمنوں کے تیر اور نیزے جگر پر روکتے تھے اور حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا بڑی مستعدی سے مجاہدین کی خدمت میں معروف رہتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا کو پاس کچے جڑھائے مشک بھر بھر کر لاتے اور زخمیوں کو پانی پلاتے دیکھا جب مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر بھر لاتی تھیں۔

حضرت ابو طلحہ سے نکاح ہو جانے کے بعد جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں دے چکی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے خدامِ خاص میں سے تھے۔ اور آپ کو بہت محبوب تھے۔ ایک بار آپ ﷺ امّ سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تو امّ سلیم رضی اللہ عنہا نے کھن اور کھجوریں پیش کیں آپ نے امّ سلیم اور اُن کے خاندان کیلئے دعا مانگی۔ حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ اُس وقت محبتِ نبوی جوش پر ہے تو کہا: یا رسول اللہ! میں سب سے زیادہ انس کو چاہتی

ہوں جو آپ کا خدمت گار ہے اُس کیلئے خصوصیت سے دعا فرمائیے۔ آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ! اس کو مال دے اولاد دے اور اُس کی عمر میں برکت عطا فرما۔ اور اسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تمام انصار سے زیادہ متول اور معتر ہوئے۔ کثرت سے اولاد ہوئی اور سو سال سے زیادہ عمر پائی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے مَلَب سے اُن کا ایک بیٹا ابو عمیر بھی تھا۔ ابو عمیر چھوٹا تھا اور کبھی عی میں انتقال کر گیا۔ ایک بار آپ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور ابو عمیر کو رنجیدہ دیکھ کر آپ نے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا: کیا بات ہے آج میں ابو عمیر کو سست دیکھتا ہوں؟ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اس کی ایک چڑیا (غیر) مر گئی وہ اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ آپ نے بَلا کر ابو عمیر کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: اے ابو عمیر تیری تعمیر کیا ہوئی؟ وہ اُس دیا اور اس وقت سے یہ جملہ بطور تبرکات نبوی ضرب النعل ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت نضیب بنت جحش سے نکاح کیا تو حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ سے عرض کرنا یہ حقیر ہدیہ قبول فرمائیں۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا قبیلہ خزرج کی نہایت مغز و شاخ عدی بن نجار سے تعلق رکھتی تھی۔

بعض مذکرہ نویسوں سے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو رسول اکرم ﷺ کی خالہ بتایا ہے اور یہ اس لئے کہ آپ کی پرداوی سلسلی (حضرت عبدالمطلب کی والدہ) کا تعلق بھی بنو نجار سے تھا اور حضرت اُمّ سلیم سلسلی کے بھائی کی پوتی تھیں۔ اس نسبت سے وہ اور ان کی بہن اُمّ حرام حضور ﷺ کی خالہ مشہور ہو گئی تھیں۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے دوسرے خاوند حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ محبت رسول اور جذبہ ایمان کی بدولت بڑے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوئے۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے ایماء پر ہی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ انس رضی اللہ عنہ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ حضور ﷺ نے اُن کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا کیا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کا اعتقاد بہت بڑھا ہوا تھا اور آپ سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت ابوطالب آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھوکے ہیں، کچھ کھانا بھیج دو۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیں کہ بارگاہِ نبوت میں پیش کر دیں۔ آپ مسجد میں مع چند صحابہ کے تشریف رکھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا: تم کو ابوطالب نے بھیجا ہے؟ کہا: جی ہاں۔ فرمایا: کھانے کے لئے؟ بولے ہاں۔ آپ مع تمام حاضر الوقت صحابہ کے گھر تشریف لائے وہ گھبرائے اور حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: اب کیا تدبیر کی جائے؟ کھانا بہت کم ہے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ آدمی بہت ہیں۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے اس وقت بھی نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں سے خدا اور رسول زیادہ واقف ہیں۔ آپ اندر آئے تو انہوں نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے تمام اصحاب کے ساتھ نوش فرمایا۔

اُن کو آنحضرت ﷺ سے کتنی محبت تھی اُس کا اندازہ ذیل کی روایات سے ہو گا۔ فراغتِ حج کے بعد آنحضرت ﷺ نے مقامِ منیٰ میں مَوئے مبارک ترشوائے تو حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حجام سے ان بالوں کو مانگ لو اور برکت کی غرض سے اُن کو ایک شیشی میں بند کر کے رکھ لیا۔ آنحضرت ﷺ کثر اُن

کے گھر آرام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ حضرت اُمّ سلیم جبین مبارک سے پسینہ پونچھ رہی ہیں۔ فرمایا: اُمّ سلیم (رضی اللہ عنہا) یہ کیا کر رہی ہو؟ بولیں: ایرکت حاصل کر رہی ہوں یا رسول اللہ (ﷺ)۔

ایک بار آنحضرت (ﷺ) نے اُن کی مُٹک سے مُنہ لگا کر پانی پیا تو حضرت اُمّ سلیم (رضی اللہ عنہا) نے مسکینہ کا دہانکاٹ کر رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ (ﷺ) کا دہن مبارک مَس ہو جائے۔ آپ (ﷺ) ابھی حضرت اُمّ سلیم (رضی اللہ عنہا) سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ ان کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ کرتے اور ان کیلئے خیر و برکت کی دُعا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت (ﷺ) حج کیلئے مکہ جانے لگے تو حضرت اُمّ سلیم (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا: ”تم اس سال ہمارے ساتھ حج نہیں کر تم! حجاب دیا“ یا نبی اللہ! میرے شوہر کے پاس دو سواریاں ہیں اور ان دونوں پر وہ حج اپنے بیٹے کے حج کو چلے گئے مجھے چھوڑ دیا۔ آپ (ﷺ) نے اُمّ سلیم (رضی اللہ عنہا) کو ازواجِ مطہرات کے ساتھ سوار کر دیا۔ راستہ میں عورتوں کے اونٹ پیچھے رہ گئے ہاتھتھے والے آپ کے فلام انجھو تھے۔ انہوں نے ہُدی خوانی شروع کر دی جس سے اونٹ ڈرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ قریب آئے اور فرمایا: انجھو آہستہ آہستہ شیشے ہیں شیشے“ حضرت اُمّ سلیم (رضی اللہ عنہا) کو تربیتِ اولاد کا جو سلیقہ تھا، اس کا انداز حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کے اس فقرے سے ہو سکتا ہے ”اللہ میری اماں کو جزائے خیر دے انہوں نے میری بہت خوبی سے کفالت کی۔“

حضرت اُمّ سلیم (رضی اللہ عنہا) بڑی عقل و کمال والی خاتون تھیں اور آپ نے نہایت دقیقہ شناس اور نکتہ رس دماغ پایا تھا۔ حدیث کا علم بھی اچھا تھا، لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے اور شکوک رفع کرتے تھے۔ ایک بار حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) میں ایک مسئلہ پر اختلاف ہوا تو دونوں نے انہیں کو حکم قرار دیا۔



حضرت اُمّ سلیم ایک بہادر اور شیر دل خاتون تھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ جب آپ کو میدانِ جنگ میں لے جاتے اور آپ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی دیگر خواتین بھی ہوتیں تو آپ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ ان عورتوں کو سکھاؤ کہ انہوں نے زخیبوں، پیاسوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے۔ آپ انہیں ایسے مواقع پر اپنا رویہ نرم رکھنے کو کہتے۔ جب مسلمانوں کے جے ہوئے قدم اکٹڑ گئے، اس وقت حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدمی کے ساتھ میدان میں جے ہوئے اور حضور ﷺ کی حفاظت میں سینہ پر تھے۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ میدانِ جنگ میں محکم بھر بھر کر لائیں اور زخیبوں کو پانی پلاتی تھیں۔

غزوہ خیبر میں بھی حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا شریک تھیں، حسب سابق اس غزوہ میں بھی انہوں نے نہایت مستعدی سے زخیبوں کی خدمت کی، جب خیبر فتح ہو گیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنتِ حنی نے رسول کریم ﷺ کے نکاح میں آنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے انہیں اُمّ سلیم کے سپرد کر دیا کہ انہیں دلہن بنا کر لائیں کیونکہ جنگ کی مصوجتوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو شکستہ حال کر دیا تھا۔

چند دنوں کے بعد ابوعمیر نے کینسی ہی میں وفات پائی۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اس وقت گھر سے باہر تھے۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے لاڈلے لختِ جگر کی رحلت پر کمال مبر و استقلال سے کام لیا۔ خاموشی سے اس کی میت کو غسل دے کر کفٹایا اور ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو منع کیا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو ابوعمیر رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر نہ دیں۔ رات کو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے۔ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے انہیں کھانا کھلایا۔ جب وہ اطمینان سے بستر پر لیٹے تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: اگر تم کو کوئی چیز مستعار دی جائے اور پھر واپس لے لی جائے تو کیا تم اس کے



دینے سے انکار کرو گے یا اس کا واپس لیا جانا تمہیں ناگوار گزرے گا۔“

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہرگز نہیں۔

بولیں ”تمہارا لڑکا بھی اللہ کی امانت تھی جو اس نے واپس لے لی۔ اب تمہیں

اس کی طرف سے صبر کرنا چاہیے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان سے کہا ”کہ تم نے پہلے کیوں نہ بتلایا۔“ بولیں ”تا کہ اطمینان سے کھانا کھا لو۔“

صبح اٹھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے شیوہ صبر و رضا پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور دعا فرمائی ”اللہ تمہیں اور اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو ابو عبیدہ کا نعم البدل عطا فرمائے۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو ایک اور فرزند عطا کیا جس کا نام عبد اللہ رضی اللہ عنہ رکھا گیا ان کی تربیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زیر سایہ ہوئی۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عامر رضی اللہ عنہ نے چند احادیث روایت کی ہیں۔ لوگ اکثر ان سے مسائل دریافت کرتے اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔

اگر کبھی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُمّ سلیم کے گھر میں نماز کا وقت آ جاتا تو وہاں ہی چٹائی پر نماز ادا فرما لیتے۔ اپنی جائگاری اور عقیدت کی بناء پر حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں بے حد محترم تھیں۔ ازواجِ مطہرات کے علاوہ عورتوں پر شرفِ انہی کو حاصل ہے کہ سید البشر خود چل کر ان کے گھر جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مجھے اُمّ سلیم پر رحم آتا ہے اس کے بھائی حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے میری حمایت میں شہادت پائی ہے۔

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بڑی اولوالعزم اور شجاع خاتون تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ان کی خدماتِ خشنہ اور جانثاری و فداکاری کی بناء پر بہت قدر و قیمت کی جگہوں سے دیکھتے تھے۔

۸ ہجری میں فتح مکہ کے چند دن بعد حنین کے مقام پر خونِ معرکہ پیش آیا۔ حضرت امّ سلمہؓ اپنے شوہر حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ شریک جنگ تھیں۔ ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبائل ہزاروں کی تعداد میں تاک میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے بنی معز اور بنی ہلال کے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ بلالیا۔ وادی حنین میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ رسول اکرم ﷺ افسوسناک خبر سن کر بارہ ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر حنین کی طرف بڑھے۔ اُن میں مکہ کے نو مسلم بھی تھے جو ابھی شوقِ شہادت سے آراستہ نہیں ہوئے تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جن کے ساتھ معاہدے ہوئے تھے۔ دشمن نے ایک ٹکڑے میں اپنے تیر اندازوں کو گھات میں بٹھا دیا تھا۔ جب ہر اول دستہ جو نو مسلموں پر مشتمل تھا آگے بڑھا تو تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ یہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور پورے لشکر کو پریشان حال کر دیا۔ کافروں نے پوری قوت سے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا۔ ایسے مشکل وقت میں حضور اقدس کے ساتھ چند سو جانثار رہ گئے تھے۔ اس نازک گھڑی میں حضرت امّ سلمہؓ ایک خنجر ہاتھ میں لئے اپنے آقا و مولا ﷺ پر قربان ہونے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھیں۔ ان کے بہادر اور دلیر شوہر حضرت ابوطالبؓ اپنی شجاعت سے عشقِ رسول کے عظیم نمونے پیش کر رہے تھے اس وقت نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو پکارا:

انا اللہ لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

مسلمانوں نے آوازہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی صفوں کو منظم کیا اور گرفتار

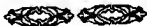
پر قیامت خیز دھاوا بول دیا۔ کافر لکے لکے کر بڑی تعداد میں مردوزن گرفتار ہوئے۔ بعد میں

حضور ﷺ نے انہیں معاف فرمادیا۔

حضرت امّ سلیمؓ کے شوہر حضرت ابوطحہؓ نے رحمتِ عالم ﷺ کو بتایا کہ امّ سلیمؓ ہاتھ میں خنجر لئے کھڑی ہیں۔ حضور ﷺ نے امّ سلیمؓ سے پوچھا اس خنجر سے کیا کرو گی؟ حضرت امّ سلیمؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی آپ کا دشمن قریب آیا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ حضرت امّ سلیمؓ کی بہادری و دلیری اور استقامت کا حال دیکھ کر مسکرا دیئے کہ ایسے عالم میں جبکہ بڑے بڑوں کے قدم اکھڑ چکے ہیں۔ حضرت امّ سلیمؓ کس طرح دیوانہ وار اعزاز میں شہادت کی تمنا لئے کھڑی ہیں۔ حضور ﷺ اس موقع پر آپ کو بے شمار دُعاؤں سے نوازا۔

غرضیکہ حضرت امّ سلیمؓ کو حضور ﷺ دل و جان سے بڑھ کر عزیز تھے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتیں۔ گھر میں اچھا کھانا پکاتا تو سلطانِ دو عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بھیجنا نہ بھولتیں۔ ان کے خاوند حضرت ابوطحہؓ اپنی جگہ محبتِ رسول ﷺ میں غرق اور متوالے تھا اور جان کا نذرانہ پیش کرنے کو ہر لمحہ اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت انسؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت گزاری کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ اسی بناء پر زبانِ رسول ﷺ سے کئی مرتبہ دُعاؤں سے نوازے گئے۔ یہ پورے کا پورا گھرانہ ہی خُبتِ رسول ﷺ کی زعمہ و کشِ ایمانِ آفریں اور قابلِ مدھنہٴ مثال تھا۔

۔ کھلیں گل اُن کی تربت پر سدا خیر فشاں ہو کر
خدا و مصطفیٰ اُن کو نوازیں مہرباں ہو کر





حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا

شہِ دارین کی اُلفت کی مظہر اُمّ عمارہ
 فلک پر جگمگائے جیسے اختر اُمّ عمارہ
 اُحد کے معرکہ میں یادگار اُن کی شجاعت تھی
 وہ بحرِ عزم و ہمت کی شہسوار اُمّ عمارہ
 نبیؐ پاک کے ہر حکم کی تعمیل کرتی تھیں
 محبت، جرات و ہمت کا محور اُمّ عمارہ
 نبیؐ پاک نے اُن کو دعاؤں سے نوازا تھا
 وہ حق میں مثالِ شمعِ انور اُمّ عمارہ
 یمامہ کی لڑائی میں کچھ ایسی شان دکھلائی
 لڑی تھیں دشمنوں سے آگے بڑھ بڑھ اُمّ عمارہ
 رضائے سرورِ کونین میں ہر پہل وہ جیتی تھیں
 جنہیں محبوبِ حق سے محبوبِ داور اُمّ عمارہ
 وہ عورت تھیں رضا مردانِ حق کو ناز تھا اُن پر
 تھیں دُنیا اور عقبیٰ میں مظفر اُمّ عمارہ

عظیم جاہدہ

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا نام نہایت دلیر اور بہادر خواتین اسلام میں ہوتا ہے۔ حمایت والا قدر میں آپ کا رتبہ بہت بلند ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ آپ پر نہایت شفقت فرمایا کرتے تھے کیونکہ آپ نے محبت رسول ﷺ میں کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا نام نسیمہ تھا لیکن تاریخ اسلام میں انہوں نے اپنی کنیت ہی سے شہرت پائی۔ آپ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتی تھیں، سلسلہ نسب یوں ہے: نسیمہ بنت کعب بن عمرو بن حوف بن مبذول بن عمرو بن خثعم بن مافرن بن نجار حضور ﷺ کی پرداوی، حضرت عبدالمطلب کی والدہ اور حضرت ہاشم کی اہلیہ سلی کا تعلق اسی خاندانِ نجار سے تھا۔ یہ خاندان شروع ہی سے معزز تھا مگر خاندان رسالت سے نسبت نے اسے معزز ترین بنا دیا۔ جب حضور ﷺ کی عمر چھ سال کی ہو گئی اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر مدینہ منورہ آئیں تو خاندانِ بنونجار ہی میں مقیم رہیں۔ حضور ﷺ بھی بنونجار سے محبت کی بناء پر فرمایا کرتے تھے۔

”اگر میں انصار کے کسی گھرانے میں شامل ہوتا تو بنونجار میں شامل ہوتا۔“

جب ہجرت کے بعد حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنونجار کے رئیس حضرت ابوالیثوب انصاری ہی کے ہاں قیام فرمایا اور آپ کی تشریف آوری پر مدینہ کی بچیوں نے آپ کی بنونجار سے نسبت ہی کے حوالے سے اشعار پڑھے تھے۔ جن میں سے ایک شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

۔ کہ ہم ہیں بچیاں بنجار کے عالی گھرانے کی
خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی

جب بنو بنجار کے نقیب حضرت اسعد رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے تو نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
”تم میرے ماموں ہو اس لئے اب بنو بنجار کا نقیب میں خود ہوں۔“

اس طور بنو بنجار انصار کا بہترین خاندان بن گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا اس عظیم
خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی شرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی
جس پر اکابر صحابہ رشک کیا کرتے تھے۔ حضرت اُمّ عمارہ کا پہلا نکاح زید بن عامر سے
ہوا۔ زید سے ان کی دو اولادیں ہوئیں، عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حبیب رضی اللہ عنہ۔ زید کی وفات
کے بعد آپ عربہ بن عمرو کے نکاح میں آئیں جن سے تمیم اور خولہ پیدا ہوئے۔ آپ کا
شمار انصار کے سابقینِ اولین میں ہوتا ہے۔ جب بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعب
رضی اللہ عنہ بن عمیر مدینہ میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے تو ان کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا۔ آپ
نے عقبہ کبیرہ میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ بیعت کی۔

ابھی ہجرت کو تیسرا سال ہی ہوا تھا کہ غزوہٴ اُحُد پیش آ گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ
رضی اللہ عنہا جرأت و ہمت اور غیرتِ ایمانی کی تصویر بن کر اس میں اس شان سے شریک ہوئیں
کہ ”خاتونِ اُحُد“ کا لقب پایا۔

جب تک مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا دوسری خواتین کے ساتھ
مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلاتی تھیں اور زخموں کی خبر گیری کرتی تھیں۔ جب
ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مجاہدین انتشار کا شکار ہو گئے تو اس وقت
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے یہ
کیفیت دیکھی تو انہوں نے مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھالی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

قریب پہنچ کر کفار کے سامنے سینہ پر ہو گئیں۔ کفار بار بار پورش کر کے حضور ﷺ کی طرف بڑھتے اور حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا انہیں دوسرے ثابت قدم مجاہدین کے ساتھ مل کر تیر اور تلوار سے روکتیں۔ یہ بڑا نازک وقت تھا بڑے بڑے بہادروں کے قدم لڑکھڑا گئے تھے لیکن یہ شہر دل خاتون کو وہ استقامت بن کر میدان جنگ میں ڈٹی ہوئی تھیں اس نے میں ایک مشرک نے ان کے سر پر پہنچ کر اپنی تلوار کا وار کیا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اسے اپنی ڈھال پر روکا اور پھر اس کے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آ رہے۔ سرورِ دو عالم ﷺ ماجرا دیکھ رہے تھے آپ نے حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پکار کر فرمایا ”عبداللہ اپنی ماں کی مدد کرو۔“ وہ فوراً دھڑلے لپکے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس مشرک کو جہنم واصل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے ادھر آیا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا پایاں بازو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا زخم باندھا اور پھر فرمایا ”بیٹے جاؤ اور جب تک دم میں دم ہے لڑو۔“ حضور ﷺ نے ان کا جنبہ بٹانا ثاری دیکھ کر فرمایا:

”من یطیق ما تطیقن یا ام عمارہ“

(اے ام عمارہ رضی اللہ عنہا جتنی طاقت تجھ میں ہے اور کسی میں کہاں ہوگی؟)

اسی اثناء میں وہی مشرک جس نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا تھا پلٹ کر پھر حملہ آور ہوا۔ حضور ﷺ نے ام عمارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ”ام عمارہ رضی اللہ عنہا سنبھلنا یہ وہی بد بخت ہے جس نے عبداللہ کو زخمی کیا تھا۔“ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا جوش غضب میں اس کی طرف جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑا۔ سرورِ دو عالم ﷺ یہ دیکھ کر مجسم ہو گئے اور فرمایا ”ام عمارہ رضی اللہ عنہا تو نے اپنے بیٹے کا خوب بدلہ لیا۔“

اٹائے جنگ میں ایک بد بخت نے دُور سے حضور ﷺ پر پتھر پھینکا جس سے آپ ﷺ کے دودند ان مبارک زخمی ہو گئے۔ شیع رسالت ﷺ کے پروانے مضرب ہو کر ادھر متوجہ ہوئے تو ابنِ قمریہ نامی ایک کافر دوڑتا ہوا حضور ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور کھوار کا ایک بھر پور وار کیا۔ حضور ﷺ خود پہنے ہوئے تھے۔ ابنِ قمریہ کی کھوار خود پر پڑی۔ اس کی دو کڑیاں رخسارِ مبارک میں کھب گئیں اور خون کی دھاریں پھوٹ نکلیں۔ یہ سب کچھ چشمِ زدن میں ہو گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا بے تاب ہو گئیں اور آگے بڑھ کر ابنِ قمریہ کو روکا۔ یہ فیضِ قریش کا نامی شہسوار تھا لیکن شیرِ دل اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا مطلق ہر اسان نہ ہوئیں اور اس پر نہایت جرأت کے ساتھ حملہ کیا۔ وہ دُور ہی زہر پہنے ہوا تھا اس لئے اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی کھوار چٹ گئی اور ابنِ قمریہ کو جوابی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس سے ان کے کندھے پر شدید زخم آیا لیکن ابنِ قمریہ کو بھی وہاں ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ تیزی سے گھوڑا دوڑا کر بھاگ گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے زخم سے خون کا پر نالہ بہہ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے زخم پر خود پٹی بندھوائی اور کئی بہادر صحابہ کا نام لے کر فرمایا:

”واللہ آج اُمّ عمارہ نے ابنِ سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔“

اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میرے لئے دعا فرمائیے

کہ جنت میں بھی آپ کی معیت نصیب ہو۔“

حضور ﷺ نے نہایت خشوع و خضوع سے اُن کیلئے دعا مانگی اور با د اِز بَلَد فرمایا:

”اللہم اجعلہم رفقاء فی الجنة“

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو بڑی مسرت ہوئی اور ان کی زبان پر بے اختیار یہ

الفاظ جاری ہو گئے۔

”ما اهلہی ما اصلہی من العنہ“

(اب مجھ و نیامیں کسی مصیبت کی پروا نہیں)

طبقاتِ سعد میں ہے کہ لڑائی ختم ہوئی تو حضور ﷺ اس وقت تک گھر تشریف نہ لے گئے جب تک آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن کعب مازنی کو بھیج کر حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیرت دریافت نہ کر لی۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”اُحد کے دن میں دائیں بائیں بدر نظر ڈالو“ اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی نظر آتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوہ اُحد میں حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے جسم پر بارہ زخم لگے تھے۔ غزوہ اُحد کے بعد انہوں نے بیعتِ رضوان جنگِ خیبر، عمرۃ القضا اور غزوہ حنین میں بھی شرکت کی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہیں فتح مکہ کے موقع پر بھی سرورِ عالم ﷺ کی مہر کا بی کا شرف حاصل ہوا۔

جب اللہ میں رحمت پناہ لے کر اس کا پیغام ﷺ نے وصال فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہِ اولیٰ منتخب ہوئے تو سارا عالمِ عرب چند مسلمانوں کو چھوڑ کر ارتداد کے فتنے کی زد میں آ گیا۔ اس دور میں دوسرے مدعیانِ نبوت کی نسبت سب سے بڑا خطرہ ہماری علاقہ نجد کے قبیلہ بنو حنیفہ کا رئیس مسیلہ کذاب کا تھا۔ اس بد بخت نے رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے آخری ایام میں ہی نبوت کا دعویٰ کر کے حضور ﷺ کو خط لکھا تھا کہ میں آپ کی رسالت میں شریک ہوں۔ نصف ملک میرا نصف آپ کا۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ اس کو مسیلہ کذاب کے نام سے پکارتے تھے اور فرماتے تھے کہ ملک خدا کا ہے اس کے ساتھ اسے ہدایت کی تلقین فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد نبیِ اقدس ﷺ نے رحلت فرمائی تو مسیلہ کذاب نے اپنی قوت کا بھرپور مظاہرہ کرنے کیلئے پچاس ہزار کے قریب جنگجو جنڈے تلے جمع کر لئے اور ان سے اپنی نبوت منواتا۔ اسی اثناء میں



حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حبیب رضی اللہ عنہ بن زید اس ظالم کے قابو میں آ گئے۔ اس نے کہا: محمد ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا وہ خدا کے سچے نبی ہیں۔ اس نے اصرار کیا کہ مجھے (مسئلہ کو) سچائی کو۔ انہوں نے انکار کیا تو اس نے ان کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس نے یہی سوال دہرایا اور آپ نے پھر انکار کیا تو اس نے دوسرا ہاتھ بھی شہید کر دیا۔ اس نے کہا میری رسالت قبول کرنے کی صورت ہی میں تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ مگر اس عاشق رسول نے بلند آواز سے کلمہ شہادت کی تلاوت شروع کر دی۔ مسئلہ کذاب نے انہیں کھڑے کھڑے کر ڈالا تو حضرت اُمّ عمارہ نے ان کی فداکارانہ شہادت پر خدا کا شکر ادا کیا مگر اس کے ساتھ ہی یہ عہد بھی کر لیا کہ اگر خدا نے موقع عطا کیا تو وہ اس ستم کاری کا بدلہ لیں گی۔

جب مسلمہ کذاب کی فتنہ کاریاں حد سے بڑھ گئیں تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر مسلمہ کے خاتمے پر مامور کیا۔ خدا کر کے حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا بھی لشکر میں شامل ہو گئیں۔

مسلمہ نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاری کی۔ اس نے بنو حنیفہ اور اپنے دوسرے حامیوں کی قبائلی مصیبت کو خوب بھڑکایا اور پچاس ہزار جنگجوؤں کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر لاکھڑا کیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کارن پڑا۔ مسلمانوں اور مرتدین کی تعداد میں ایک اور چار کی نسبت تھی لیکن مجاہدین اسلام دین حق کی خاطر اس پامردی سے لڑے کہ مسلمہ کی فوج کا منہ پھیر دیا۔ لیکن اس غیبت نے قبائلی مصیبت کے نام پر اپنی فوج کو ایسا بھڑکایا کہ بھاگتے ہوؤں کے قدم رُک گئے۔ مسلمہ کذاب کے نام پر بنو حنیفہ اس شدت سے لڑے کہ مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ مسلمانوں کو اب تک ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے تمام

قبائل کو الگ الگ کر دیا اور اعلان کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے علم کے چھڑے تاکہ پتہ چل جائے آج کون راولپنڈی میں ثابت قدمی دکھاتا ہے۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہر قبیلہ نے شجاعت اور استقامت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی اور ایسی جاتبازی سے لڑے کہ سیلہ کی فوج اپنے جواڑ و مسلسل خونخوار حملوں کے باوجود انہیں پیچھے نہ دھکیل سکی۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے تجربہ کار افسر شہید ہو گئے۔ جن میں حضرت زید بن خطاب، حضرت ابو حذیفہ، حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ اور حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) جیسے اکابر صحابہ بھی تھے لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ اب سیلہ کی فوج پیچھے ہٹی اور اس کے باغ (حدیۃ الرحمن) میں گھس کر اندر سے پھانک بند کر لیا۔ حضرت براء بن مالک دیوار پھاڑ کر باغ کے اندر کود گئے اور لڑتے بھڑتے باغ کے دروازے پر پہنچ کر پھانک اندر سے کھول دیا۔ اب مرتدین اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی شروع سے لے کر اب تک بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑ رہی تھیں۔ کئی بار سیلہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن ہر بار بنو حنیفہ کی اگلی دیوار راستے میں حائل ہو گئی۔ اور حضرت خالد بھی سیلہ کو جہنم واصل کرنے کی فکر میں تھے لیکن موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس وقت بارہ سو کے قریب مسلمان جامِ شہادت نوش کر چکے تھے لیکن مرتدین اس سے کہیں زیادہ تعداد میں مارے جا چکے تھے اور لڑائی کا رخ پلٹنا شروع ہو گیا تھا۔ سیلہ نے لڑائی کا رنگ دیکھا تو اپنے مریدوں سے کہا کہ اپنا تنک و ناموس بچانا ہے تو بچالو۔ اسی دلت حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اسے تاک لیا اور دھم پر دھم کھاتی اور اپنی برجھی سے راستہ بتاتی اس کی طرف بڑھیں اس کوشش میں انہیں گیارہ دھم آئے اور ہاتھ بھی کٹائی سے کٹ گیا۔ سیلہ کے قریب پہنچ کر اپنی برجھی سے اس پر حملہ کیا چاہتی تھیں کہ اتنے میں دو ہتھیار اس پر ایک



ساتھ پڑے اور وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اپنے پہلو میں اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑے پایا اور قریب ہی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ وحشی نے اپنا حربہ مسلحہ پر پھینکا تھا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس پر تلوار کا وار کیا تھا۔ اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا اپنے فرزند (حضرت حبیب رضی اللہ عنہ) کے قاتل اور مسلمانوں کے اس بدترین دشمن کی موت پر سجدہ شکر بجالائیں۔ امیر لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور مرتبے سے آگاہ تھے انہوں نے بڑی تندہی سے ان کا علاج کرایا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے زخم مندمل ہو گئے۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے کب وفات پائی اس کے بارے میں تذکرہ واضح نہیں ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حیات تھیں۔ اس کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ مال غنیمت میں بہت سے قیمتی کپڑے آئے۔ ان میں ایک زرنگار کپڑا بہت قیمتی تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ اس دوپٹے کا سب سے بڑھ کر حق دار کون ہے؟ کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آپ یہ دوپٹا اپنے فرزند (حضرت) عبداللہ کی بیوی کو دے دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر فرمایا:

”نہیں، نہیں“ میں یہ دوپٹا اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو دوں گا وہ اس کی سب سے زیادہ

حق دار ہیں۔ کیونکہ غزوہٴ اُحد کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ اُحد کے دن میں اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو برابر اپنے دائیں اور بائیں لڑتے دیکھتا تھا۔

یہ کہہ کر آپ نے وہ دوپٹا حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا جو مدینہ منورہ کے ایک مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادوں کو اپنے دل میں بسائے اپنی زندگی کا آخری

زمانہ گزار رہی تھیں۔ زیادہ اندازہ یہی ہے کہ دو روز قاروقی میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو محبوبِ دو عالم ﷺ سے انتہائی محبت تھی جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ رحمتِ دارین ﷺ بھی انہیں اپنی شفقت سے نوازے تھے

صحابہ و صحابیات اپنی قربانیوں، استقامت، ایمانی اور عشقِ رسول ﷺ کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔ جدھر بھی دیکھے محبتِ رسول کا گلشن سدایہ رکھلا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے قربان جائیں انہوں نے میدانِ جہاد میں عملی طور پر وہ کچھ کر دکھایا جس کی نظیر بعض اوقات مردوں کے ہاں بھی نہیں ملتی۔

سچ ہے یہی تو جذبہٴ عشقِ رسول ہے
جس میں کہ موت ہر جگہ ہر پل قبول ہے



حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا)

حضرت اسماء سراپا علم دین جان وفا
 شوکت عرفان حق نور عمل کان حیا
 راہ ایمانی میں کتنے ہی مصائب سہ لئے
 اس لئے ہر بل تھے راضی اُن پہ محبوب خدا
 اُن کے دل میں روشنی تھی خدمتِ اسلام کی
 اس لئے ہر سمت پھیلی اُن سے حکمت کی بیا
 بل گیا دو ہجرتوں کا اُن کو اعزازِ حبیب
 اُن پہ راضی تھے محمدؐ اُن پہ راضی تھا خدا
 تھی عبادت خالق کو عین کی اُن کو عزیز
 اس لئے ہر آن یہ رہتی تھی معروفِ شا
 نازِ اسلام تھیں یہ رفیعِ دینِ حق
 مانتے تھے سب ہی جو کچھ کہ انہوں نے کہہ دیا
 اس طرح گزری حیاتِ نور اس خاتون کی
 عمر بھر پیشِ نظر تھی سرورِ دین کی رضا

حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا)

آپ کا شمار نامور صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب ابھی مسلمانوں کی تعداد محدود ہے چند تھی اور اسلام کا نام لیتے ہی کفار مکہ قہر و تشدد کا بازار گرم کرنے لگتے تھے۔ کتنے ہی ایسے صحابہ صحابیات ہیں جو قبولیت اسلام کی راہ میں استقامت اور پامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جان سے گزر گئے۔ حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا) نے اسی مشکل ترین وقت میں عظمت اسلام کے پرچم کو سر بلند کیا تھا۔ یہ آپ کے عمارین اور خیموں ہی میں جن کی بدولت آپ حضرت جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کی بیوی بنیں۔ نبوہاشم کے معزز خاندان نے انہیں ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔ اس رشتہ سے آپ حضور ﷺ کی بھانجی تھیں کیونکہ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) جناب رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس کے علاوہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہا) کی اخیانی بہن ہونے کی بناء پر سلطانِ دو عالم ﷺ کی سالی بھی تھیں۔ آپ کو محبوب کائنات ﷺ سے غیر معمولی محبت تھی۔ آپ بھی حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا) سے بہت پیار کرتے تھے جنہوں نے محض خوشنودی خدا اور رسول کیلئے چودہ برس ملکِ حبش میں حالت ہجرت اور غرب الوطنی میں گزاری دیئے۔

اداکل ۴ بعدِ بیعت میں جب رحمتِ عالم ﷺ نے اعلانِ لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو مشرکین مکہ فرطِ غضب سے دیوانے ہو گئے اور انہوں نے دعوتِ حق قبول کرنے والوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے، جب یہ مظالم ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے تو ۵ بعدِ بیعت میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حبش (ایتھوپیا) کو ہجرت کر جائیں جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل اور انصاف پسند



عیسائی تھا۔ چنانچہ پہلی بار ۱۱ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش روانہ ہو گیا۔ ۶ بعدِ بشت کے آغاز میں ۸۰ سے زیادہ مردوں اور ۱۹ خواتین پر مشتمل ایک اور قافلہ مکہ سے نکلا اور حبش کا رخ کیا۔ اس قافلہ میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور ان کے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے اور کچھ ایسے اصحاب بھی جو پہلی ہجرت کے بعد حبش سے مکہ آ گئے تھے لیکن یہاں کی فضا کو بدستور ناسازگار پا کر دوبارہ ہجرت کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

قریش مکہ نے ان اصحاب کا سمندر تک تعاقب کیا لیکن وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کشتیوں پر بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ حبش پہنچ کر یہ لوگ امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن غریب الوطنی آخر غریب الوطنی ہوتی ہے، مہاجرین کو طرح طرح کی مصیبتیں پیش آتی تھیں (بیاری، تنگدستی وغیرہ) لیکن وہ ان سب کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے تھے۔ قریش مکہ کو اتنی دُور بیٹھے ہوئے بھی مسلمانوں کا یہ امن محسن گوارا نہ تھا۔ انہوں نے نجاشی (شاہ حبشہ) کے پاس ایک وفد جتنے تحائف دے کر اس مقصد کیلئے روانہ کیا کہ وہ بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے۔ اس وفد کی قیادت حضرت عمرو ابن العاص اور حضرت عبداللہ بن ربیعہ کر رہے تھے جو بڑے بزرگ اور منجھے ہوئے سیاست دان تھے۔ انہوں نے حبش پہنچ کر نجاشی کے درباریوں کو جتنے تحائف دے کر رام کر لیا اور انہوں نے وعدہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے وہ وفد قریش کی حمایت کریں گے۔ اس کے بعد وہ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کر کے عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح آدمیوں نے ایک نیا مذہب گھڑ لیا ہے جو ہمارے اور آپ کے دین کے خلاف ہے، اس لئے ہماری درخواست ہے کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے جو ہمارے پاس سے بھاگ کر

آئے ہیں اور اب آپ کے ملک میں گمراہی پھیل رہی ہے۔ چاروں طرف اور درباریوں نے
وفاقریش کی پرزور تائید کی۔ حضرت جعفر ؓ نے مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا:

”اے بادشاہ! ہم لوگ سخت جہالت میں مبتلا تھے، جن کو پہچانتے تھے مردار
کھاتے تھے اپنی لڑکیاں دعوہ زمین میں دفن کر دیتے تھے رشتہ داروں اور مسایلوں کو
ستاتے تھے انسانیت سے عاری تھے کوئی کاغذ قانون نہ تھا ایسی حالت میں اللہ نے
خود ہم میں سے ایک صاحب کو اپنا رسول بنایا جس کے حسب نسب، سچائی، شرافت،
دیانت داری اور پاک کاری سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی،
سچ بولنے، دعوہ پورا کرنے، کفالت میں خیانت نہ کرنے، بت پرستی ترک کرنے، بدکاری
اور فریب سے بچنے، مسایلوں سے نیک سلوک کرنے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ
دینے کی تعلیم دی۔ ہم اس کی تعلیم پر چلے، ایک خدا کی پرستش کی، حلال کو حلال اور حرام کو
حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑی، ہم کو طرح طرح کی اذیت دے کر بھرت
پرستی اور بدکاریوں میں مبتلا کرنا چاہا، ہم ان کے ظلم و ستم سے بھاگ کر آپ کی حکومت
میں چلے آئے۔“

نجاشی یہ تقریر سن کر بہت حائل ہوا اس نے حضرت جعفر ؓ سے کہا:
تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کا کوئی حصہ مجھے سناؤ۔“

حضرت جعفر ؓ نے کتبہ دے کر فرمایا: میں نے اسے نہیں سنا، لیکن کتاب ہے
اور دین عیسوی کا رد ہے۔ انہوں نے سورہ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحییٰ
اور عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ اس کو سن کر نجاشی پر ہرقت طاری ہو گئی اور وہ اس قدر
رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی، پھر وہ چہرہ بے ساختہ پکارا تھا:

”خدا کی قسم! تمہارے نبی کی کتاب اور انجیل مقدس ایک ہی نور کی کرنیں ہیں“



میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے ہرگز نہ کروں گا۔“

اس کے بعد اُس نے قریش کے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”واللہ میں ان لوگوں کو کبھی اپنے ملک نے نہ نکالوں گا اور نہ تمہارے سپرد

کروں گا۔“

قریش کے وفد نے ایک دفعہ پھر کوشش کی کہ بادشاہ کا دل مسلمانوں سے پھیر

وے۔ چنانچہ دوسرے دن وہ پھر دربار میں گیا اور بادشاہ سے کہا:

”اے بادشاہ یہ لوگ آپ کے نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم کے متعلق بہت بُرا

عقیدہ رکھتے ہیں کیا آپ اس عقیدہ کے لوگوں کو پناہ دیں گے؟

نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ دربار میں طلب کیا اور پوچھا: تمہارا حضرت عیسیٰ

ابن مریم کی نسبت کیا عقیدہ ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے جواب دیا ”اے بادشاہ ہم حضرت عیسیٰ ابن مریم کو خدا

کا نبی اور روح اللہ مانتے ہیں۔ نجاشی نے زمین سے ایک ٹکڑا اٹھا کر کہا:

”واللہ جو کچھ تم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے متعلق کہا وہ اس ٹکڑے کے برابر

بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔“

غرض قریش کی سفارت بے نفل مرام واپس گئی۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ ان

کے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور بہت سے دوسرے مہاجرین حبش میں چودہ برس

تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ اس دوران میں سرور عالم ﷺ مکہ سے

ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر اُحد خندق اور خیبر کے معرکے گزر چکے۔ محرم

۶ھ میں خیبر فتح ہوا تو سارے مسلمان حبش سے مدینہ منورہ آ گئے۔ ان میں حضرت اسماء

اور حضرت جعفر بھی شامل تھے۔ خیبر کی فتح سے مسلمان پہلے ہی خوش تھے اپنے ان

ہماری دعا سے انہیں دوسری خوشی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت جعفرؓ کو گلے سے لگایا ان کی خوشی دیکھی اور فرمایا:

”میں نہیں جانتا کہ محمدؐ کو جعفرؓ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیر کی فتح ہے۔“
خود خیر کے بعد ایک دن حضرت عمرؓ بن خطابؓ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حصہؓ سے ملنے ان کے گھر گئے۔ وہاں حضرت اسماءؓ بنت مہیس بھی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کے ہارے میں پوچھا تو حضرت حصہؓ نے کہا: یہ اسماءؓ زوجہ جعفرؓ بن ابی طالب ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: وہ جبرہ والی یعنی سندروالی۔ حضرت اسماءؓ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ہم نے تم سے پہلے مدینہ منورہ ہجرت کی اس لئے زیادہ ثواب کمایا۔ اس پر حضرت اسماءؓ کو قصہ آگیا اور فرمایا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ آپؐ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے حضور ﷺ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے لیکن ہمارا حال یہ تھا کہ ہم جہش کی دور ترین مہوض ترین سرزمین میں غریب الوطنی کی خاک چھان رہے تھے ہم کو ایذا دی جا رہی تھی ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا جوئی کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم! آپؐ نے جو کچھ کہا ہے جب تک اس کا ذکر حضور نبی کریم ﷺ سے نہ کر لوں گی نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ ہر بات حضور ﷺ سے صاف صاف کہہ سناؤں گی۔ اتنے میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”وہ تم سے زیادہ ثواب کے مستحق نہیں ہیں۔ انہوں نے ایک ہجرت کی ہے تم نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک مکہ سے جہش کی جانب اور دوسری جہش سے مدینہ کی جانب۔“

یہ حضرت اسماء بنت مہیس جن کی فضیلت تصدیق ان کے ذوالحجرتین ہونے



کی بناء پر خود سید الانام و فخر موجودات علیہ السلام نے فرمائی: قبیلہ خثعم کی چشم و چراغ تھیں اور ان جلیل القدر خواتین میں سے تھیں جنہوں نے دعوتِ حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں سخت نامساعد حالات اور مہیب خطرات سے بے پرواہ ہو کر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی تھی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے والد عمیس کے کے سلسلہ نسب کے بارے میں مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ کسی نے عمیس کے والد کا نام معبد بن قحیم لکھا ہے اور کسی نے معبد بن حارث و والدہ کا نام بالابتقاق ہند (خولہ) بنت عوف تھا۔ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بھی انہی کے سطن سے تھیں۔ اس نسبت سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس حضرت میمونہ کی اخیانی بہن تھیں (جن کی ماں ایک ہو)

علامہ ابن سعد اور ابن ہشام رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جس زمانے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سعادتِ اندوزِ اسلام ہوئیں اس وقت میں نفوسِ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دارِ ارقم میں مقیم نہیں ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ”السابقون الاولون“ کی مقدس جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ تاریخِ اسلام میں ان کو اس بناء پر بھی بڑی شہرت حاصل ہوئی کہ ان کا نکاح یکے بعد دیگر تین ایسی عظیم المرتبت ہستیوں سے ہوا جو قصرِ اسلام کے عظیم الشان ستون تھیں۔

پہلا نکاح حضور کے ابنِ عم حضرت جعفر طیار بن ابی طالب سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اُن کی وفات کے بعد تیسرا نکاح شیر خدا قاتحِ خیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور ان کے پہلے شوہر حضرت جعفر طیار بن ابی طالب کے قبولِ اسلام کا زمانہ ایک ہی ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نامدار کو مدینہ آئے ہوئے ایک ہی سال

حالِ فتح مد
 گزرا تھا کہ ایک بار بحرّین کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ ۸۰ میں شام کے ایک قصبہ مُوَدّہ کے رئیس شرمیل بن عمرو غسانی نے رسول اکرم ﷺ کے غیر حضرت حارث بن عمیر ازدی کو شہید کر دیا جو حضور ﷺ کا نامہ مبارک حاکم بصری حارث بن عمرو غسانی کو پہنچانے جا رہے تھے۔ شرمیل کی یہ حرکت سرورِ دو عالم ﷺ کو سخت ناگوار گزری اور آپ ﷺ نے حضرت حارث بن عمیر کا بدلہ لینے کیلئے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر مُوَدّہ کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت جب اُمّی حضرت زید بن حارثہ کر رہے تھے اور اس میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے وقت فرمایا:

”اگر اس لڑائی میں زید (رضی اللہ عنہ) شہید ہو جائیں تو جعفر (رضی اللہ عنہ) امیر ہوں گے اور اگر جعفر (رضی اللہ عنہ) بھی شہادت پا جائیں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں گے۔“

مُوَدّہ کے ملائے محمد بن قنّاق سے ان دنوں ہر قل شاہِ روم بھی آیا ہوا تھا اور بلقا میں مقیم تھا۔ شرمیل نے اس سے مدد مانگ لی تھی۔ ہر قل نے ایک بھاری لشکر اُس کی مدد کیلئے بھیج دیا۔ قیس بن جذام انجم وغیرہ کے جنگجو صیائی قبائل بھی شرمیل کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس طرح تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر تھی۔ مُوَدّہ مدینہ مُوَدّہ سے بہت دُور تھا اس لئے حرید ملک طلب کرنا ممکن نہ تھا اور پیچھے ہٹنا باعثِ شکِ مسلمان اللہ کے مجروحوں پر غم کے بڑی دلی سے نبرد آزما ہوئے۔ مُوَدّہ کے میدان میں نہایت خوریز جنگ ہوئی۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ مردانہ دل لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم سنبالا اور اس جُرات اور پامردی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفریں پکارا تھی۔ تقریباً نوے زخم اس مردِ حق نے اپنے بدن پر کھائے جن میں کوئی پشت پر نہ تھا۔ ایک ہاتھ قلم ہو گیا تو دوسرے ہاتھ سے علم

سنجبالا دوسرا ہاتھ شہید ہوا تو دانتوں میں علم پکڑ لیا۔ دشمنوں کا ہر طرف سے زغہ تھا، تھروں اور تگواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آخر رسول اکرم ﷺ کا یہ قوی بازو اور دین حق کا یہ سچا علمبردار شہید ہو گیا۔ اب علم حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری نے سنجبالا۔ وہ بھی دلو شجاعت دے کر شہید ہوئے تو حضرت خالد بن ولید نے علم سنجبالا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

جس وقت لڑائی کی آگ زور سے بھڑک رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ کا نقشہ حضور ﷺ کے سامنے کر دیا۔ حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لڑائی کے حالات اس طرح بتا رہے تھے گویا وہ بالکل آپ کے سامنے ہو رہی ہے۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو شہید ہو گئے اور انہوں نے جام شہادت پیا تو حضور ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ نے فرمایا ”میں جنت میں جعفر رضی اللہ عنہ کو دو نئے بازوؤں کے ساتھ پرواز کرتے دیکھ رہا ہوں۔“ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ”ذوالجناحین“ کے القاب سے مشہور ہوئے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر دیکھتے ہی حضور ﷺ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت غزوہ کیفیت میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی تو ان کی چیخیں کل گئیں۔ حضور ﷺ آگے دیتے ہوئے تشریف لے آئے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر مسلمان بے پناہ غمگین ہو گئے۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا چچا کہتی ہوئیں اباجان سے لپٹ گئیں۔ حضور ﷺ نے انہیں چپ کر دیا اور فرمایا ”کھانا تیار کرو اور اسماء رضی اللہ عنہا کے گھر لے جانا اور انہیں مبرکی تلقین کرنا۔“ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چھ ماہ بعد ۸ ہجری (غزوہ حنین کے زمانے) میں حضور ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس کا نکاح اپنے محبوب رفیق حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ دوسری بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صلب سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کیلئے نکاح کی ہوئی تھی کہ وہ بالحدیث میں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟

آپ نے فرمایا: ”خسل کر کے احرام باندھ لو“

۱۱ھ میں رحمت دو عالم ﷺ نے وصال فرمایا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ان سے بھی بڑھ کر صدمہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ہوا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بڑے ضبط سے کام لیا اور اپنے وقت کا وستر حصہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی دلجوئی میں صرف کرنے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد سیدۃ النساء کا وقت آخر بھی آ پہنچا۔ علامہ ابن اثیر نے ”أسد الغابہ“ میں لکھا ہے کہ اپنی وفات سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا: میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردہ کا پورا لحاظ رکھنا اور سوائے اپنے اور میرے شوہر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے علاوہ کسی سے مدد نہ لینا۔ محدث ابن جوزی نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی میت کو حضرت علی اور حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت سلمیٰ ام رافع نے غسل دیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں آئیں۔ محمد بن ابی بکر کی عمر اس وقت تقریباً تین برس کی تھی وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ آئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیر سایہ ہی پرورش پائی۔

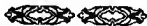
ایک دن عجیب لطیفہ ہوا محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اس بات پر جھگڑ پڑے کہ دونوں میں سے کس کا باپ افضل تھا اور کون زیادہ معزز ہے۔ حضرت علی نے دونوں بچوں کی دلچسپ بحث سنی تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔



حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نو جوانانِ عرب میں جعفر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اعلیٰ اخلاق کا حامل کسی کو نہیں پایا اور بوزمیں میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اچھا کسی کو نہیں دیکھا۔
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسکرا کر فرمایا ”تم نے ہمارے لئے تو کچھ بھی نہ چھوڑا۔
 حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت علی مرتضیٰ کے مہلب سے ایک فرزند بھی پیدا ہوئے۔

۳۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی اور ان کے جلد ہی بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بھی یکدم اجل کو لبیک کہا۔ انہوں نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے۔ عبد اللہ، محمد اور عون حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مہلب سے اور یحییٰ حضرت علی المرتضیٰ کی مہلب سے۔ بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مہلب سے ان کے دو لڑکیاں بھی ہوئیں۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی فیاضی اور سخاوت کی بدولت تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔

غرض حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ حمیس تاریخِ اسلام کی بلند ترین شخصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ آپ کو اسلام کی راہ میں مسلسل صعوبتوں اور پریشانیوں کا شکار ہونا پڑا۔ ایک تو رشتے کی قربت اور دوسرے آپ کی لازوال قربانیاں جن کی بدولت محبوبِ دو عالم ﷺ آپ پر بے پناہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ تواریخِ سیرت میں بھی آپ کا نام نہایت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔



حضرت امّ رومانؓ

نبی پاک کے انوار سے خوبار رہتی تھی
 مجھے محبت نبی سے ہر گھڑی سرشار رہتی تھی
 جناب عائشہ کی مادر عالی بڑا اعزاز تھا اُن کا
 بڑی ہی آغوشیں آئیں بڑے طوقان آئے تھے
 رفیقہ حضرت صدیق کی اعزاز تھا ان کا
 قدم اُن کے روح میں نہ ہرگز ڈلگائے تھے
 انہیں محبوب دو عالم کی خدمت کا رہا سودا
 زبانِ مصطفیٰ سے تھا لقب جو "خوبرِ عین" اُن کا
 بڑی ہی مٹتی تھیں پارسا تھیں نورِ ایمان تھیں
 یہ محبوب خدائے پاک پر ہر آن قرباں تھیں
 جناب حضرت صدیق کی چاہت کا فتواں تھیں
 یہ بچوں کیلئے ہر آن ہر اک دکھ کا درماں تھیں
 شہِ دین سے عقیدت اے رضا اُن کی عبادت تھی
 سعادت تھی یہ اُن کے واسطے پیغامِ جنت تھی

حضرت اُمّ رومانؓ

حضرت اُمّ رومانؓ کا شجرہ نسب یوں ہے:

اُمّ رومانؓ بنت عاصم بن عویمر بن عبد شمس بن خطاب بن اذینہ بن سلیم بن دہان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

اُن کا شمار نامور خواتین میں ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں پہلا نکاح عبداللہ بن حارث سے ہوا اور انہی کے ساتھ مکہ میں مقیم ہو گئیں جس سے اُن کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حارث کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُمّ رومان سے نکاح کر لیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے صلب سے اُمّ رومان کے ہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ عشقِ رسول ﷺ کے بحرِ بے کراں میں غرقِ انہی کے تصور میں کھوئے رہتے تھے۔ اُن کی اثر پذیری حضرت اُمّ رومانؓ بھی محبتِ رسول ﷺ کے عملی تقاضوں میں ذلِ محنی تھیں۔ حضور ﷺ کو اصحابِ صفہ بے پناہ عزیز تھے کیونکہ حق و صداقت کے ان علمبرداروں نے تبلیغِ دین کو اپنا سب سے بڑا مشن بنا لیا تھا۔ حضور ﷺ کی تقلید میں سیدنا صدیق اکبرؓ بھی اصحابِ صفہ کی خدمت کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اصحابِ صفہ میں سے تین بزرگوں کو اپنے گھر بطور مہمان لائے۔ انہیں وہاں چھوڑ کر سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ زیادہ دیر ہو گئی مگر واپس آئے تو حضرت اُمّ رومانؓ نے پوچھا:

”مہمانوں کو یہاں چھوڑ کر آپ کہاں چلے گئے تھے؟“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”تم رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں تھا تم مہانوں کو کھانا کلاتے تھے۔“

حضرت امّ رومان رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ”میں نے انہیں کھانا بھیایا تھا لیکن انہوں نے میرا ان کی غیر حاضری میں کھانا تناول کرنا پسند نہیں کیا۔“

اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود کھانے کے گئے اور تینوں بزرگوں کو کھلایا۔ اس کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ مہانوں اور اہل خانہ کے سیر ہونے کے بعد بھی نہایت افراط سے بچ رہا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امّ رومان رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ”کتنا کھانا باقی بچ گیا؟“ انہوں نے کہا: ”تین گئے سے بھی زیادہ۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کھانا اٹھا کر سرورِ کونین ﷺ کی خدمت میں بھجوا دیا۔

حضرت امّ رومان رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئی تھیں اور ”ساجون الاولون“ میں نام لکھوایا تھا۔

حضور ﷺ نے ۱۲ نبوی میں مدینہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے صحرا تھے ان کی رفاقت قدم قدم پر محبتِ رسولِ خدا کے مظاہر دکھاتی رہی۔ آپ نے حضور ﷺ کی تعلیم کی اور اپنے گھر والوں کو خدا کے نام پر جان کے دشمنوں کے درمیان چھوڑ دیا۔ وہ اس امر سے بے نیاز تھے کہ ان کے اہل و عیال کے ساتھ ان کی عدم موجودگی میں کیا سلوک ہوتا ہے۔ انہیں محبتِ رسولِ خدا ﷺ میں سب کچھ گوارا تھا۔ جب مدینہ پہنچ کر ان و سکون کی کیفیت پیدا ہوئی تو رسولِ کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل و عیال لانے کیلئے مکہ کی طرف بھیجا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن الرقیط کو دو تین اونٹ اور زب



راہ دے کر مکہ بھیجا اور اپنے فرزند عبد اللہ کو کہلا بھیجا کہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہمراہ مدینے لے آئیں۔ چنانچہ حضرت اُمّ رومان حضرت اسماء حضرت عائشہ صدیقہ عبد اللہ بن ابوبکر کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کو لے کر چلے۔ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی خیال تھا کیونکہ وہ نبی اقدس ﷺ سے منسوب تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سفر ہجرت میں جب ہم لوگ بیداء کے مقام پر پہنچے تو میرا اونٹ بدک گیا میں اور میری والدہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا اس کے ہونچ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اونٹ نے گود پھلانگ شروع کی تو میری ماں بہت مضطرب ہوئیں اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ”ہائے میری بیٹی! ہائے میری دلہن“ بارے اللہ نے خیر کی اونٹ پکڑا اور ہم لوگ خیریت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال نے بوعمار بن خرزج کے محلے میں قیام کیا۔ جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مکان پہلے ہی سے لے رکھا تھا۔

اور پھر ۶ ہجری کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین مدینہ کی سازش سے ناپاک تہمت لگائی گئی۔ بعض سادہ مسلمان بھی نادانگی میں اس سازش کے حصے دار بن گئے اور بات چاروں طرف پھیلی گئی۔ اس کا منفصل تذکرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات کے ضمن میں آچکا ہے۔ واقعہ نے یہ رنگ اختیار کیا کہ رسول کریم ﷺ کی طبیعت اقدس بھی مکدر اور رملال ہو گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حضور ﷺ کو پریشان دیکھتیں تو سینہ انداز سے کہنے لگتا کہ چہ ہی دنوں میں معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔ اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور

حضرت امّ رومان رحمہ اللہ کے مشق رسول اللہ کی حیران دیکھ کر انہیں جی کی پروا نہیں تھی

دو حضور ﷺ کی رضا جی میں لگے ہوئے تھے۔ حضرت امّ رومان رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ بھی حضور ﷺ سے نظر ہانی کی درخواست نہیں کی۔ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رحمہ اللہ کیلئے شوہر کا گھر اور ماں کا گھر دونوں مقامات میں بے سکون تھے کیونکہ شکوک و شبہات کی پرچھائیاں دونوں طرف متضاد ہی تھیں۔ حضور ﷺ سے اجازت طلب کی اور پریشانوں کو اس میں سیٹھے ہوئے سیدہ عائشہ رحمہ اللہ اور اپنی مادرِ محترم کے گھر پہنچیں۔

یہ ایک دو منزلہ مکان تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رحمہ اللہ اُوپر کی منزل میں تھے اور حضرت امّ رومان رحمہ اللہ نچلی منزل میں بیٹھی تھیں۔ جی کو اس حالت میں آتے دیکھ کر پوچھا: ”میری بیٹی خیر تو ہے؟“ کیسے آئیں۔ حضرت عائشہ رحمہ اللہ نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت امّ رومان رحمہ اللہ ماں تھیں دکھ تو انہیں بھی بہت ہوا لیکن حضرت عائشہ رحمہ اللہ کا دل رکھے کو کہا: بیٹی گھبراؤ نہیں جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اُسے شوہر کی نظروں سے گرانے کیلئے ایسی باتیں مٹائی جاتی ہیں۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رحمہ اللہ کے دل پر پنی ہوئی تھی۔ انہیں ماں کے جواب سے تسکین نہ ہوئی اور فرطِ الم سے اُن کی چیخ کل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رحمہ اللہ اپنی بیٹی کی چیخ سن کر بالا خانے سے نیچے اترے۔ واقعہ سنا رقیبِ القلب تو تھے ہی خود بھی رونے لگے۔ جب ذرا قرار آیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رحمہ اللہ سے کہا: بیٹی تم اپنے گھر جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔

جب وہ چلی گئیں تو حضرت صدیق اکبر رحمہ اللہ حضرت امّ رومان رحمہ اللہ کو ہمراہ لے کر حضرت عائشہ صدیقہ رحمہ اللہ کے ہاں پہنچے۔ امّ المومنین رنج و الم کی شدت سے بخار میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ حضرت امّ رومان رحمہ اللہ نے انہیں اپنی گود میں لٹا لیا۔ نمازِ عصر کے

بعد سرورِ دو عالم ﷺ گھر تشریف لائے اور اس بہتان کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا: آپ لوگ جواب دیں لیکن وہ دونوں رحمتِ دو عالم ﷺ کے سچے شیعہ تھے اپنے آپ کا کو ملول دیکھ کر بیٹی کی حمایت کیسے کر سکتے تھے۔ کہنے لگے: ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بالکل بے گناہ ہوں۔ آخر غیرتِ الہی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت کی گواہی بڑے بڑے الفاظ میں دی۔ ارشاد ہوا:

”جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔“ (سورہ نور)

جب نزولِ وحی کی بدولت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بریت ثابت ہو گئی تو حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: بیٹی اٹھو اور اپنے آقا کے قدم تھام لو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضور ﷺ کی لاڈلی رفیقہ حیات تھیں۔ کہنے لگیں: امی جان! نہ میں ان کی ممنون ہوں نہ اپنے والدین کی، میں تو صرف اپنے اللہ کا شکر یہ ادا کرتی ہوں جس نے میری بے گناہی کی شہادت دی۔

اس تمام واقعہ میں حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے دل پر قیامتِ ٹوٹ رہی تھی مگر انہوں نے آخر تک صرف اور صرف اسی بات کو مد نظر رکھا کہ محبوبِ دو عالم ﷺ کا ارشاد کیا ہے اور آپ کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا؟ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا محبتِ رسول ﷺ میں اپنے خاوند کی طرح سرشار تھیں۔ اُن کا گھر سرکارِ دو عالم ﷺ کے تذکارِ عالی سے آباد تھا اور دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر محبوبِ دو عالم

حضور ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھی بجا طور پر حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے جنبہِ معیشت کا احساس تھا۔ اس لئے آپ بھی حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے جذبات کا خیال رکھتے اور ان کیلئے دُعا یہ کلمات ادا فرماتے۔ مگر کاسربراہ تو خاندانِ نبویؐ ہوتا ہے مگر مروت سے چلتا ہے۔ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا مشقِ معصومی ﷺ کے حوالے سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے روشن کردار کا پرتو نظر آتی ہیں۔

اور یہ حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے مقاماتِ عالیہ کی سربلندی تھی کہ جب آپ نے ۹ھ میں ہجرت میں وفات پائی تو حضور ﷺ جن وصال کی تصویر بنے آپ کے جنازے پر تشریف لائے، خود قبر میں اُتارے اور حضرت اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کے بارے میں شریکِ جنازہ اصحاب سے فرمایا: جو شخص مردوں میں خورِ مین کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اُمّ رومان رضی اللہ عنہا کو دیکھ لے۔ ”زہے خوش بختی، زہے قسمت کی سرفرازی، زہے مُقدّر کہ محبوبِ خدا ﷺ ”خورِ مین“ کے لقب سے نوازا رہے ہیں۔



حضرت شفاء علیہ السلام بنت عبد اللہ

بڑی عی شان والی تھیں، بڑی عی آن والی تھیں
 محبت دین سے تھی شوکتِ ایمان والی تھیں
 حضور پاک کی اُلفت دل و جاں کا تھی سرمایا
 ہمیشہ یاد رکھتی تھیں شہ دیں نے جو فرمایا
 شہ بطحا کی اُلفت میں سدا سرشار رہتی تھیں
 وقاداری سے محو جلوۂ سرکار رہتی تھیں
 انہیں ایمان لانے والوں میں حاصل ہوئی سبقت
 مسلمانوں میں حاصل تھی اسی خاطر بہت عزت
 انہیں تعلیمِ اسلامی کا ہر دم پاس رہتا تھا
 ہمیشہ علمتِ ایمان کا احساس رہتا تھا
 صحابہ کے دلوں میں تھا بہت ارفع مقام اُن کا
 دل و جاں سے سبھی کرتے تھے ہر پہلِ احترام اُن کا
 رضا کردار اُن کا تھا مثالِ شیخ نورانی
 انہی سے الہِ دل پاتے تھے تعلیماتِ ایمانی

حضرت شہداء علیہ السلام بنتِ عبداللہ

اسلام کی اشاعت اور اس کی تعلیمات کے فروغ کے حوالے سے جہاں صحابہ کرام کے تذکارِ مقدسہ سے تاریخِ اسلام جگمگا رہی ہے وہاں اُن صحابیات اور محترم خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے اپنے پاکیزہ کردار اور نقوشِ سیرت سے زمانے کو متاثر کیا۔ دراصل یہ تعلیماتِ معصومہ علیہا السلام کا فیضان تھا کہ جن تک آوازِ حق پہنچ گیا وہی بزمِ ہستی کا وقار بن گئے۔ صحابہ کرام اور صحابیات کے کارنامے نہایت پرشوق اور ایمان آفریں ہیں۔ بعض صحابیات ایسی بھی خوشِ بخت ہیں جو قبولیتِ اسلام میں اپنے مردوں سے بازی لے گئیں اور بعض کے کارنامے اپنے خادموں سے زیادہ زور نثار اور لائقِ تحسین ہیں۔ حضرت شہداء بنتِ عبداللہ علیہا السلام بھی نہایت محترمہ صحابیہ تھیں۔ آپ کا تو پورا گمراہہ ہی ایمان کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔

حضرت شہداء بنتِ عبداللہ کا شمار نہایت طویل القند و خواتینِ اسلام میں ہوتا ہے آپ کا تعلق قریش کے خاندانِ عدی سے تھا۔

اور حضرت شہداء علیہا السلام کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے۔ پانچویں پشت میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے۔

والدہ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ اُن کا نام فاطمہ بنتِ وہب تھا۔

حضرت شہداء کی شادی ابو حمزہ بن حذیفہ عدوی سے ہوئی۔ ابو حمزہ کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ کتبِ سیر میں حضرت شہداء علیہا السلام کے قبولِ اسلام کے زمانہ (سال) کی تخصیص نہیں کی گئی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ہجرت سے قبل کسی

وقت بڑے ناسازگار حالات میں سعادتِ امدوزِ اسلام ہوئیں اور پھر جب بارگاہِ رسالت سے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ حافظ ابن حجر نے ”اصابہ“ میں لکھا ہے کہ وہ اُن چند خواتین میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ارشادِ نبوی پر لبیک کہا اور ارضِ مکہ کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

مدینہ طیبہ میں موانحات کا رشتہ قائم ہوا۔ ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو بھائی بنایا گیا۔ پہلے تو مکان اور رہائش کے سلسلہ میں کچھ پریشانی رہی۔ ان کی پریشانی کا احساس حضور سرورِ عالم ﷺ کو بھی تھا۔ وہ اُن کی اس مشکل کو حل کرنے کیلئے مناسب موقع کے کھنکھرتے۔ کچھ عرصہ بعد ایک صحابی نے ایک مکان نذر کیا جو حضور ﷺ نے حضرت شفاء کو عطا فرما دیا۔ اس طرح اُن کی رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا اور آپ وہاں اپنے بیٹے سلیمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقیم ہو گئیں اور ایک طویل عرصہ اس مکان میں بسر کیا۔ آپ اسلام اور سرورِ دو عالم ﷺ کی دیوانی تھیں۔ آپ کو حضور ﷺ کی معمولی سی پریشانی بھی گوارا نہیں تھی۔

جب غزوہ خیبر ہوا تو مسلمانوں کو بڑی تعداد میں مالِ غنیمت بھی عطا ہوا لیکن حضور ﷺ تو قاسم تھے مال آتا تو فوراً تقسیم فرما دیتے اور جب تک سب کچھ تقسیم نہ ہو جاتا آپ کو سکون نہ آتا۔ اسی طرح آپ نے خیبر کا مال بھی تقسیم فرما دیا۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ مجھے بھی خیبر کے مال سے کچھ طلب کرنا چاہیے لیکن حضور ﷺ کی شان تو یہ تھی:

۔ مالک کو نہیں ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

چنانچہ حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور اُن دنوں جن پریشانوں سے دو چار تھیں وہ تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں بیان کر دیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ نقدی یا جس وغیرہ کی صورت میں انہیں کچھ عطا فرمایا جائے۔ اتفاق سے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اس لئے آپ نے مضرت فرمائی لیکن حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہ اصرار کرتی رہیں کہ اُن کی درخواست کو شرفِ پذیرائی بخشا جائے۔ اچھے میں اذان کی آواز آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے مسجدِ حریف لے گئے۔ حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہ بھی اٹھ کر قریب ہی اپنی بیٹی کے گھر چلی گئیں جو جلیل القدر صحابی حضرت شریح بن حسنہ کی اہلیہ تھیں۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ان کے داماد حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ تہنہ باندھے گھر میں ہی بیٹھے ہیں اور نماز کیلئے مسجد نہیں گئے۔ حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہ داماد کو گھر میں بیٹھا دیکھ کر سخت آزرده خاطر ہوئیں اور غضب آلودہ لہجے میں انہیں ملامت کرنا شروع کر دی کہ نماز کا وقت ہو گیا اور تو گھر ہی میں ہے۔ حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خالہ جان مجھے ملامت نہ کیجئے۔ بات یہ ہے کہ میرے پاس ایک ہی قمیص تھی جس پر میں نے پیوند لگا رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مجھ سے عاریتاً مانگ لیا ہے، قمیص نہیں چاہتا کہ ننگے بدن مسجد جاؤں اور جب لوگ مجھ سے اس کا سبب پوچھیں تو میں اُن کو بتاؤں کہ میری قمیص حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاریتاً لے لی ہے۔

حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہ داماد کی بات سکر سکتے میں آ گئیں اور کہنے لگیں: میرے ماں باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان مجھے کیا معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آج کل یہ حال ہے۔ میں نے اپنی درخواست پر اصرار کر کے خواہ مخواہ آپ کو اذیت دی۔

حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہ جن کو شریعت کا اس قدر پاس تھا کہ نماز کے وقت اپنے داماد کو گھر میں بیٹھے دیکھ کر غضبناک ہو گئیں اور پھر بے خبری کے عالم میں بارگاہِ رسالت

میں اپنی بات پر بے جا اصرار نے جنہیں سخت پشیمان کیا اس سے اعذار ہوتا ہے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کس دہجہ محبت تھی اور شریعت اسلامی کا کس قدر پاس تھا۔

حضرت شفاء رحمہ اللہ قریش کی اُن محدودے چار خواتین میں سے تھیں جو کھانا پڑھنا جانتی تھیں۔ کئی امراض کے مریض ان کے پاس آتے تھے اور وہ ہمارا پھونک یعنی منتر ٹوٹکے سے اُن کا علاج کرتی تھیں۔ اہل بَیْر نے اُن کے چوٹی کاٹنے کے منتر کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر صاحب اُسدُ الغابہ لکھتے ہیں کہ جب کسی کو چوٹی (زہریلی یا سخت قسم کی) کاٹنی تو وہ منتر پڑھ کر کاٹنے کی جگہ پر پُھونکیں۔

۳۔ میں سرورِ عالم ﷺ نے حضرت خضہؓ سے حضرت عمر فاروقؓ سے کھانچ لیا تو ایک مرتبہ حضرت شفاءؓ سے فرمایا کہ خضہ کو بھی لکھنا سکھا دو انہوں نے ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل کی اور حضرت خضہؓ کو لکھنا سکھا دیا۔

ایک دفعہ حضرت شفاء رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں جاہلیت میں جہاز پھونک کیا کرتی تھی اور جو ٹی کاٹنے پر یہ مہتر پڑھا کرتی تھی۔ کیا مجھے اب بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ چونکہ اس مہتر میں شرک کی آمیزش نہیں تھی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی بلکہ یہ فرما بھی دیا کہ یہ مہتر حصہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سکھا دو۔ حازم ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

علمی حصہ رقیۃ النملۃ کما علمتہا الکتابۃ

(خضہ ﷺ کو بھی چوٹی کا منتر سکھا دجیسا کہ تم نے اسے سکھایا)

چنانچہ انہوں نے حضرت حصہ رحمہ اللہ کو لکھنے کے علاوہ چوٹی کاٹنے کا منتر بھی سکھایا۔ اس لحاظ سے وہ ام المومنین حضرت حصہ رحمہ اللہ کی اُستاد ہیں۔ اربابِ سیر نے لکھا ہے

حضور ﷺ کے لئے ہمارے ماحول اور ماحول میں اور ان کو صرف عالم اسلام سے قاعدت و محبت اور عقیدت تھی۔ حضور ﷺ کی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور گاہے گاہے ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حافظ ابن حجر مکیؒ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کسی کبار حضرت شفاءؓ کے گھر آرام فرماتے تھے۔ انہوں نے ایک تہہ اور باہر حضور ﷺ کیلئے ایک کمرہ چھوڑا تھا چونکہ ان چیزوں سے حضور ﷺ کا جسد اقدس مس ہوا تھا اس لئے حضرت شفاءؓ کے نزدیک یہ بہت مقدس کی حامل تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ان دونوں مقدس چیزوں کو ذریعہ ہجراتی جان کے ساتھ رکھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد نے بھی ان تبرکات کو بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا لیکن اموی حکمران مروان بن الحکم نے یہ دونوں چیزیں ان سے لے لیں۔ اس طرح حضرت شفاءؓ کا خاندان اس برکت سے محروم ہو گیا۔

حضرت شفاءؓ کو ہانگہ دھڑی میں جو تقریباً میل تھا اس کی بناء پر تمام صحابہ کرامؓ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ حضرت عرقا روقؓ کے نزدیک ان کی قدر و منزلت کی یہ کیفیت تھی کہ جب دوسرے آراء خلافت ہوئے تو کبھی کبھی بعض اہم مسائل میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان کی رائے کی بہت تعریف کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت شفاءؓ کی فضیلت اور رائے کا بڑا پاس تھا اور وہ ان کو بڑا زکا اہتمام پر در کرتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت شفاءؓ صاحب الرائے ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامی ملا جیوں کی مالک بھی تھیں۔ علامہ ابن اثیر نے "أسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عرقا روقؓ نے اپنے مہذب خلافت میں حضرت شفاءؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچیں تو اتفاق سے مائیکہ بیت



اسید بھی وہاں آ گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک ایک چادر عطا فرمائی۔ جو چادر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا ہوئی وہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کی چادر سے بہتر تھی۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری۔ انہوں نے ناراضی کے لہجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”تمہارے ہاتھوں پر مٹی پڑنے میں عائشہ سے زیادہ قدیم الاسلام ہوں تمہاری بنتِ عم بھی ہوں اور پھر تم نے مجھے خود بلا بیجا تھا لیکن ان ساری باتوں کے باوجود تم نے عائشہ کو مجھ سے بہتر چادر دی حالانکہ وہ بنِ بلائے محضہ اتفاق سے یہاں آ گئی تھیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”واللہ یہ چادر تمہارے ہی لئے تھی لیکن جب عائشہ آ گئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ نسب میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا یہ دلیل سن کر خاموش ہو گئیں اور مطمئن ہو کر گھر چلی آئیں۔“

اس روایت سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کے قرابت داروں کو اپنے خاندان بنو عدی کے لوگوں پر ترجیح دیتے تھے وہاں ان کی تحق اور بُرو باری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے فرمانروا تھے لیکن اپنے خاندان کی ایک بوڑھی خاتون کی ڈانٹ پر ذرا بھی برا نہ مانا۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نہایت جری اور بیباک تھیں اور دل کی بات خواہ وہ کتنی ہی سخت ہو بُرا کہنے میں کسی کی رُو رعایت نہ کرتی تھیں اگر چہ ان کا مخاطب خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وہ مساوات اور سادہ طرزِ معاشرت تھی جس نے چند سال کے اندر اندر مسلمانوں کو اقبال و فتح مندی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا۔

حضرت شفاء ؑ نے کب وفات پائی؟ اس کے بارے میں تمام کتبِ بزرگ خاموش ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر ؓ کی خلافت کے آخری دور یا حضرت عثمان ؓ و ذوالنورین ؓ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت شفاء ؑ کی اولاد میں صرف ایک لڑکے سلیمان ؑ اور ایک لڑکی کا پتہ چلتا ہے۔ دونوں شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ لڑکی مشہور صحابی حضرت شرمیل بن حننہ کے نکاح میں تھیں۔

حضرت شفاء ؑ نے رسول اکرم ﷺ اور حضرت عمر فاروق ؓ سے چند (جول بعض بارہ) حدیثیں روایت کی ہیں۔ راویوں میں ان کے بیٹے سلیمان ؑ اور پوتے ابو بکر ؑ اور عثمان ؓ ام المومنین حضرت حفصہ ؓ اور ابواسحاق شامل ہیں۔



حضرت اُمّ معبدؓ

تُو ہے خوش بخت کہ مہماں ہوئے تھے سرورِ عالم
 کہ جن کی بارگاہ میں ہے جبینِ وقت کا سرِ غم
 تُو ہے خوش بخت کہ اعزازِ حیرا چمن نہیں سکتا
 ترے اکرام کی تعداد کوئی رگن نہیں سکتا
 کچھ اس انداز سے حلیہ سُنایا شاہِ والا کا
 کہ ہر قلبِ مسلمان جوشِ ایمان سے مہک اُٹھا
 بہت تہدیلیاں دیکھیں پر تیری شان باقی ہے
 دلوں میں جو مچلتا ہے وہی ارمان باقی ہے
 شہِ کونین کی عاشقِ نئی پاک کی شیدا
 قبولِ اسلام تُو نے کر لیا جو شاہ کو دیکھا
 تیرے الفاظِ زعمہ ہیں ترا پیغامِ زعمہ رہے
 نبی پاک نے تجھ پر کیا انعامِ زعمہ ہے
 نبی پاک کا حلیہِ رضا کے دل کی زینت ہے
 تیری الفاظ کی شوکت سے ہر اک دل میں راحت ہے

حضرت اُمّ معبدؓ

حضور اکرم ﷺ اپنے جاننا مدنی حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب اونٹوں پر چڑھ کر تھے۔ راستے میں غار ثور میں ٹھہرے بچے کے تین رات دن قیام کرنا پڑا تھا۔ ابھی تو بہت طویل سفر تھا۔ سورج گرم تھا زمین تپ رہی تھی زمین سے اٹھنے والی گرم ریت سے چھ لے چھ لے جا رہے تھے مگر یہ جھگڑاتے چھروں والے مسافر بے خوف و خطر اپنی منزل کی طرف دواں دواں تھے۔ ان میں سے ایک تو آقاؐ تھے جو ساری دنیا کے آقاؐ مولانا ﷺ تھے اور دوسرے اُن کی قلمی کام کرنے والے صدیق اکبرؓ تھے جنہیں اپنی جان کا خطرہ نہ تھا مگر یہ گوارا نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جبینِ اقدس پر ہلکی سی صلیب بھی آجائے۔

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا

کہ اُن کے پاؤں کے ٹکڑوں میں اک کاٹا بھی چھب جائے

یہاں نے سنا رکھا تھا۔ بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔ راستے میں ایک مقام تہذیب نظر آیا جو ایک صحرائی جگہ پر واقع تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرب مہمان نواز ہوتے ہیں۔ یقیناً یہاں ہمیں دو سب کچھ مل جائے گا جس کی ہم توقع رکھے ہوئے ہیں۔

یہ مقام حضرت اُمّ معبدؓ کا تھا جو عرب کی مہمان نوازی اور لطف و محبت کا دلکش نمونہ تھیں۔ آپ اور آپ کا خاندان دونوں غیر معمولی طور پر مہمان نواز تھے۔ انہوں نے مکہ کے قریب خیمہ لگا رکھا تھا جو مسافر آتے اس خیمہ کے نیچے آرام کرتے۔ اُمّ معبدؓ انہیں پانی بھی پلاتیں اور حتی المقدور خدمت بھی کرتیں۔ جب حضور ﷺ اور صدیق اکبرؓ یہاں پہنچے تو اس خیمہ کے نیچے ٹھہرے۔



حضور ﷺ نے خاتونِ خانہ اُمّ معبد ﷺ سے دریافت کیا:

”بہن تمہارے پاس کھانے کیلئے کچھ ہے۔“

اُمّ معبد ﷺ نے بڑی سناٹ سے عرض کیا:

”کھانے کو تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ یہ ایک بکری حاضِر ہے جو بہت کم

دودھ دیتی ہے یہ دودھ آپ کیلئے ناکافی ہوگا۔ اگر پسند فرمائیں تو اسے ذبح کر لیں۔“

حضور ﷺ اپنی میزبان اُمّ معبد ﷺ کے جذبہ خدمت سے بہت خوش

ہوئے اور فرمایا:

”بہن اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دودھ لیں۔“

اُمّ معبد ﷺ نے عرض کیا: سرِ چشم مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ

آپ کو دودھ بہت ہی کم ملے گا۔“



نبی رحمت ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس کمزوری بکری کے تھنوں پر

ہاتھ پھیرا۔ یہ عام آدمی کے ہاتھ نہیں تھے۔ یہ تو نبی کریم ﷺ کے ہاتھ تھے جن کی تاثیر

سے مردے جی اُٹھتے ہیں۔ آپ کے دست ہائے مبارک کی برکت نے اپنا کمال دکھایا

اور بکری کے تھنوں سے دودھ کے چشمے پھوٹنے لگے۔ اُمّ معبد ﷺ نے جو برتن دیا وہ

فوراُ بھر گیا۔ یہ دودھ رسول کریم ﷺ اور آپ کے رفقاء سیدنا صدیق اکبر ﷺ ان کے

غلام حضرت عبد اللہ بن اسحاق ﷺ نے پی لیا۔ دوسری مرتبہ پھر بکری کو دہا گیا تو برتن

پھر بھر گیا۔ یہ بھی حضور ﷺ اور آپ کے رفقاء نے پیا۔ تیسری مرتبہ دودھ دوہنے سے

جب برتن بھرا تو حضور ﷺ نے یہ برتن اُمّ معبد ﷺ کے حوالے کر دیا۔ اُمّ معبد ﷺ نے

یہ منظر دیکھا تو حیران و ششدر ہو گئی کہ جو بکری پاؤ بھر دودھ نہیں دے سکتی تھی اُس کے

حالاتِ ہمدردی سے دُودھ کی خوراک بہہ رہی تھی۔ حضرت اُمّ عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے حضرت میں تم ہو گئیں کہ یہ آج ہمارے گھر میں کیا ہوا ہو گیا اور آنے والی بستی کس قدر مبارک مسجد اور باعثِ رحمت ہے۔ حضرت اُمّ عبد اللہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وہ بکری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک ہمارے پاس رہی۔ ہمارا گھرانہ گدھامائیں کے دُودھ سے فیضیاب ہوتا رہا۔ گھمائی کے دُودھ میں کبھی ذرا بھر بھی کئی روز ٹافٹیں ہوتی۔



آگے سرپا رحمت تو اس گھر کو اپنے قدموں کی برکات سے فیضیاب کرنے کے بعد ارضِ مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ کچھ گھر بعد حضرت اُمّ عبد اللہ رضی اللہ عنہا کا خاوند آیا۔ دُودھ کے بھرے ہوئے برتن دیکھے تو بے حد تعجب میں تم ہو گیا۔ اُمّ عبد اللہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرنے لگے:

”یہ دُودھ کہاں سے آیا؟“

حضرت اُمّ عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے محبت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

”آپ کی خدمت موجودگی میں ایک بزرگ تشریف لائے تھے۔ ثورانی صورت، دل ربا سراپا، انہوں نے بکری کو دہاؤ خود بھی ساتھیوں سمیت جی بھر کر دُودھ پیا اور ہمارے لئے بھی بھرے ہوئے برتن چھوڑ گئے۔“

یہ وہ زمانہ تھا کہ محبوبِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات اور اخلاقِ حسنہ کی سیرت سے مشرق و مغرب میں اُجالا ہو رہا تھا۔ تعلیماتِ مقدسہ کی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ مکہ وہ شہر تھا جہاں عرب کے کونے کونے سے تاجر تجارت کیلئے آتے تھے اور وہاں ہوتے ہوئے عمر عربی (ﷺ) کے پیغام کے الوار بھی سمیٹ کر لے جاتے تھے۔ وہ لوگ اپنے اپنے طاقتوں میں جاتے تو وہاں کے عوام کو بتاتے کہ مکہ میں ایک نبی کی



تعلیمات پھیل رہی ہیں۔ قبیلہ بنو ہاشم سے قطع رکھتا ہے۔ محمد رسول اللہ نام ہے۔ خاندان بھی اعلیٰ ہے اور اس کی شکل و صورت اور الفاظ کی تاثیر کا کیا کہنا۔ اس کا پیغام سرا سر رحمت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے، میں اُس کا رسول ہوں۔ پھر کے بت تمہیں کچھ نہیں دے سکتے، ان کی عبادت چھوڑ دو اور خدائے واحد کی عبادت کرو۔ تمام گناہوں، معاصی، غلط کاریوں، لڑائی، جھگڑوں کو چھوڑ دو، بچوں کو زعمہ درگور نہ کرو۔ یہ اس کی تعلیمات کا اثر ہے کہ مکہ اور اردگرد کے قبائل کے حق کے پرستار بڑی تعداد میں اس کی نبوت کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔



اُمّ معبد ؑ کا خاندان بھی اتنا انجان نہیں تھا۔ اس کے کانوں تک محمد عربی ؐ کے تذکار مقدس پہنچ چکے۔ اُس کا دل اندر سے اس رسولِ محترم کا شیدائی ہو چکا تھا۔ بس دیکھنے کی آرزو تھی۔ جب اُمّ معبد ؑ نے تمام واقعہ سنایا تو باطن سے صدا بھری کہ ”یہی تو وہ ہستی ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ یہ مسافر تو وہی ہے جو مدت سے میرے دل میں بسا ہے۔ اے اُمّ معبد ؑ تم کتنی خوش بخت ہو کہ تم نے اُس راہنمائے عالم کو دیکھا ہے۔ براہ کرم اُس کا حلیہ، شکل و صورت تو بیان کرو۔“

اُمّ معبد ؑ کا دل تو پہلے ہی محبتِ رسول ؐ کا مرکز بن چکا تھا۔ اُس کے اندر سے طوفان اُٹھ رہا تھا کہ کوئی فرمائش کرے تو آنکھوں دیکھا احوال بیان کرے۔ اور حشر ہر نے فرمائش کی اور اُمّ معبد ؑ کے منہ سے لفظوں کے جواہر نکھرنے لگے۔ زبان سے گھبائے عقیدت نکھرنے لگے۔ عقیدت نے الفاظ کا ہی امن محفوظ کر لیا۔ تاریخ عالم نے اپنے اور ارق کھول دیئے اور اُمّ معبد ؑ کے تاریخ ساز الفاظ فضاؤں کو ضو بار کرنے لگے۔

پاکیزہ صورت، کبھی چہرہ خوش خلق، نہ تو غلج ہوئی نہ چہرہ بال کے بال کرے ہوئے حسین و جمیل روشن روشن ہوئی آنکھیں اور سیاہ بال گھنے اور لمبے آواز میں ہماری پن سیدی گردن آنکھ کی مٹکی روشن سر میں چشم ہار یک و یک ستارے سیاہ ٹھکڑیا لے بال بادکار خاموش نظم و انضام سے دیکھنے میں بچلے اور بڑھاپا قریب سے نہایت شیریں و خرم و شیریں کلام واضح الفاظ کلام کی پیشی الفاظ سے پاک تمام ٹھنکو موتیوں کی لڑی جیسی پردہ کی ہوئی (یعنی مسلسل مربوط اور باہل) مگر نہ کہ کوئی سے حقیر نظر نہیں آتی نہ طویل کیا آنکھ اس سے غرت کرتی نہ چہرہ بال کی شہنشاہ تازہ نہ بندہ مظهر مالی قدر و رفہ ایسے کہ ہر وقت گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں جب حکم دیتا ہے تو قہر کیلے لپکتے ہیں۔ خدمت مطاع نہ لاجوردی بات کرنے والا اور نہ ضرورت سے نہ یاد دلانے والا۔

آئمہ عبد اللہ نے سرکارِ عالم کا حلیہ تقدس بیان کیا تو اس کا خادم فرما سرت سے اٹھ چلا پڑا کہ

”یہ تو وہی صاحبِ قریش ہے جس کا زمانہ یوانہ ہے“ میں ضرور اس سے جا کر ملوں گا۔

حضرت آئمہ عبد اللہ کے قول پر اسلام کے حقائق و روایات تاریخ کا اعتراف ہے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ ان کے کان صاحبِ قریش حضور محمد مصطفیٰ کے ہم گرامی اور آپ کی تعلیمات سے پہلے ہی آشنا ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب ان کی ربخ مصطفیٰ پر اولین نگاہ پڑی تو ان کے دل نے گواہی دی کہ یہی وہ نبی آخر الزماں ہے جس کے آواز و توحید سے بزمِ ہستی گونج رہی ہے۔ یہی وہ سراجِ خیر ہے جو دلوں کے ظلمت کدوں کو جگمگانے کے لئے آیا ہے۔ یہی وہ مقصودِ ہستی ہے جو اس کائنات



کا ابد تک کیلئے نجات دہندہ ہے۔

اور پھر جب اُمّ معبد ؑ نے بکری کے خشک تھنوں سے دودھ کے سرچشے چھوٹے دیکھے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ خشک تھن کتنے ہی لوگوں کی تسکینی مٹانے لگے تو انہیں قطعی طور پر یقین ہو گیا کہ:

”میرا یہ مہمان عام مہمان نہیں۔ یہ تو وارد کوئی معمولی راہ نور و جنس بلکہ یہ تو وہ اعزازِ ہستی ہے جو مددِ رحمتِ شش جہات ہے جس سے معمورہ عالم جگمگا رہا ہے جس کے صدقے میں تمام انبیاءِ تخلیق ہوئے ہیں یہ وہی محبوبِ خدا ہے جس کی تشریف آوری کیلئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی۔ یہ وہی ہستی موعود ہے جس کی جلوہ گری کیلئے حضرت مسیح ابن مریم نے بشارت دی تھی“

اُمّ معبد ؑ کے دل کی دنیا اسی وقت زیرِ وزر ہو گئی۔ اس وقت غلو صِعب کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سلطانِ مدینہ ؑ اہل مدینہ کی تمنائوں کو شرفِ قبولیت بخشے ہوئے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ مدینہ کے درود پوار خوشی و مسرت سے جُھوم رہے تھے۔ ”بئرب“ اب مدینہ العلوی بن چکا ہے۔ بیمار یوں کامرکز شہر نگاراں میں بدل چکا تھا۔ ہر طرف توحید و رسالت کے اُجالے اپنا نورِ دل و جان کی خلوتوں میں اتار رہے تھے۔ اس خوشی و مسرت کے عالم میں حضرت اُمّ معبد ؑ اپنے خاوند کے ہمراہ آئیں اور دونوں بارگاہِ رسالت مآب ؑ میں حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے شرف ہو گئے۔

جب حضور ؑ نے مدینہ میں قیام کیا تو کہا جاتا ہے کہ ایک بکری کے حضور ؑ نے تھن چھوئے تھے۔ اس کیلئے دودھ میں برکت کی دعا مانگی تھی۔ اُمّ معبد ؑ نے ایک دوسری بکری ذبح کی اور رسول اللہ ؑ اور ان کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا۔ دودھ

حضور ﷺ سے موجود تھی جس کا دودھ وافر مقدار میں حضور ﷺ اور آپ
کے رفقاء کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا نے اپنے گاؤں ہی میں اسلام قبول کر لیا یا مدینہ منورہ آ
کر مشرف بہ اسلام ہوئی ہوں۔ یہ بات طے ہے کہ حضور ﷺ کے رُخ انور کی اولین
جلوہ نمائی ہی اُن کے قبولیت اسلام کا ذریعہ بن گئی۔ اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کا سب سے بڑا اعزاز
اُن کے حوالے سے محبوب دو عالم ﷺ کا بیان کردہ حلیہ ہے۔ حلیہ کیا ہے کتاب نعت کا
زر نگار باب ہے تو صیغہ رسول اللہ ﷺ کی جگہ گاتی کتاب ہے حلیہ کیا ہے لفظوں کے
گلاب اور گل دلالہ سکتے نظر آتے ہیں۔ یوں نظر آتا ہے جیسے حلیہ بیان کرتے ہوئے
حضرت اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کی عقیدت مضبوطی سے جگہ گاتی ہوئی آنکھوں سے بتا رہے
پھوٹ رہے ہوں۔ لفظوں نے رنگ و خوشبو کا لبادہ اوڑھ لیا ہو۔ جلوہ کاری رسول ﷺ
نے علم و حُشّ کے آفتاب کی کرنیں لٹا دی ہوں۔ بہت سے محقق ناقدین اور تذکرہ
نگاروں نے اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کے بیان کردہ حلیہ کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی سب سے پہلی نشی
نعت قرار دیا ہے۔ عقیدت، حُشّ و وارفتگی، شینگی اور جذبات کی فکر انگیزی ہم آہنگ ہو گئی
ہیں۔ سلام اُمّ معبد رضی اللہ عنہا پر کہ حضور ﷺ کچھ عرصہ آپ کے پاس ٹھہر کر چلے گئے مگر آپ
نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے لفظوں کی کہکشاں بکھیر دی۔

تری خوش بختیاں اے اُمّ معبد کوئی کیا جانے
ترے الفاظ میں گم ہیں زمانے بھر کے فرزانیے



حضرت اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا

عقیدت کا معیار تھیں اُمّ خالدہ
 سعادت کا مینار تھیں اُمّ خالدہ
 شہداء کی پیاری صحابہ کی پیاری
 عقیدت کے گلشن کی دلکش کیاری
 تھیں شکل اور صورت میں مہتاب تازہ
 تھا چہرے پہ حُبِ محمدؐ کا غازہ
 انہوں نے کہ تھی آنکھ جوشہ میں کھولی
 اسی طور آتی تھی جوشہ کی بولی
 یہ امی کی آنکھوں کا دلکش ستارہ
 یہ ابو کی چاہت کا احسن نظارہ
 بڑی خوبصورت بڑی دل نشیں تھی
 بڑی خوشنما، دربارِ منہ جیں تھی
 رضا اُن پہ تھا لطف شاو جہاں کا
 زمانہ بھی سرکار کا ہم زباں تھا

حضرت اُمّ خالد رضی اللہ عنہا بنت خالد بن سعید

صحابہ کرام اور صحابیات کیلئے قبولیت اسلام کا وقت بڑا سخت اور کٹھن تھا۔ اسلام کا اعلان کر کے ہی کتاب مکہ اُن پر ظلم کا بازو گرم کرنے لگتے۔ انہیں طرح طرح سے ستایا جاتا۔ اُن کا ساتھی بایکاٹ کیا جاتا اُن کے بزرگوں اور بچوں کو نشانہ ستم بنایا جاتا۔ مکران الہی عزیمت کی ایمانی استقامت کا بھی کمال ہے کہ انہوں نے ہر دکہ کو جھیلا ہر سزا کو برداشت کیا۔ ہر ستم کو فطرت کا ایمان سمجھ کر قبول کیا مگر راہ اسلام میں اُن کے آگے کو بڑھتے ہوئے قدم کبھی بھی پیچھے نہ ہٹے۔ حتیٰ کہ انہیں مکہ معظمہ تک چھوڑنا پڑا۔ ملک حبش جیسے دور دراز کے علاقے میں پناہ لینا پڑی۔ کتنے ہی سال دیارِ غیر میں غریب الوطنی کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے گزر گئے مگر اُن میں سے کسی کا حوصلہ بھی مائل نہ پڑا بلکہ راہ حق میں آنے والی آزمائش اُن کو اسلام اور بانی اسلام ﷺ سے حرید محبت کا سلیقہ عطا کرتی گئی۔ اُن میں سے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور اُن کی اہلیہ بھی شامل ہیں اور اُمّ خالد اُن کی اس صاحبزادی کا نام ہے جو اُن کے قیام حبشہ کے دوران میں پیدا ہوئی۔

حضرت اُمّ خالد کے والد اور والدہ دونوں ہی دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں بَشْرَفِ بِلَاغِ اسلام ہو چکے تھے اور جس طرح دوسرے السابھون الاذلون پر ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اسی طرح یہ بھی کُفار مکہ کے ظلم و تشدد کا نشانہ بننے لگے اور طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہونے لگے۔ بعثتِ نبوی کے پانچ سال بعد تک مکہ ہی میں رہے پھر حضور ﷺ نے ملک حبش کے بادشاہ نجاشی کی رحمدلی کے حالات سُن کر اپنے صحابہ کو حبشہ جانے کے بارے میں فرمادیا۔ چنانچہ چند صحابہ کرام کا مختصر سا قافلہ ہجرت کر کے حبشہ کی اجنبی سرزمین کی طرف روانہ ہو گیا۔



جب ملک حبشہ میں شاہ نجاشی کی خصوصی کرم فرمائی کا تذکرہ سنا تو اور صحابہ بھی حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حبشہ کا رخ کرنے لگے۔

اگلے سال (۶ بعدِ بعثت میں) مظلوم صحابہ کے ایک بڑے قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ اس قافلے میں حضرت خالد بن سعید بن العاص اور اُن کے بھائی حضرت عمرو بن سعید بن العاص بھی شامل تھے اُن کے ساتھ ان کی بیویاں حضرت اُمّہ بنتیؓ اور حضرت فاطمہ بنتیؓ دستِ معنواں بھی تھیں۔ حضرت خالد بن سعید غزوہ خیبر تک حبش میں مقیم رہے۔ اُن کے قیامِ حبش ہی کے زمانے میں حضرت اُمّ خالدہ اُمّہ بنتیؓ کی ولادت ہوئی۔ انہوں نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اس پر پہلے ہی نورِ اسلام جلوہ رُکن تھا۔ اس لئے وہ پیدائشی مسلمان تھیں۔ عَلَامَہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت اُمّ خالدہ بنتیؓ کے ایک بھائی بھی حبش میں پیدا ہوئے۔ اُن کا نام سعید تھا۔ دونوں بہن بھائی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت سعیدؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں شام کے ایک معرکے میں باپ کے سامنے عی شہادت پائی۔

حضرت اُمّ خالدہ بنتیؓ کا اصل نام اُمّہ تھا۔ وہ قریش کے نامور خاندان بنو اُمیہ سے تھیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے: اُمّ خالدہ بنت خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔ والدہ کا نام اُمّہ یا اُمّیہ بنتیؓ خُثَیْمَہ بن اسعد بن عامر تھا۔ اُن کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔

حبشہ میں حضرت اُمّ خالدہ بنتیؓ اور اُن کے والد حضرت خالد بن سعیدؓ اور اُن کی والدہ کو دوسرے مسلمانوں کی طرح کئی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اجنبی وطن اجنبی زبان اور پھر کفارِ مکہ کا وہ ذبیح کر شاہِ نجاشی کو مجبور کرنا کہ وہ پناہ لینے والے مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔ بالآخر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے کلمہ حق نے کام کر



دکھایا۔ کفارِ کدہ کی کوششیں ناکام ہو گئیں اور مسلمان ناسازگار ماحول اور ناسازگار آب و ہوا اس جانی تحفظ کی یقین دہانی کے ساتھ یمن سے رہنے لگے۔ حضرت اُمّ خالدؓ جو کہ جشہ بنی میں پیدا ہوئیں تھیں بہت حسین تھیں۔ والد بن تو والد بن تھے۔ دوسرے صحابہ اور ان کی بیویاں بھی ان سے پیار کرنے لگیں۔ انہوں نے قدرتی طور پر وہاں کی زبان سیکھ لی۔ مہاجر بن جشہ میں سے کچھ اصحاب تو مختلف اوقات میں سرورِ عالم ﷺ کی ہجرت اہل المدینہ سے پہلے مکہ واپس آ گئے لیکن بیشتر جشہ بنی میں رہے اور جنگِ خیبر کے موقع پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آئے۔ حضرت خالد بن سعیدؓ ان کے اہل و عیال اور دوسرے اہل خاندان بھی انہی اصحاب میں شامل تھے۔ حضرت اُمّ خالدؓ اس وقت من شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ جس وقت یہ لوگ جشہ سے روانہ ہونے لگے تو نجاشی شاہِ جشہ نے نہایت تعذیبت سے ان کو پیغام دیا کہ تم سب رسول اللہ ﷺ کو میرا سلام پہنچا دینا۔

حضرت اُمّ خالدؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھیں جنہیں شاہِ جشہ نے رسول اللہ ﷺ کیلئے پیغام سلام دیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضور ﷺ کو نجاشی کا سلام پہنچایا۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت اُمّ خالدؓ کا نکاح حضور ﷺ کے چھوٹے زاد بھائی اور حواری حضرت زبیر بن العوامؓ سے ہوا۔ ان کی صلب سے دو بیٹے خالد اور عمر اور یمن بیٹیاں حبیبہ سودہ اور ہند پیدا ہوئیں۔

سرورِ عالم ﷺ حضرت اُمّ خالدؓ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے والد ماجد کے ہمراہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اُس وقت انہوں نے سرخ کردہ پھن رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے دیکھ کر آزار و خوش طبعی فرمایا: ”سند سنہ“



”بہت خوبصورت بہت خوبصورت“ حبشی زبان میں یہ الفاظ حضور ﷺ نے اُم خالد کو خوش کرنے کیلئے فرمائے۔

چونکہ حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا بہت خوبصورت تھیں۔ رنگ سرخ و سفید تھا اور حبشہ کی زبان بھی جانتی تھیں اس لئے حضور ﷺ خوش طبعی سے انہیں دیکھ کر سنہ سنہ کے الفاظ ادا فرماتے جن کا مطلب اس پیاری سی بچی کو خوش کرنا تھا۔ اور یہ مقصود بھی تھا کہ جس ماحول سے آئی ہے وہاں کی یاد بھی تازہ ہو جائے۔ چنانچہ یہ الفاظ سن کر حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کے ساتھ ساتھ اُن کے والدین اور وہ اصحاب کرام بھی جو حبشہ میں رہ کر آئے مسکرانے لگے اور حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کو تو اپنے والدین کے ساتھ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرح کافی عرصہ حبشہ میں بسر کرنا پڑا تھا۔ حضور ﷺ حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا سے کس درجہ پیار کرتے تھے اس کا اندازہ اس روایت سے بخوبی ہوتا ہے۔

غزوہ خیبر کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ سرورِ عالم ﷺ کو کہیں سے تھکے میں ایک پھول دار سیاہ چادر آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ چادر کس کو دوں؟ لوگ چپ رہے۔ اُن کی خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ حضور ﷺ جس کو چاہیں وہ چادر دے دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”اُم خالد کو بلاؤ۔“

ایک صاحبِ دوزے گئے اور حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اُن کو یاد فرما رہے ہیں۔ وہ فوراً بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئیں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے نہایت محبت اور شفقت سے وہ چادر ان کو مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی دو دفعہ فرمایا ”پہنو اور پرانی کرو۔“ پھر حضور ﷺ چادر کے بوٹوں پر ہاتھ رکھ کر حضرت اُم خالد رضی اللہ عنہا کو دکھاتے اور فرماتے ”اُم خالد رضی اللہ عنہا دیکھو یہ سنہ ہے یہ سنہ ہے۔ حبشی زبان میں ”سنہ“ کے معنی ہیں ”خوشنما“۔ اُم خالد رضی اللہ عنہا حبشی زبان جانتی تھیں۔ وہ سرورِ عالم ﷺ کی زبان

مبارک سے یہ الفاظ سن کر باغ باغ ہوئی جاتی تھیں۔

اس سے اعزاز ہوتا ہے کہ رسولِ اقدس ﷺ حضرت اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان کو کتنا عزیز جانتے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک حضرت بار اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا اپنے والدِ محترم حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ دربارِ رسالت ﷺ میں آئیں تو چونکہ چھوٹی بچی تھیں اس لئے اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا مہرِ نبوت سے کھیلنے لگیں۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان کو ادب کے خلاف جانا اور انہیں منع کیا، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا: اسے منع نہ کرو، کھیلنے دو۔ اور پھر یہ واقعہ جس میں آپ کو نبی کریم ﷺ نے چادر رحمت صلا فرمائی کسی اور موقع کا ہے۔

حضرت اُمّ خالدہ رضی اللہ عنہا سے چند احادیث مروی ہیں۔ راویوں میں کریب بن سلیمان کندی، موسیٰ بن عقبہ اور ابیہم بن عقبہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) شامل ہیں۔



حضرت شیمائے بنت حارث

نبی مکرم کی کرتی تھیں خدمت
 اسی میں میسر تھی ہر ایک راحت
 شہِ دو جہاں کو کھلاتی ہر دم
 محبت محمدؐ سے کرتی تھی پیہم
 حلیمہ کی بیٹی حلیمہ کی پیاری
 شہِ دو جہاں پہ تھی ہر آن واری
 کھلاتی پلاتی تھی احمدؐ نبی کو
 دوام اس سے ہر آن تھا روشنی کو
 حیات اس کی حب محمدؐ سے روشن
 اسی سے تھا مہکا عقیدت کا گلشن
 تھا نام اس کا شیماء، حلیمہ کی دختر
 شہِ دو جہاں کی نسبت سے تھی مثل دختر
 رضا اس پہ ہر آن لطف نبیؐ ہو
 لہ میں عطا اس کو لطف جلی ہو

حضرت شیماؓ بنت حارث

حضرت شیماؓ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی صاحبزادی تھیں۔ بچپن میں آپ ننھے محمد ﷺ کو کبھی گود میں اٹھا کر اور کبھی کندھوں پر بیٹھا کر کھمایا پھیرایا کرتی تھیں یا گھر میں ہی آپ کھلاتی تھیں۔ اگر کبھی آپ رونے لگتے تو باہر لے جاتیں۔ چونکہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی عمر بڑھ رہی تھی اور حضرت شیماؓ بھی کوئی چھوٹی بچی نہیں تھیں۔ اس لئے حضور ﷺ کو لوریاں سناتے اور پھرانے میں اپنی انی کا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔

حضرت شیما کا نام جد امہ تھا جبکہ گھر میں اور گاؤں میں شیما کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ آپ کے باپ کا نام حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ تھا۔ ماں کا نام حضرت حلیمہ سعدیہ تھا جنہیں حضور ﷺ کی دایہ بننے کا شرف حاصل ہوا اور اسی نسبت سے وہ تک کیلے زمانے بھر میں معزز و محترم بن گئیں۔

حکمت ہے حلیمہ کی کس شان کی رفعت ہے

اس شان کا باعث بس سرکار ﷺ سے نسبت ہے

حضرت شیما کے اتنے زیادہ حالات نہیں ملتے مگر ان کو ننھے حضور ﷺ سے بے حد پیار تھا چونکہ آپ کے آنے سے گھر میں بہار آگئی تھی سو کچے میدان ہرے بھرے ہو گئے تھے خشک چراگاہوں میں ہریالی نظر آ رہی تھی۔ ان کے گھر کی لاغر بکریاں فربہ ہو گئی تھیں اور ان کے خشک قھن دودھ سے بھر پور ہو گئے۔ مقدر یاد رہ گیا تھا قسمت مہربان ہو گئی تھی۔ ایک ایک لوالے کو ترسنے والے گھر میں خوشحالی آ گئی تھی۔ شیما بھی اپنے ماں باپ کی طرح یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور اسے بھرپور احساس تھا کہ ان انعامات و ربانی کے پس پردہ ننھے محمد ﷺ کے مبارک وجود کی معجز نمایاں شامل ہیں۔ اس نے شیما کو ننھے حضرت



محمد ﷺ سے بے پناہ پیار اور انس ہو گیا تھا۔ گو میں اٹھا کر بھاگی بھاگی بھرتی۔ ”سیرۃ حلیمہ“ میں رقم ہے کہ جب ننھے حضور ﷺ اپنی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی نگرانی میں پرورش پا رہے تھے تو شیما حضور ﷺ کو اٹھا کر کھانا کھلاتی، سیر کراتی، آپ سے باتیں کرتی، اور آپ کو یہ لوری بھی سنایا کرتی تھی۔

”یا اللہ محمد ﷺ کو زندہ رکھ یہاں تک کہ ہم ان کو جوان دیکھیں۔“

پھر ہم ان کو ایک صاحبِ عزت سردار دیکھیں۔ اس حال میں کہ ان سے حسد کرنے والے دشمن مغلوب ہوں۔

اے اللہ! محمد ﷺ کو دائمی عزت عطا کر۔“

اس لوری کے بارے میں کوئی تحقیق تکلیک کا شمار ہو سکتا ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ قبیلہ بنو سعد میں قیام کے دوران حضور ﷺ کے پے در پے معجزات بھی رونما ہو رہے ہیں اور ایسے واقعات و حالات بھی سامنے آرہے ہیں جن کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تو ظاہر ہے کہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں ایسے الفاظ یا اشعار کہنا درست لگتا ہے، اور پھر بنو سعد کا قبیلہ تو عرب کا فصاحت و بلاغت سے مالا مال قبیلہ تھا، جس کا حضور ﷺ کو فرمایا کرتے تھے ”تو پھر کیا معلوم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی صاحبزادی حضرت شیما رضی اللہ عنہا نے ننھے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بدحت میں کیا کچھ کہا ہو۔ تاریخ اس تفصیل میں جانے سے قاصر ہے۔ فقط حضور ﷺ کی اس قبیلہ پر عنایات کے حوالے سے تصور کیا جاسکتا ہے۔“

جہاں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں کہ کس طرح اور کس طور سے مکہ میں آئیں۔ کس طرح حضرت محمد ﷺ کو وہاں جن حالات سے گزرنا پڑا، ان میں سے بہت سے حالات مورخ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ جہاں دایہ



ماں حضرت علیہ السلام کا تذکرہ چھڑ رہا تھا وہاں بچوں کے بارے میں تفصیل کون لکھتا ہے اور حضرت شہداء علیہ السلام کی محبت و شفقت اپنی ماں کی محبت و شفقت کا حصہ ہی ہوگی۔

حضرت شہداء علیہ السلام غزوہ حنین تک کنایہ کی حالت میں اپنے قبیلہ میں زعمی بسر کرتی رہیں۔ اور حضرت شہداء علیہ السلام کے ننھے حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وہ رفعت و عظمت عطا کی کہ جن دلائل اور کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کی ذاتِ گرامی پر نازاں تھا۔ رمضان ۸ھ میں حضور ﷺ نے مکہ فتح کیا اور شوال ۸ھ میں غزوہ حنین پیش آیا۔ بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے قبیلوں نے طائف کی جاگیروں کے لالچ میں چار ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مکہ پر حملہ کا قصد کیا۔ دوسری طرف سے حضور نبی کریم ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ مکہ سے نکل کر وادی حنین میں اترے۔ ایک خنزیر جنگ کے بعد دشمنوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ امان کے طالب ہوئے۔ حضور رحمۃ اللعالمین نے ان کو معافی دے دی اور تمام قیدیوں کو بھی آزاد کر دیا۔

انہی قیدیوں میں حضرت شہداء علیہ السلام بھی تھیں۔ جب وہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے لائی گئیں تو عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ رسول کریم ﷺ اور شہداء دونوں نے حضرت علیہ السلام کا دودھ پیا تھا۔ چونکہ حضور ﷺ نے انہیں بچپن میں دیکھا تھا اور وہ بھی آپ کو بچپن کے حوالے ہی سے جانتی تھیں اس لئے ان کیلئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیمان دھواں نہیں تھی۔ کیونکہ اس کی ماں کی بارگاہِ آئی اور مختلف مواقع پر انعامات لے کر جاتی رہی۔ پھر حضور رسول اکرم ﷺ کے پیغام اور اسلام کا سلسلہ پھیلا اور اطراف و اکناف میں پھیلتا ہی گیا۔ عرب کا شاید ہی کوئی ایسا گاؤں یا قبیلہ ہوگا جہاں حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر نہ چھڑتا ہو۔ اس لئے حضرت شہداء علیہ السلام تو حضور نبی کریم ﷺ کے نام نامی اسم گرامی سے پوری طرح آگاہ

تھی۔ حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کا کمالِ رحمت ہے کہ حضرت شیماؓ کا حضرت علیہ السلام سے یہ شیماؓ کا حوالہ دیتے ہی پہچان گئے۔ اپنا بچپن نگاہوں میں گھومنے لگا اپنی پہچان کو مکمل طور پر واضح کرنے کیلئے حضرت شیماؓ نے ایک نشانی بتائی۔

نشانی یہ تھی کہ بچپن میں ایک دن حضرت شیماؓ نے حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو کھلا رہی تھیں۔ حضور ﷺ کسی بات پر ناراض ہوئے اور حضرت شیماؓ کے کندھے یا پشت پر اس زور سے کاٹا کہ عمر بھر کیلئے نشان رہ گیا۔ غزوہ حنین کے موقع پر حضرت شیماؓ نے یہی نشان حضور ﷺ کو دکھایا۔

اب حضرت شیماؓ کی پہچان میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنا عہدِ طفلی یاد کر کے ابدیدہ ہو گئے اور اپنی ردائے مبارک زمین پر بچا کر حضرت شیماؓ کو نہایت عزت سے بٹھایا۔ پھر ان سے فرمایا ”بہن! اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت آرام سے رہو اور اگر اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔“

حضرت شیماؓ کی زندگی اپنے قبیلہ میں ہی گزر گئی تھی۔ انہوں نے واپس جانا پسند کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ انہیں اپنے قبیلہ میں واپس بھیج دیا اور جاتی دفعہ کچھ روپیہ ایک بکری، تین غلام اور ایک لونڈی ان کو عنایت فرمائے۔





حضرت اُمّ عاصم رضی اللہ عنہا

تاریخ میں بعض اتفاقات ایسے ہوتے ہیں جو حیرت انگیز نتائج کو جنم دیتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ رات کو اکثر اپنے خادم اسلم کو ساتھ لے کر شہر میں گشت کیا کرتے تھے۔ اس گشت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہو کر ان کے مسائل کو حل کر سکیں۔ ایک رات کو اسی طرح گشت کرتے کرتے تھک گئے تو ایک مکان کی دیوار سے ٹک لگا کر بیٹھ گئے۔ چابک انہوں نے مکان کے اندر سے کسی عورت کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی:

”بیٹی! اٹھو اور اس دودھ میں کچھ پانی ملا دو“۔ اس کے بعد انہوں نے ایک لڑکی کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی۔

اتنی! میں! آپ کا حکم نہیں مان سکتی۔

پھر ایک بوجھیلی عورت کی آواز آئی جو کہہ رہی تھیں کہ اگر اس دودھ میں تم پانی نہیں ملاؤ گی تو ہمارا گزرا کیسے ہوگا۔ تمہارا باپ انتقال کر چکا ہے۔ ہمارا سارا دار و مدار اس گائے کے دودھ پر ہے۔ اس سے ہمارا خرچ بھی چل رہا ہے ایک آدھ درہم روزانہ کی بچت بھی ہو جاتی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ میں دودھ میں پانی ملا دیتی ہوں جو ان آواز پھر سنائی دی ”اماں! کچھ بھی ہو جائے میں دودھ میں پانی نہیں ملاؤں گی“

بڑھیا نے کہا: تمہارا اصرار بے جا ہے، تمہیں دودھ میں پانی ملانا پڑے گا ورنہ ہمارا گزرا کیسے ہوگا؟

لڑکی نے کہا: اماں! کیا رزق حلال سے گزرا نہیں ہو سکتا۔

ماں نے کہا: رزقِ حلال ہماری کہاں کہاں مدد کرے گا۔

بیٹی نے کہا: ماں میں دودھ میں پانی نہیں ملاؤں گی۔ آج ہی امیر المومنین حضرت عمر فاروقِ اعظم ؓ نے منادی کروائی ہے کہ جو دودھ میں پانی ملائے گا اُسے سخت سزا دی جائے گی۔

ماں نے کہا: واہ بیٹی واہ! وہ تو محض ایک منادی تھی۔ ابھی صبح دور ہے کیا امیر المومنین حضرت عمر ؓ یہاں آ کر ہمیں دودھ ملاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

بیٹی نے جراتِ ایمانی سے جواب دیا ”اتی! امیر المومنین حضرت عمر ؓ تو نہیں دیکھ رہے، حضرت عمر ؓ کا خدا تو دیکھ رہا ہے اور خدائے کریم نے قرآن کریم میں ملاوٹ اور دھوکے کی سختی سے مذمت کی ہے اور اسے اسلامی تعلیمات کے سرارِ متافی قرار دیا ہے۔“

پھر ایسا لگا جیسے ماں کو فحشہ آگیا ہو اور اس نے بیٹی کو طمانچہ مارا ہو مگر بیٹی نے کسی صورت بھی پانی ملانے سے انکار کر دیا کہ ہم امیر المومنین حضرت عمر فاروقِ اعظم ؓ کے سامنے تو ان کی اطاعت کا دم بھریں مگر ان کی عدم موجودگی میں ان کے احکام کی خلاف ورزی کریں۔“

حضرت عمر فاروقِ اعظم ؓ ماں بیٹی کی دیوار پار سے گھنگھوٹن کر حیران رہ گئے کہ ایسے عظیم لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی بھی محاسب کی موجودگی کے بغیر خدا سے اس قدر ڈرتے ہیں اور امیر المومنین کے احکام کا اس شدت سے احترام کرتے ہیں۔ ان کے دل میں یہ خیال مچلے لگا کہ یہ لڑکی کسی طور ان کی بہو بن جائے۔ یہ لڑکی انہوں نے دیکھی نہیں تھی لیکن اس نے رزقِ حلال کی پابندی کے حوالے سے کردار کی بلندی کا حیرت انگیز نمونہ پیش کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے غلامِ اسلام کو جو ہمیشہ رات کے گشت میں ان کا ساتھی



ہوا کرتا تھا حکم دیا کہ اس مکان پر نشان لگا دو اور اسے اچھی طرح بچان لو۔

صبح ہوئی تو انہوں نے تمام بیٹوں کو بلایا اور اس لڑکی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں جوان ہوتا تو اس لڑکی سے شادی کر لیتا۔ تم میں سے کون اس سے شادی کیلئے تیار ہے۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کنوارے تھے انہوں نے ادب سے سر جھکا کر باپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

آپ نے اسلم کو اس مکان پر یہ مطلق کرنے کیلئے بھیجا کہ یہ عورتیں کون ہیں؟ اسلم نے واپس آ کر بتایا کہ یہ مکان ایک بیوہ کا ہے اور لڑکی اس کی ناکھانچی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کیلئے اس لڑکی کا رشتہ مانگ لیا۔ اس طرح یہ نیک سیرت خاتون حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیوہ بن گئی۔ اُمّ عاصم اسی خاتون کے ملن سے پیدا ہوئیں اور اسی کی آغوش میں تربیت میں پا کر نہایت بلند اخلاق اور ستودہ صفات خاتون بنیں۔ اُن کی شادی مصر کے گورنر عبدالعزیز بن مردان سے ہوئی جو بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھائی تھے۔

۶۱ھ یا ۶۲ھ میں اُمّ عاصم کے ملن سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ وہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد ۹۹ھ میں مسند خلافت پر بیٹھے اور ایک بار پھر دنیا کو خلافت راشدہ کا دور دکھا دیا۔ انہیں اپنے عدل و انصاف، علم و فضل اور زہد و اتقا کی وجہ سے عمر فاروق ثانی کہا جاتا ہے۔

افسوس کہ اُمّ عاصم کو اپنے فرزند کی خلافت کا زمانہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور وہ اس سے بہت پہلے وفات پا گئیں۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت عبدالعزیز نے ان کی بہن حفصہ بنت عاصم سے نکاح کر لیا۔ لیکن حفصہ اُن اوصاف و خصائل سے متصف نہ تھیں جو اُمّ عاصم کی سیرت و کردار کا خاصہ تھیں۔ چنانچہ حضرت عبدالعزیز کے رشتہ دار



حصہ دیکھتے تھے تو ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ جاتے تھے۔

”لہت حصہ من رجال امر عاصم“

یعنی کاش حصہ بھی اُمّ عاصم جیسی بلند اخلاق ہوتی۔۔۔۔۔ رفتہ رفتہ یہ قول عرب میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

رزقِ حلال کی برکت دیکھئے کہ اس نے کس طرح کچے مکان میں رہنے والی لڑکی کو وقت کے سب سے بڑے سربراہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بہو بنا دیا۔ اُمّ عاصم رضی اللہ عنہا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی اور بنو اُمیہ کے آٹھویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب اپنی جگہ برحق تھا مگر یہ تقدیر کا فیصلہ تھا کہ اس عظیم خاتون سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوں جو عدل و انصاف، سادگی و درویشی، انسانیت نوازی، لطف و کرم اور خواص و عوام سے یکساں سلوک کی بناء پر ”عمر ثانی“ کہلا سکیں۔ اور ان کے زمانہ خلافت میں وہ دور پھر لوٹ آئے کہ رنج و آلام کے ستارے ہوئے انسانوں اور عدل و انصاف سے محروم افراد کے دلوں میں عدل، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہو سکے۔



حضرت اسماء رضی اللہ عنہا

(شہیدِ اسلام حضرت عبداللہ بن زہرہ رضی اللہ عنہ کی سولی پر لٹکی ہوئی لاش دیکھ کر اُن کی عظیم
عابدہ مادرِ محترم حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تاریخ ساز و قریل)

مسد آرائے خلافت جو ہوئے ابنِ زہرہؓ سب نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھائے یکبار
ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا ہے جگ جس کی تقدیر میں تھا مرغانِ حرم کا شکار
حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابنِ زہرہؓ فوجِ بے دین نے کیا کعبہ ملت کا حصار
دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودہ گرد بارشِ سنگ سے اٹھتا تھا جو اڑاؤ کے غبار
جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا ماں کی خدمت میں گئے ابنِ زہرہؓ آخر کار
جا کے عرض کی اے اہلِ حرمِ نبویؐ نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار
صلح کر لوں؟ کہ چلا جاؤں حرم سے باہر یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں تار
بولیں وہ پردہ نشینِ حرم سبزِ عفاف حق پہ گرتے ہیں تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار
یہ زمین ہے وہی قرباں مگر اسماعیلی فدیتے نفس ہے خود دینِ غلیل کا شعار
ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے باہر و نیاز آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوں گا زہار
پہلے ہی حملہ میں دشمن کی اُلت دیں فوجیں جس طرف جات تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطار
تجنیقوں سے برستے تھے جو پھر عظیم ایک پھر نے کیا آ کے سرو زرخ کو فگار
خونِ ٹپکا جو قدم پہ تو کہا ازروِ فقر یہ اودھ ہے کہ ہم ہاشموں کا ہے شعار
زخم کھاکھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک آخر الامر گرے خاک پہ مجرد و نزار
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار
لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن اُن کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
اتفاقات سے اک دن جو ادھر جا لٹکیں دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یکبار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے خطیب

اپنے مرکب سے اُترتا نہیں اب بھی یہ سوار (شہلی نعمانی)



حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا شمار ان خواتینِ اسلام میں ہوتا ہے جن کے لازوال کارناموں اور جرات و عزیمت سے بزمِ ہستی جگمگا رہی ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن تھیں جو ان سے چھوٹی تھیں۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کا ارادہ فرمایا تو رات کے اندھیرے میں گھر سے روانہ ہوئے۔ راستے میں مشکل وقت آیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رفیقِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غارِ ثور میں مقیم ہو گئے۔ ان مشکل ترین حالات میں جو رفقاء حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پوشیدہ مدد فرما رہے تھے ان میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ روزانہ رات کو کھانا لے کر ان کے پاس آتیں اور کھانا کھلا کر چلی جاتیں۔ یہ جان جو کھوں کا کام تھا جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا انجام دے رہی تھیں، کیونکہ کُفّار نے حضور نبی کریم ﷺ کو پکڑوانے کیلئے پیش قیمتی انعامات کا اعلان کر رکھا تھا۔ حضرت اسماء کے بھائی عبداللہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے دن بھر کافروں کے مشورے، آراء، اطلاعات اور صلاح کاریاں سنتے رہتے اور رات کو غار میں پہنچ کر تمام خبریں رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا چرہ داما عامرات کو بکریاں غارِ ثور کے منہ پر لے آتا اور انہیں بقدرِ ضرورت دودھ دے کر چلا جاتا۔ اس طرح حضرت اسماء، عبداللہ، عامر اور بکریوں کے نشانات آپس میں اس طرح مل جاتے کہ کوئی سراغ نہ لگا سکتا۔

حضرت اسماء ہجرتِ نبوی سے ستائیس سال قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔

سیدنا صدیق اکبر ؓ جیسے پاکباز نیک سیرت اور پختہ اخلاق انسان کی محبت میں ہل کر جو ان ہوئیں تو پاکیزگی اور اعلیٰ سیرت ان کے خصوصی اوصاف تھے۔ آپ اس وقت ایمان لائیں جب صرف سترہ افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس طرح "الساہون الاولون" میں ان کا مقام اٹھارواں ہے۔ ان کا تلاح حواری رسول حضرت زبیر ؓ بن العوام سے ہوا جو اصحابِ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ حضرت زبیر سرکارِ دو عالم ﷺ کے پھوپھو بھی زاد بھائی اور حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

جب حضور ﷺ ہجرت کو روانہ ہوئے تو حضرت علی ؓ کو اپنے بستر پر سٹایا اور حضرت صدیق اکبر ؓ اور اسامہ ؓ سے مل کر اپنا سامانِ سفر درست فرمایا۔ حضرت اسامہ ؓ نے دو تین دن کا کھانا تیار کر رکھا تھا۔ اُسے ایک قہیلے میں ڈالا اور ایک مشکیزے میں پانی ڈالا۔ اِشفاق سے قہیلے اور مشکیزے کا منہ باغھنے کیلئے کمر میں کوئی رسی منجھو نہ تھی اور وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ حضرت اسامہ ؓ نے فوراً اپنا کمر بند (بِطاق) کھول کر اُس کے دو کھڑے کئے۔ ایک سے کھانے کے قہیلے کا منہ باغھ اور دوسرے سے مشکیزے کا۔ رحمتِ عالم ﷺ حضرت اسامہ ؓ کی اس خدمت سے بہت خوش ہوئے اور انہیں "ذات البِطاقین" کا لقب عطا فرمایا۔

بعض روایتوں میں اس واقعہ کو ایک دوسری صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ شبِ ہجرت میں حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی معیت میں تنگے سے نکل کر غارِ ثور میں نزولِ اجال فرمایا۔ حضرت اسامہ ؓ اس راز سے آگاہ تھے وہ روزانہ رات کو اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی بکر کے ساتھ خفیہ طور پر غارِ ثور میں تشریف لے جاتے۔ حضور ﷺ اور اپنے والد ماجد ؓ کو تازہ کھانا کھلا کروا پس آتے۔

تیسری رات کے آخری حصے میں عبداللہ بن اُرقط جسے راہنمائی کیلئے مقرر کیا

کیا تھا حسب ہدایت دو اونٹیاں لے کر عابثوڑ پر پہنچ گیا۔ اسی وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی ایک تھیلے میں کھانا ڈال کر آ پہنچیں۔ جلدی میں گھر سے چلتے وقت اس کو باندھنے کیلئے کوئی چیز ساتھ لانے کا خیال نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا طاق (دو رو مال یا کپڑا جو اس زمانے میں عورتیں قمیص کے اوپر کمر پر لپیٹتی تھیں) کھول کر اسے پھاڑا۔ ایک حصے سے زاد راہ کے تھیلے کا منہ باندھ کر ایک اونٹنی کے کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور دوسرا حصہ اپنی کمر پر لپیٹ لیا اسی لئے انہیں ”ذات البطاقین“ کہا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان یہ ہے کہ جب توشہ دان کو باندھنے کیلئے اور کوئی چیز نہ ملی تو میرے والد نے مجھے اپنا طاق پھاڑنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے میرا نام ”ذات البطاقین“ رکھا گیا۔

بعض روایتوں میں ان کا لقب ”ذات القسطی“ بھی بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری (باب الحجۃ) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے بطنی کا ایک ٹکڑا پھاڑا اور اس کو تھیلی کے منہ پر لپیٹا اسی لئے ان کا نام ”ذات البطاق“ پڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ان کی ماں ذات البطاق ہیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ”ذات البطاقین“ بھی کہتے تھے اور ”ذات البطاق“ بھی۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ صمدیہ اکبر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو کئے بھیجا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ اور متعلقین کو مدینہ لے آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن ارقط کو اپنے صاحبزادے عبداللہ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنی والدہ (آمِ رومان) اور بہنوں کو مدینہ لے آئیں۔ چنانچہ



حضرت زید ؓ اور حضرت ابراہیم ؓ 'اُمّ المؤمنین حضرت سہدہ ؓ حضرت فاطمہ الزہراء ؓ 'حضرت اُمّ کلثوم ؓ 'حضرت اُمّ ایمن ؓ (زوجہ حضرت زید ؓ) اور حضرت اسماء ؓ بن زید ؓ کو لے آئے اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر ؓ 'حضرت اُمّ رومان ؓ 'حضرت اسماء ؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماء ؓ نے چند دن بعد اپنے شوہر حضرت زہیر بن العوام ؓ اور خوشدامن حضرت صفیہ ؓ بنت عبدالمطلب کے ساتھ ہجرت کی اور قباہ میں قیام کیا لیکن جہدار باب یر نے یہی روایت کو ترجیح دی ہے۔

مکہ بخاری میں حضرت عروہ بن زہیر ؓ سے روایت ہے کہ ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ پہلے حضرت زہیر ؓ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے تھے۔ حضور ؐ کے سفر ہجرت کے دوران میں وہ شام سے پلٹ رہے تھے۔ راستے میں کسی جگہ رسول اکرم ؐ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے حضور نبی کریم ؐ اور حضرت ابوبکر ؓ (اپنے خسر) کی خدمت میں کچھ سفید کپڑے جھنڈ پیش کئے اور آپ بھی کپڑے زیب تن فرما کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ مکہ واپس پہنچ کر حضرت زہیر ؓ نے بھی ہجرت کی تیاری کی اور اپنی والدہ حضرت صفیہ ؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قباہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور وہیں حضرت اسماء ؓ کو بھی (خاص مدینہ منورہ شہر سے) بلا لیا۔

ہجرت کے بعد اقبال سے عرصہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ اس پر یہود مدینہ نے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کا سلسلہ نسل منقطع کر دیا ہے۔ یہی دن تھے کہ اح میں حضرت اسماء ؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ



بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ گویا ہجرت کے بعد وہ مسلمانوں کے نومولودِ اول تھے۔ مسلمانوں کو حضرت عبداللہ کی ولادت پر بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے فرطِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ یہودی سخت شرمندہ ہوئے کیونکہ ان کے دجل و تلحیس کا پردہ چاک ہو گیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بچے (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) کو گود میں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے بچے کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا، ایک کجور اپنے دہنِ مبارک میں ڈال کر چبائی اور پھر اسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا کر ننھے عبداللہ کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے بچے کیلئے دعائے خیر و برکت مانگی۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے انہی بھانجے کے نام پر اپنی کنیت ”اُمّ عبداللہ“ رکھی تھی۔

مدینہ منورہ (قباء) میں اقامت گزین ہونے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پہلے چند سال بڑی تنگیِ ترشی سے بسر کئے۔ اس زمانے میں ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت مفلس اور تنگ دست تھے اور ان کی ساری متاع لے دے کر ایک گھوڑے اور ایک اونٹ پر مشتمل تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں حُکستانِ بنی نضیر میں کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ شروع شروع میں وہ اس میں کاشت کر کے اپنی معاش کا سامان پیدا کرتے تھے۔ یہ زمین مدینہ منورہ سے تین فرسخ دور تھی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روزانہ وہاں سے کجور کی گھنٹلیاں جمع کر کے لاتیں، انہیں کوٹ کر اونٹ کو کھلاتیں، گھوڑے کیلئے گھاس مہیا کرتیں، پانی بھرتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو پھٹیں۔ ان کاموں کے علاوہ گھر کا دوسرا سب کام بھی خود ہی انجام دیتی تھیں، روٹی اچھی طرح نہیں پکاتی تھیں اس سلسلہ میں مدینہ کی عورتیں بھی ان کی امداد کرتیں اور ان کے محنت کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے وطن مبارک سے حضرت زہیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پانچ صاحبزادے عبداللہ، عروہ، منذر، عامر، مہاجر اور عقیل صاحبزادے تھے۔ عقیل کی ام آمنہ اور عائشہ پیدا ہوئے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بہت متواضع اور منکسر الخواج تھیں۔ محنت و مشقت میں آپ کو کوئی مار نہ تھا۔ چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خود اپنے شوہر حضرت زہیر رضی اللہ عنہ کی بے بھامتی، عجب دقتی، اپنے اہم فرائض، جان و داری کی انجام دہی اور ذمہ داریوں کی داستان اس طرح بیان کرتی ہیں: جب میری شادی حضرت زہیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی اُس وقت اُن کے پاس نہ مال تھا نہ کوئی کلام ہے۔ ہر عجب دست تھے۔ ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا اور میں ہی اُن کی خبر دیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قلعہ نکلستان حضرت زہیر رضی اللہ عنہ کو حلاف فرمایا تھا جس سے تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ وہاں سے روزانہ کجور کی گھٹلیاں جمع کر کے اپنے سر پر اٹھا کر گھر تک لاتی تھی اور پھر خود ہی دلتی اور گھوڑے کو کھلاتی۔ پانی بھرتی، ڈول کھینچتی اور گھر کا حکام ہوتا وہ بھی میں ہی انجام دیتی چونکہ مجھے روٹی پکانی اچھی نہیں آتی تھی اس لئے میں صرف آٹا گوند کر رکھ دیتی تھی میرے گھر کے قریب انصار کی بیویاں رہتی تھیں وہ میری روٹیاں پکا دیا کرتی تھیں۔ ایک روز میں حسب معمول نکلستان سے کجور کی گھٹلیاں اپنے سر پر لا رہی تھی کہ راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی ہم رکابی میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تاکہ میں سوار ہو جاؤں لیکن میری شرم و حیا نے اجازت نہ دی۔ جب آپ کو خیال ہوا کہ شرم کی وجہ سے نہیں بیٹھی تو آپ تشریف لے گئے۔ میں اپنے گھر آئی اور یہ قصہ اپنے شوہر حضرت زہیر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو انہوں نے کہا: خدا جانتا ہے تمہارا سر پر گھٹلیاں لانا میرے لئے اُن کے ساتھ بیٹھنے سے زیادہ سخت ہے۔ پھر کچھ عرصہ کے



بعد مجھے ایک خدمت گار مل گیا جس کی بدولت گھوڑے کی خدمت سے مجھ کو نجات مل گئی اور مصیبتوں سے ایک حد تک چھٹکارا نصیب ہو گیا۔

جب کبھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو دوسرا دورہ ہوتا تو اپنے سر کو ہاتھ سے پکڑ کر کہتیں 'خدا یا! اگرچہ میں بہت گنہگار ہوں لیکن تیری شانِ فخاری بڑی ہے۔ ایک دفعہ اُن کی گردن ورم کر آئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے سلا دیا اور فرمایا: خدا تمہاری اس تکلیف کو دور کرے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کم مانگی اور تنگ دستی کی وجہ سے امورِ خانہ داری میں بہت احتیاط سے کام لیتی تھیں اور ہر چیز کو بقدرِ ضرورت ٹاپ تول کر خرچ کرتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا کہ ٹاپ تول کرنے خرچ کیا کرو ورنہ خدا تعالیٰ بھی اتنا ہی دے گا چنانچہ انہوں نے یہ عادت چھوڑ دی۔

چونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ایک راسخ الاعتقاد مسلمان خاتون تھیں اس لئے مشرکین کی سخت دشمن تھیں۔ ایک مرتبہ اُن کی والدہ کچھ خفے خائف لے کر دیکھنے کو آئیں چونکہ وہ اس وقت مشرک تھیں اس لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اُن کے خفے قبول نہیں کئے اور نہ اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کھلا بھیجا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیجئے کہ میں اس موقع پر کیا کروں اور آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خفے قبول کرو اور اُن کو اپنے گھر میں مہمان رکھو۔ خدا تعالیٰ کا بھی یہی ارشاد ہے جیسا کہ کلام اللہ کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے:

”جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے خدا تعالیٰ تم کو نہیں روکتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تم کو ان ہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے

بارے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گمروں سے نکالا اور تمہارے مخالفین کی مدد کی اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو سمجھا جائے گا کہ یہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرتے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حقے قبول کئے اور والدہ کو اپنے مکان میں قیام کرنے کی اجازت دی۔

بادوجودیکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو جاہ و ثروت اور دولت سے مالا مال ہو گئی تھیں لیکن انہوں نے اسلام کی سادگی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ وہ ہمیشہ موٹا کپڑا پہنتیں، خشک دھوئی سے شکم بڑی کرتیں اور فقیرانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ان کی سادگی کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان کے بیٹے حضرت منذر جب عراق کی لڑائی فتح کر کے واپس آئے تو کچھ دنے کپڑے خوبصورت باریک محض بھی ساتھ لیتے آئے۔ جب اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ کپڑے پیش کئے (ان کی والدہ کی بصارت چارہ سال کی وجہ سے رخصت ہو چکی تھی) اس لئے انہوں نے ہاتھ سے ٹٹول کر اس کی خوبیاں معلوم کیں، بہت غصا ہوئیں اور لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت منذر پھر موٹے کپڑے لائے تو اس کو قبول کیا خوش ہوئیں اور کہا ”بیٹے! مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کر دو۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی میں کئی حج کئے۔ صحیحین میں ہے کہ انہوں نے پہلا حج سرورِ عالم ﷺ کے ساتھ کیا تھا اور اس کی ذرا ذرا تفصیل ان کو یاد تھی۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ایک دفعہ حج کیلئے گئیں اور خروافہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ چاند ڈوبنے کے بعد رمی کیلئے گئیں اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔ غلام نے جو ساتھ تھا کہا: آپ نے بڑی جلدی کی ہے۔ فرمایا: حضور ﷺ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ جب حج من سے گزرتیں تو فرماتیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے



میں یہاں ٹھہرے تھے اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا ہم نے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور زبیر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کیا تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بہت نڈر اور شجاع تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ اپنے شوہر اور فرزند کے ساتھ شام کے میدانِ جہاد میں تشریف لے گئیں اور کئی دوسری خواتین کی طرح یرموک کی ہولناک لڑائی میں جنگی خدمات انجام دیں۔

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں مدینہ منورہ میں بہت بدامنی پھیل گئی اور کثرت سے چوریاں ہونے لگیں۔ اس زمانے میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے سرہانے خنجر رکھ کر سویا کرتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا: آپ ایسا کیوں کرتی ہیں تو جواب دیا کہ اگر کوئی چور یا ڈاکو میرے گھر آئے گا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مجسم پیکرِ اخلاق تھیں۔ ان میں اخلاق و نیک نیتی کا مادہ فطرتاً و دلیعت ہوا تھا۔ انسانوں کی ہمدردی کی طرف بہت مائل تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کو بہت طویل دیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا گھبرا گئیں اور تھک کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں تو ان کے پاس دو عورتیں اور بھی کھڑی تھیں۔ ان میں ایک موٹی دوسری زلیلی اور کمزور تھی ان دونوں کا کھڑا رہنا باعثِ تلی ہوا اپنے خیال کو بدلا اور کہا مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے۔ چنانچہ وہ نماز ختم ہونے تک برابر کھڑی رہیں۔ چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی بہت استقلال سے کام لیا لیکن ضبط نہ کر سکیں فٹس آگیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔

لوگ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بہت معتقد تھے اور بڑی عقیدت مندی سے ملتے تھے۔ ان کے تقدس و عظمت کا عام شہرہ تھا۔ ہر شخص دعائے خیر کا طالب رہتا تھا لوگ

مصیبت کے وقت خصوصیت سے دعا کراتے تھے۔ کبھی کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور وہ دعا کرانے کیلئے آتی تو آپ اس کے سینہ پر پانی چھڑک دیتے اور کہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بخار اس شخص کی گری ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

طویل عرصہ کی ازدواجی زندگی کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ایک افسوسناک واقعہ رونما ہوا یعنی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی۔ مورخین نے طلاق کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں لیکن اصل سبب اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے درمیان بعض خانگی معاملات میں اختلاف کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کچھ درشتی تھی۔ ایک دن کسی بات پر فحشہ میں آ گئے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو زور و کوب کرنا چاہا۔ ان کے بڑے حضرت فرزند عبد اللہ رضی اللہ عنہ اتفاق سے گھر میں موجود تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان سے مدد چاہی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دخل اندازی سے منع کیا اور کہا کہ اگر تم نے اپنی ماں کی حمایت کی تو اسے طلاق ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو گوارا نہ ہوا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے والدہ کو تشدد کا شکار ہوتا دیکھیں آگے بڑھے اور اٹکا بازو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے درمیان ہمیشہ کیلئے علیحدگی ہو گئی اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہ مستقل طور پر فرزند اکبر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے لگیں۔ وہ اپنی والدہ کے بے حد خدمت گزار تھے اور زندگی کے آخری سانس تک ان کے کفیل رہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی فراخ حوصلہ اور نیک دل خاتون تھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے علیحدگی کے بعد وہ انہیں ہمیشہ عزت و احترام سے یاد کرتی تھیں اور ان کی خوبیوں کی طرح توصیف کیا کرتی تھیں۔



آسودہ حالی کے بعد بھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی سادہ وضع ترک نہ کی، ہمیشہ روکھی نوکھی روٹی سے شکم بڑی کرتیں اور سونا چھوٹا کپڑا پہنتیں، البتہ اپنی دولت کو خیرات کے کاموں میں بے دریغ صرف کرتی تھیں۔ جب کبھی بیمار ہوتیں تمام غلاموں کو آزاد کر دیتیں۔ اپنے بچوں کو ہمیشہ ہدایت کیا کرتی تھیں کہ مال جمع کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ حاجت مندوں کی امداد کیلئے ہوتا ہے۔ اگر تم بخل کرو گے تو اللہ بھی تمہیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا، ہاں جو صدقہ کرو گے اور راہِ خدا میں خرچ کرو گے وہ تمہارے کام آئے گا کہ اس ذخیرہ کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے زیادہ بخشنی اور کریم النفس کسی کو نہیں دیکھا۔ فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ذرا ذرا جو رکھ کر جمع کرتی تھیں، جب کچھ رقم جمع ہو جاتی تھی تو سب کی سب راہِ خدا میں لٹا دیتی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جو کچھ پاتی تھیں اسی وقت تقسیم کر دیتی تھیں۔

سرورِ کونین رضی اللہ عنہا کا ایک جہّہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں تھا، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ جہّہ مبارک حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اسے سر آنگھوں پر رکھا اور جب تک زمرہ رہیں اسے اپنی جان کے ساتھ رکھا۔ اگر کبھی گھر میں کوئی علیل ہو جاتا تو اس جہّہ مبارک کو دھو کر اس کا پانی مریض کو پلا دیتی تھیں، اسکی برکت سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔ خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو کبھی دردِ سر ہوتا تو اپنے سر کو ہاتھ میں پکڑ کر کہتیں:

”اٰلِہی اگرچہ میں بہت خطاکار ہوں لیکن تیری رحمت اور فضل بے پایاں ہے“

اللہ تعالیٰ انہیں آرام دے دیتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب سن ۶۶ھ میں عراق عرب کے خلیفہ ہوئے تو یہ دو وقت تھا جب سلطنت بنو امیہ کا فرمانروا (یزید) اسلام میں فریق و تجوز پھیلانے پر علاء تھا اور یزید و فساد ہر جگہ رونما ہو رہا تھا۔ صد ہا لوگ اس گم کردہ راہ کی بیعت قبول کر رہے تھے لیکن آپ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا اور مکہ کو اپنا ماویٰ و جلا بنا کر وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی۔ چونکہ ہر شخص آپ کی حکمت و شوکت، جلالت حق کوئی اور سلامت روی کا متعرف تھا۔ اس لئے سب نے آپ کی دعوت خلافت پر لبیک کہی اور جوق در جوق حلقہ بخش ارادت ہونے لگے۔ بعد میں جب عبدالملک بن مروان نے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو عبدالملک بن مروان کے وزیر حجاج نے آپ سے مقابلہ کا ارادہ کیا اور کم ذی الحجہ ۷۲ھ کو مکہ کا محاصرہ کر لیا اور رسد بند کر دی۔ چھ مہینہ تک براہم لڑائی جاری رہی لیکن جب حضرت عبداللہ کے معین و مددگار محاصرہ کی سنگسوں سے بھاگ نکلے اور تھوڑے آدمی رہ گئے تو آپ اپنی والدہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور عرض کیا: یا انی! اوقاداریوں کی بے وفائی اور باقی ماندگان کی بے مبری سے میں پریشان ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں کہ اگر آپ کی رائے ہو تو اطاعت قبول کر لوں کیونکہ اس ضرورت میں ممکن ہے کہ حجاج اور اس کے ہمراہیوں سے جو کچھ چاہوں وہی ہو جائے (چونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بہت ولیہ و لیرِ راسخ الاعتقاد و اور جانثار اسلام و فدائے ملت تھیں) آپ نے جواب دیا: اے فرزند! تم اپنی مصلحت خوب سمجھ سکتے ہو۔

حجاج نے محاصرے میں ایسی سختی برتی کہ مکہ میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے بیت اللہ کی عزت و حرمت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور جبل بوقیس پر منجھتیں نصب کر کے مکہ معظمہ پر گولہ باری کرنے لگا۔ گولے خانہ کعبہ سے بھی ٹکراتے



رہے۔ حجاج بن یوسف کا لشکر بہت بڑا تھا۔ اسے بیرونی کمک بھی حاصل تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کئی کے چند مجاہد رہ گئے اور والدہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”اماں جان! میرے ساتھیوں نے بے وفائی کی ہے اب سوائے چند جاں نثاروں کے کوئی بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر ہتھیار ڈال دوں تو ہو سکتا ہے کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو امان مل جائے۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

”اے میرے فرزند! اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر زتبہ شہادت پر فائز ہو جاؤ اور کسی قسم کی ذلت برداشت نہ کرو اور اگر یہ تمہارا کھکھیر دنیا طلبی کیلئے تھا تو تم سے برا کوئی شخص نہیں جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔“

ایک اور روایت میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

”بیٹا! قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے۔ خدا کی قسم عزت کے ساتھ کھوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔“

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”اماں جان! میں حق و صداقت

کیلئے لڑا اور حق و صداقت کیلئے ساتھیوں کو لڑایا۔ اب آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کی بیوفائی کے سبب

دشمنوں سے دُوب جانا شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں۔“

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”اماں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا صرف یہ خیال ہے کہ میری موت کے بعد دشمن میری لاش کا مسئلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے جس سے آپ کو رنج ہوگا“
حضرت صدیق اکبر ؓ کی جلیل القدر بیٹی نے فرمایا:

”بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے کٹوے کئے جائیں اُسے کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جاؤ راضی میں لوگو! اس سے قید ہو کر اہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے موت کے خوف سے غلامی کی ذلت کبھی قحط نہ کرنا۔“

اپنی عظیم ماں کے حوصلہ افزاء کلمات سُن کر حضرت ابن زبیر ؓ پر رقت طاری ہو گئی اور فرط محبت و عقیدت سے انہوں نے اپنی والدہ کا سر خچم لیا۔ پھر عرض کیا:
”اماں جان! میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راضی میں مردانہ وار لڑ کر جان دے دوں لیکن آپ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا تا کہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج و غم نہ کریں۔ الحمد للہ کہ میں نے آپکا اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم اور راضی ہر ضا پایا۔ آپ کی باتوں نے میرا ایمان تازہ کر دیا ہے۔ آج میں ضرور قتل ہو جاؤں گا مجھے یقین ہے کہ میرے قتل کے بعد بھی آپ مبر و شکر سے کام لیں گی۔“

حضرت اسماء ؓ نے فرمایا: اے فرزند! مجھے اُمید ہے کہ میرا مہر تیرے حق میں ایک عظیم العظیم مہر ہوگا، اگر تو میرے سامنے ہلاک ہوا تو میرے اجر کا باعث ہوگا اور اگر تو غالب و فتح یاب ہوا تو میرے لئے وجہ مسرت و شکر گزاری۔ اب بسم اللہ آگے بڑھو اور سال کا ردیکھو۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ ؓ نے اپنی والدہ ماجدہ سے دعائے خیر کی التجاء کی اور زہد بہن کر ماں کو آخری صورت دکھانے آئے۔ حضرت اسماء ؓ (آپ کی نظر کمزور ہو گئی تھی) جب رخصت کرنے کیلئے حضرت عبداللہ ؓ کو گلے



لگانے لگیں تو ہاتھ میں زرہ محسوس ہوئی، پولیس ”عبداللہ! جو لوگ شہادت کے مشتاق ہوتے ہیں وہ زرہ و جوش بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔“ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ”میں نے آپ کے اطمینان کیلئے یہی ہے۔“ فرمایا ”مجھے زرہ سے اطمینان نہ ہوگا، واسن کمر سے باندھو اور حملہ کر دو۔“ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا اور رجز یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور آخر کار شہید ہوئے۔

شہادت کے بعد حجاج نے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی نعش حجون پر لٹکا دی۔ تین دن گزرنے کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی کینز کے ساتھ آئیں تو دیکھا کہ لاش الٹی لٹکی ہوئی ہے۔ یہ دروناک نظارہ دیکھا اور نہایت صبر و استقلال سے کام لے کر فرمایا ”کیا ابھی وہ دقت نہیں آیا کہ یہ شہسوار اسلام و فدائے ملت گھوڑے پر سے اترے؟“

راست گوئی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا خاص شعار تھا، چنانچہ حجاج بن یوسف ایسے ظالم و جفا کار کے سامنے بھی آپ نے راست گوئی کو ترک نہیں کیا اور نہایت دندانِ حسنِ جواب دیئے۔ جب حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد حجاج حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا ”تمہارے لڑکے عبداللہ نے خدا کے گھر میں بے وائی الحاد پھیلا یا تھا“ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک شدید عذاب نازل کیا۔“ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ”تو جھوٹا ہے، میرا لڑکا کلمہ نہ تھا، بڑا صائم، شب بیدار، پرہیزگار، عبادت گزار اور ماں باپ کا فرمانبردار لڑکا تھا، مگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے کہ قبیلہ ثقیف سے دو آدمی پیدا ہوں گے جن میں سے پہلا دوسرے سے بدتر ہوگا، سوا ایک کذاب (یعنی ثقیفی) کو تو میں دیکھ چکی اور دوسرا ظالم جس کو میں اب دیکھ رہی ہوں، تو ہے حجاج آپ کے اس تلخ جواب سے جل گیا اور بیچ تاب کھا کر خاموش رہا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ

کی لاش کو مقامِ حق پر سُولی پر اٹھایا جائے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حجاج بن یوسف کو
 لعن طعن کی توبہ دلا کر میں لوگوں کو ہر ت دلا دیا جاتا ہوں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پھر کہا:
 لاش مجھے دے دے مگر حجاج نے انکار کر دیا۔ اس دوران میں حضرت عبداللہ بن عمر کا
 ادھر سے گزرنے والا انہوں نے کہا:

”یا ایہ نصیب اثم پر اسلام طے۔ تم روزے رکھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے عشاء
 سزا دیتے تھے اور تقویٰ میں بہت سادوں سے آگے تھے کاش اس کاریبایت میں نہ
 آئے ہو۔“

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے شیر دل بیٹے کی شہادت کے
 تیرے بیٹے کی شہادت گاہ تک ایک کثیر کے سہارے آئیں تو اپنی آنکھوں کے پچے
 نوپاٹھا کر سُولی پر اٹھائے لگے ہوئے حجاج انکی حجاج فرزندِ شہید کو دیکھا تو فرمایا:
 ”کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ شہادہ حرمِ محوڑے سے اترے۔“

اس کے بعد حجاج کو اپنے فعل پر بہت شرم دلائی جس پر اس نے حضرت عبد
 اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش اُن کے پیرو کرنے کا حکم دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب خلیفہ عبدالملک بن مروان کو معلوم ہوا کہ حجاج
 نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اُن کی لاش کو حون پر اٹھایا دیا ہے تو اس
 نے حجاج کو ایک سخت خط لکھا اور حکم دیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش فوراً اُن کی والدہ
 کے حوالے کر دی جائے۔ چنانچہ شہادت کے چند دن بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش
 انکی والدہ کو مل گئی۔ لاش کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا۔ حضرت اسماء بنتِ حضرت صدیق
 اکبر (والدہ عبداللہ بن زبیر) نے اپنے سعادت مند شہید بیٹے کی کٹی پٹی لاش کو نہایت
 مہر کے ساتھ جنازہ کے بعد پُرد خاک کر دیا۔



آپ کے پانچ بیٹوں میں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے تاریخ میں لازوال شہرت حاصل کی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا علم و فضل کے اعتبار سے بھی بڑا اونچا ورجہ رکھتی تھیں۔ اُن سے چھپن احادیث مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر عباد و عامر پران، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عروہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن کیسان رضی اللہ عنہ، حضرت قاطمہ بنت منذر بن زبیر رضی اللہ عنہا، حضرت محمد بن منکدر، حضرت ابن ابی ملیکہ، حضرت وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ، حضرت مطلب بن حطب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوفول ابن ابوعقرب رضی اللہ عنہ، حضرت مسلم معری رضی اللہ عنہ، حضرت صفیہ بنت شیبہ اور حضرت عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شامل ہیں

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خدائے لایزال کی بارگاہ میں دُعا مانگا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی فحش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی حیاتِ مستعار کے سو سال پورے کر کے جمادی الاول ۷۳ھ میں بمقام مکہ معظمہ انتقال کیا۔

اُدھر شوہر کی وفات اور ادھر سخت جگر ٹوڑ نظر حضرت عبداللہ کی شہادت یہ دونوں واقعے قیامت سے کم نہ تھے لیکن مرجح ہے کہ باوجود ان سخت واقعات کے جس عزم و استقلال اور صبر و شکر سے کام لیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر سو برس کے لگ بھگ تھی لیکن سارے وراثت سلامت تھے۔ ہوش و حواس بالکل دُرست تھے قد و راز اور فربہ تھا۔ حجاج سے کبھی بھی عاجزانہ مُنکلو نہیں کی بلکہ اس سے جب بھی خطاب کیا وہ شہنشاہِ موزوں جواب ہی نہ دے سکا۔ آخر وہ اس شیر دل اور حوصلہ مند خاتون کو کیا جواب

حلال تھا جس نے میدانِ شہادت میں جانے والے اپنے بیٹے کے جسم سے زرہ اس لئے اتروالی تھی کہ شہید کو دلوں سے کیا ڈر؟ اور شہادت کے بعد جو کچھ ہوتا اُس سے کیا خطرہ؟ وہ شہید ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ آخر وقت میں آپ کی بیٹائی ذہل ہو گئی تھی۔ اور آپ بیٹے کی لاش کو ٹٹول ٹٹول کر اُس کے جسم کی صورتِ حال کو محسوس کر رہی تھیں یا پتہ چھوچھو کر اندازہ لگا رہی تھیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بیٹائی بہت کمزور ہو گئی تھی اور آپ آنکھوں کے پائے ہاتھوں سے اُوپر اٹھا کر ٹٹول سے دیکھا کرتی تھیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیوی تھی اور فیاض تھیں۔ اس وقت بھی جب مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد اُن کا ہاتھ ٹھک تھا اور اس وقت بھی جب خُصّانے زرہ مال سے خوب لو لڑا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام (آپ کے شوہر) کی طبیعتِ دراختِ حق تھی مگر آپ ان کا خیال بھی رکھیں اور سعادت میں کمی بھی نہ آنے دیتیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ترکے میں ایک جائیداد پائی تھی۔ اُس کو انہوں نے ایک لاکھ درہم پر فروخت کر دیا اور ساری رقم قاسم بن محمد اور ابن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ کو (حجامان کے قربات دار تھے) دے دی کیونکہ وہ حاجت مند تھے۔ (یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کا ہے)

بلوچوں کا شہادہ دہی اور فیاضی کے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے گمبار کی حفاظت انتہائی دیانت داری سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری میں ایک سوداگر آیا اور اُن کے دروازے پر کھڑے ہو کر التجا کی کہ اپنے گھر کی دیوار کے سایہ میں مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجئے۔ بولیں

”اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر الٹا کر دیں تو بڑی مشکل بن جائے گی“



تم زہیر کی موجودگی میں آکر اجازت طلب کرنا۔“

حضرت زہیر رحمۃ اللہ علیہ گھر تشریف لائے تو سوداگر پھر آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر درخواست کی:

”اُمّ عبد اللہ میں مسکین آدی ہوں، آپ کی دیوار کے سائے میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں، اجازت مرحمت فرمائیں۔“

بولیں ”میرے گھر کے سوا جہیں مدینہ میں اور کوئی گھر نہ ملا؟“

حضرت زہیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک مسکین کو بیع و شراء سے روکتی ہو؟“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اُسے فوراً اجازت دے دی کیونکہ اُن کا دلی منشاء بھی یہی تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا دستِ سخاوت بے حد کشادہ تھا لیکن حضرت زہیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں ذرا سختی تھی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

”یا رسول اللہ! کیا میں شوہر کے مال سے اُن کی اجازت کے بغیر قیسوں مسکینوں کو کچھ دے سکتی ہوں؟“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں دے سکتی ہو“

ایک مرتبہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ارشادِ نبوی کی تعمیل کی۔ صحابیات نے اپنے زیور تک اتار کر دے دیئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لوٹری تھی، انہوں نے اُسے فروخت کر دیا اور روپیہ لے کر بیٹھ گئیں۔ جب حضرت زہیر رحمۃ اللہ علیہ گھر تشریف لائے تو انہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے دو روپیہ مانگا۔

انہوں نے فرمایا ”میں نے صدقہ کر دیا ہے“

حضرت زہد رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے کیونکہ اللہ اور رسول کی خوشنودی کے وہ بھی طالب تھے۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیعتِ حدیبیہ اکبر ہر لحاظ سے ایک کامل خاتون تھیں۔ انہوں نے اسلام کی خاطر کبھی بھی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے دوران میں ان کا کردار بڑا اہم خود قابلِ فخر ہے۔ سخاوت، صلہ رحمی، محبت و شفقت، غریب پروری، فخراء کی امداد، غلاموں کو آزاد کرنا، مسکینوں کے کام آنا، دوسرے کے ذکر و درد کو بانٹنا ان کا خصوصی عمل تھا۔ اس لئے اصحابِ تاریخ نے آپ کے حالات میں تفصیلات کے ساتھ بہت کچھ لکھا ہے۔ خاص طور سے آپ کے شیر دل فرزند حضرت عبداللہ بن زہرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور آپ کا صبر و استقامت تاریخ کا حصہ ہیں کہ کوئی ماں اس قدر بھی دلیر ہو سکتی ہے اس شان سے بھی اپنے بیٹے کو سفرِ شہادت پر روانہ کر سکتی۔ پھر آپ کا تاج بن یوسف جیسے عالمِ سخاک اور شفیقِ اقلبِ گورز کو اس ایمانی جلال کے ساتھ بار بار لٹکانا ہمیشہ الٰہی شوق کو نیا حوصلہ عطا کرتا رہا۔

سیدہ اسماءؓ کو تسلیم و رضا کا نور تھی
 تیری ذاتِ پاک تو حقِ چراغِ طور تھی
 حوصلہ مندی کی مظہرِ شانِ تسلیم و رضا
 بادۂ تعلیمِ اسلامی سے تو عمودِ تھی



حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا

شوکت افکار دیں وہ پاک دل خاتون تھی
 اس کے جان و دل پہ اس خاطر تھی چمائی تازی
 عمر اپنی کی ہر یاد خدائے پاک میں
 اس لئے ہی اس پہ خالق کی عطائے خاص تھی
 سرگردو اولیاء تھی سرفراز زندگی
 ختم اس کی ذات پہ تھی ادائے بندگی
 ہر گھڑی ہر آن ہر لمحہ فائدے دین حق
 اس کی ہر ایک سوچ کا محور خدا کی ذات تھی
 اس کا کردار حسین تھا رہبر راہِ عمل
 اور تھی گفتار پاک اس کی پیام آگمی
 اے رضا وہ رابعہ تھی شوکت فکر و عمل
 اک پیام نور ایمانی تھی اس کی آگمی

(محمد اکرم رضا)

بے مثال عابد

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا

حضرت رابعہ بصریہ کا شمار اچھائی عبادت گزار اور عابد و زاہد خواتین میں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی کے حالات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہی احساس ہونے لگتا ہے کہ خدا کی اس نیک بندی نے اپنے آپ کو خدا کے لئے وقف کر دیا تھا۔ آپ کے زمانے میں بڑے پائے کے اولیاءِ کاملہ اور مشائخ تھے مگر سب آپ کو خدا شناسی اور تصوف کے لحاظ سے اپنے سے برتر مانتے تھے۔ ممتاز عظیم روحانی شخصیت حضرت خولجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار آپ کے معاصرین میں ہوتا ہے مگر وہ بھی آپ کے اقوال کو غور سے سنتے اور آپ کے روحانی مقام و مرتبہ کا اعتراف کرتے تھے۔ حضرت رابعہ بصریہ بھی خولجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے اپنی مجالس میں آجانے پر خوشی کا اظہار کرتیں اور آپ کو بڑا اونچا مقام دیتی تھیں۔ حضرت رابعہ بصریہ کی زندگی کے قلیب و فراز و کچ کر بجا طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ عظیم خاتون اس مقام و مرتبہ تک یونہی نہیں پہنچی تھی اور اس کی اس درجہ مقبولیت میں حد درجہ عبادت و ریاضت کا دخل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خداوندِ عالم اپنے نیک بندوں میں بلا کی جاویدت اور غضب کی کشش پیدا کر دیتا ہے جس سے ایک زمانہ ان کے قدموں کی جانب کھینچا جاتا ہے۔ یہی وہ ذاتِ وحق ہیں جنہیں خدا کی ذات میں گم ہو کر جاتی ہے۔ حلیم و رضا ان کا شیوہ اور راہِ حق میں استقامت ان کا سرمایہ ہوتا ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد نہایت نیک نفس اور برگزیدہ شخصیت تھے۔



پیدائش وجہ تسمیہ:

ولادت کی شب آپ کے والد کے یہاں نہ تو اتنا تیل تھا جس سے ناف کی مالش کی جاتی اور نہ اتنا کپڑا تھا جس میں آپ کو لپیٹا جاسکتا۔ حتیٰ کہ بد حالی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں چراغ تک نہ تھا اور چونکہ آپ اپنی تین بہنوں کے بعد تولد ہوئیں اسی مناسبت سے آپ کا نام رابعہ رکھا گیا۔ آپ کی والدہ نے آپ کے والد سے کہا کہ پڑوس میں سے تھوڑا سا تیل مانگ لاؤ تاکہ گھر میں روشنی ہو جائے تو آپ شدید اصرار پر مصائبہ کے دروازے پر صرف ہاتھ رکھ کر گھر میں آگئے اور کہہ دیا کہ وہ دروازہ نہیں کھولتا، کیونکہ آپ یہ عہد کر چکے تھے کہ خدا کے سوا کسی سے کچھ طلب نہ کروں گا۔ اسی پریشانی میں نیند آگئی، تو خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے تیل و توشی دیتے ہوئے فرمایا کہ

تیری یہ بچی بہت ہی مقبولیت حاصل کرے گی اور اس کی شفاعت سے میری امت کے ایک ہزار افراد بخش دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ والئی بصرہ کے پاس ایک کانڈ پر یہ تحریر لکھ کے لے جاؤ کہ تو ہر روز ایک سو مرتبہ مجھ پر درود بھیجتا ہے اور شب جمعہ میں چار سو مرتبہ لیکن آج جمعہ کی جو رات گزری ہے اس میں تو درود بھیجنا بھول گیا لہذا بطور کفارہ حامل ہذا کو چار سو درود دے دے۔ صبح کو بیدار ہو کر آپ بہت روئے اور خط تحریر کر کے دربان کے ذریعہ والئی بصرہ کے پاس بھیج دیا۔ اس نے مکتوب پڑھتے ہی حکم دیا کہ حضور اکرم ﷺ کی یاد آوری کے شکرانے میں دس ہزار درہم تو فقراء میں تقسیم کر دو اور چار سو درہم اس شخص کو دے دو۔ اس کے بعد والئی بصرہ تعظیماً خود آپ سے ملاقات کرنے پہنچے اور عرض کیا کہ جب بھی آپ کو کسی

چیز کی ضرورت ہوا کرے مجھے مطلع فرمایا کریں چنانچہ انہوں نے چار سو روپے لے کر ضرورت کا کام سامان خریدا۔

حضرت حاجی مہری نے جب ہوش سنبھالا تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور کچھ سال کی وجہ سے آپ کی تینوں بیٹنوں بھی آپ سے جدا ہو کر نہ جانے کہاں مقیم ہو گئیں آپ بھی ایک سرتکڑی میں ایک کالم نے پکڑ کر بدلتی آپ کا پانی کینہ دیا اور کچھ دنوں کے بعد بہت ہی گلیلہ قم میں فروخت کر دیا جہاں شخص نے اپنے گھرا کر بے حد شغف آمیز کا آپ سے لینے شروع کر دیے ایک مرتبہ آپ کہیں جا رہی تھیں کہ کسی ہجرم کٹاپنے سامنے دیکھ کر اسے نہہ سے گریں کہ ہاتھ لٹ گیا اس وقت آپ نے سر ہنجور کو عرض کیا کہ بلاؤ میں بے پرواہ ہو چلی تھی اب ہاتھ بھی ٹوٹ چکا ہے اس کے بعد جو میں تیری مٹا چاہتی تھی۔ چنانچہ مٹانے لگی اُنکی کا سے بعد وہ لگسکتی ہوئی کل تجھے صبر جماد ملے گا کہ مغرب تک بھی تجھ پر رشک کریں گے یہ سن کر آپ خوش فضا بن چناک کے یہاں پہنچ گئیں آپ کا معمول ہوا کہ دن میں عصر کے بعد ملت بھر جلالت میں صرف کر دیتی ایک شب جب آپ کے مالک کی آنکھ کھلی تو اس نے حیرت سے چاندل طرف دیکھا اس وقت ایک گوشہ میں آپ کو سر ہنجور دپایا اور ایک سٹیل نور آپ کے سر پر فرضا دیکھا جب کہ آپ اٹھ تھلی سے عرض کر دی تھیں کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو بدلت تیری جلالت میں گدا مودی لگوں چٹکوتے نے مجھے فیہ کا غلام ٹھہرایا جس نے تیری بدلت میں میرے حاضر ہی ہوئی ہے یہ سن کر آپ کا تہ بہت پریشان ہو گیا یہ یہ ہر کر لیا کہ مجھے اپنی خدمت لینے کے لئے اتنی ہی خدمت کرتا ہے چنانچہ مجھ کو تیری پکڑ کر کے ساتھ لے کر آپ سے قیام فرمایا۔

تو میرے لئے باعث سعادت ہے ویسے اگر آپ کہیں اور جانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ یہ سن کر آپ حجرے سے باہر نکل آئیں اور ذکر و شغل میں مشغول ہو گئیں۔ آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتی تھیں اور گاہے گاہے حضرت حسن بصری کے وعظ میں شریک ہوتیں۔

جس وقت سفر حج پر روانہ ہوئیں تو آپ کا ذاتی گدھا بہت نحیف تھا اور جب آپ سامان لا کر روانہ ہو چکیں تو راستہ ہی میں مر گیا۔ یہ دیکھ کر اہل قافلہ نے عرض کیا کہ آپ کا سامان ہم اٹھالیں گے لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے بھروسے پر سفر نہیں کیا ہے۔ یہ سن کر اہل قافلہ آپ کو وہیں تنہا چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ اس وقت آپ نے بارگاہ الہی میں عرض کی کہ ایک نادار و عاجز کے ساتھ کیا یہی سلوک کیا جاتا ہے کہ پہلے تو اپنے گھر کی جانب مدعو کیا پھر راستے میں میرے گدھے کو مار ڈالا اور مجھ کو جنگل میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ ابھی آپ کا حکوہ ختم بھی نہ ہو پایا تھا کہ گدھے میں جان آگئی اور آپ اس پر سامان لا کر عازم مکہ ہو گئیں۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ عرصہ دراز کے بعد میں نے اس گدھے کو مکہ معظمہ کے بازار میں فروخت ہوتے خود دیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے اس کی عمر طویل ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے حسن کعبہ سے زیادہ جمال خداوندی کے دیدار کی تمنا ہے۔

توکل اور تسلیم درضا اولیاء کرام کا خاصہ ہوتا ہے۔ آپ کے پاس ایک دفعہ دو درویش تشریف لائے اور کھانے کے لئے کہا۔ اس وقت گھر میں صرف دو روٹیاں تھیں آپ نے دونوں روٹیاں دسترخوان پر رکھوا دیں۔ اسی وقت دروازے پر ایک فقیر آگیا آپ نے اس فقیر کو زیادہ مستحق سمجھا اور روٹیاں اسے دے دیں اور خود مہمانوں کے ساتھ



خدا کی طرف سے روٹیوں کا انتظار کرنے لگیں۔ مہمانِ درویش کے قلمی کے جواب میں آپ نے فرمایا خدا کا وعدہ ایسا ہونے میں کبھی دیر نہیں لگی اسی وقت کثیر اٹھارہ روٹیاں لے کر آئی۔ آپ نے اس سے فرمایا یہ خوانِ ہمارے لیے نہیں ہے اس کو واپس لے جاؤ۔ کثیر نے عرض کیا یہ خوان آپ ہی کے لئے ہے لیکن آپ نے اپنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ جس کا ہے اسی تک پہنچاؤ۔ کثیر اصرار کرتی رہی اور مہمانِ درویش بھی بھڑکتے تھے کہ اس خوان کو قبول کر لینا چاہیے مگر اس دلیہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ کثیر واپس گئی اور مالکہ سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ مالکہ شرمندہ ہوئی اور کہا کہ رابعہ نے بالکل درست فرمایا ہے اور خوان میں دو روٹیوں کا اضافہ کر کے دوبارہ ان کی خدمت میں بھیجا۔ اس مرتبہ شمار کرنے پر آپ نے خوان قبول فرمایا کہ یہ واقعی ہمارے لئے ہے آپ کو اس بات پر یقین کامل تھا کہ خدا تعالیٰ ایک کے بدلے میں دس دینے کا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا آپ نے دو روٹیاں سائل کو دی تھیں اس لیے جب تک اللہ نے میں روٹیاں نہ دیں آپ نے خوان قبول نہ فرمایا اس قسم کی کامل ایمان کی دولت خدا ان کو ہی عطا کرتا ہے جہاں کے مقرب و محبوب بندے ہوتے ہیں۔

ایک روز آپ نے کئی پیچ سے کچھ نہیں کھایا اور جب خادمہ کھانا تیار کرنے لگی تو گھر میں بیاز نہیں تھی۔ اس نے آپ سے پڑوس میں سے بیاز مانگ لانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ میں تو برسوں سے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کئے ہوئے ہوں کہ تیرے سوا کبھی کسی سے کچھ طلب نہ کروں گی لہذا اگر بیاز نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں۔ ابھی آپ کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک پرندہ اپنی چونچ میں چھلی ہوئی بیاز لیے ہوئے آیا اور ہانڈی میں ڈال کر اڑ گیا مگر آپ نے اس کو فریب شیطان تصور

کرتے ہوئے بغیر سالن کے صرف خشک روٹی کھالی۔

ایک روز آپ ایک پہاڑی پر تشریف لے گئیں اور تمام صحرائی جانور آپ کے گرد جمع ہو گئے اسی وقت خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے تو وہ تمام جانور فرار ہو گئے۔ حضرت خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ نے حیرت زدہ ہو کر آپ سے سوال کیا کہ یہ تمام جانور مجھے دیکھتے ہی فرار کیوں ہو گئے؟ حضرت رابعہ بھری نے پوچھا کہ آج آپ نے کیا کھایا ہے تو انہوں نے کہا کہ گوشت روٹی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ جب تم ان کا گوشت کھاؤ گے تو پھر یہ تم سے کیونکر مانوس ہو سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ حضرت حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر پہنچیں تو اس وقت وہ مکان کی چھت پر اس درجہ معروف گریہ تھے کہ اشکوں کا پر نالا بہہ نکلا۔ حضرت رابعہ بھری نے کہا کہ اگر آپ کی یہ گریہ و زاری فریب کا راند ہے تو اسے بند کر دتا کہ آپ کے باطن میں ایسا بحر بیکراں موجزن ہو جائے کہ اگر اس کی پہنائیوں میں اپنے قلب کو تلاش کرنا چاہو تو نہ مل سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسا کر دینے میں قدرت کامل حاصل ہے۔ آپ کی یہ باتیں گو حضرت حسن بھری کے لئے بار خاطر ثابت ہوئیں لیکن آپ نے خاموشی اختیار کر لی اور ایک روز جب حضرت رابعہ بھری رحمۃ اللہ علیہ ساحل فرات پر موجود تھیں تو اچانک حضرت حسن بھری بھی وہاں پہنچ گئے اور پانی پر مٹلے بچھا کر فرمایا کہ آئیے ہم دونوں نماز ادا کریں۔ لیکن حضرت رابعہ بھری نے جواب دیا کہ اگر یہ مخلوق کے دکھاوے کیلئے ہے تو بہت اچھا ہے کیونکہ دوسرے لوگ ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ کہہ کر رابعہ بھری نے اپنا مٹلے ہوا کے دوش پر بچھا کر فرمایا کہ آؤ حسن یہاں نماز ادا کرو

ایک مرتبہ ایک ڈاکو آپ کے گھر آیا اس کا خیال تھا کہ یہاں بڑے بڑے
 امراء اور رؤساء آتے ہیں لہذا یہاں ضروری ہیرے و جواہرات ہوں گے مگر گھر کا کونا
 کونا چھاننے کے باوجود اس کو کچھ نہ ملا۔ وہ واپس جا رہا تھا کہ اس کو حضرت رابعہ بھری
 نے روکا۔ انھوں نے سوال کیا کہ کیا تم چھوڑا؟ انھوں نے قصے میں جواب دیا کہ ہاں
 آپ نے فرمایا کہ تو یہاں سے خالی ہاتھ مت جا۔ وہ بولا یہاں کیا رکھا ہے جو میں لے
 جاؤں۔ میں تو ہیرے جواہرات کو لوٹنے والا ہوں اور وہ سب کچھ یہاں نہیں ہے
 آپ مسکرائیں اور فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز میرے حجرے میں ادا کرو
 یہاں سے تمہیں اتنا مال ملے گا کہ ساری زندگی نہیں ملا ہوگا۔ چھوڑنے لالچ میں آ کر
 وضو کر کے نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ ادھر حضرت رابعہ بھری نے دعا کرنا شروع کر دی
 کہ چھوڑ میرے دوازے پر آیا تھا اسے کچھ نہیں ملا۔ میں اسے تیرے در پہ لے آئی
 ہوں۔ ادھر چھوڑ کو اتنا سرور ملا کہ اس نے دو رکعت پڑھنے کے بعد حریدہ دو رکعت
 پڑھیں پھر دو رکعت حریدہ پڑھیں حتیٰ کہ وہ ساری رات عبادت میں مشغول رہا۔ صبح
 حضرت رابعہ بھری نے دیکھا کہ وہ سر ہنجو دو کر گریہ و زاری کر رہا تھا اپنے صیوب کا
 اعتراف کر رہا تھا گناہوں پر معافی مانگ رہا ہے استغفار کر رہا ہے اور خدا کو اس کی
 گریہ و زاری اور استغفاراتی پسند آئی کہ وہ حضرت رابعہ کے حجرے سے ولی بن کر نکلا
 ۔ یہ دیکھ کر حضرت رابعہ نے خدا سے عرض کی کہ تو نے اپنے گناہگار بندے کو معاف کر
 دیا اس کو پہچان کر اعلیٰ مقام عطا کیا اس کو قبول کیا میں بھی تیری عاجز بندی ہوں میری
 گناہوں کو معاف فرما دے۔ خدا نے جواب دیا: رابعہ تو کیا سوچتی ہے تیری وجہ سے
 ہی تو میں نے معاف کر دیا اس کی توبہ قبول کی اور اس کو اعلیٰ مقام عطا کیا۔

آپ اہلس کو فہم تصور کرتی ہے؟ فرمایا میں تو رحمن کی دوستی میں مشغولیت کی وجہ سے اہلس کی معاندت کا تصور ہی نہیں کرتی۔

لوگوں کے اس سوال پر کہ محبت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ محبت ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی کیونکہ ہم عالم میں کسی نے اس کا ایک گھونٹ تک نہیں چکھا جس کے نتیجہ میں محبت صرف اللہ تعالیٰ میں فہم ہو کر نہ گئی اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو محبوب رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ جس کی عبادت کرتی ہیں کیا وہ آپ کو نظر بھی آتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر نظر نہ آتا تو عبادت کیوں کرتی۔

آپ ہر وقت گریہ و زاری کرتی رہتی تھیں جب کسی نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کے فراق سے خوف زدہ ہوں جس کو مخلوق تصور کرتی ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت نزع پیدا آجائے کہ تو لائق بارگاہ نہیں ہے۔

لوگوں نے جب آپ سے سوال کیا کہ خدا بندے سے کس وقت خوش ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب بندہ محنت پر اس طرح شکر کرتا ہے جس طرح نعمت پر۔ لوگوں نے سوال کیا کہ کیا عاصی کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ اس وقت تک تو وہ توبہ ہی نہیں کر سکتا جب تک خدا توفیق نہ دے اور جب توفیق حاصل ہوگی تو پھر قبولیت میں بھی کوئی شک نہیں رہا۔ پھر فرمایا کہ جب تک قلب بیدار نہیں ہوتا اس وقت تک کسی بھی عضو سے خدا کی راہ نہیں ملتی اور بیداری قلب کے بعد اعضاء کی حاجت ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ قلب بیدار وہی ہے جو حق کے اندر اس طرح فہم ہو جائے کہ پھر اعضاء کی حاجت ہی باقی نہ رہے اور یہی ثانی اللہ کی منزل ہے۔

حضرت حسن مہری اپنے چند رفقاء کے غرضاً حضرت رابعہ مہری کے ہاں
 پہنچے لیکن اس وقت صبح کے ہاں روشنی کا انتظام نہیں تھا اور حضرت حسن مہری کو روشنی کی
 ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ حضرت رابعہ نے اپنی انگلیوں پر کچھ دم کیا اور وہ ایسی روشن
 ہو گئیں کہ مکان جھونور میں گیا اور وہ روشنی کا مرکز قائم رہی۔ لیکن اگر کوئی مفروض یہ کہے
 کہ یہ جڑ بھینڈا تو اس سے تو اس کا حجاب یہ کہ حضرت صدق دل سے رسول اکرم ﷺ کی
 اطاعت کرتا ہے اس کو آپ کے تجویز سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوتا ہے فرق
 صرف اتنا ہے کہ غرقِ مادت شے کا اظہار انجماء کے حق میں مجرور کہلاتا ہے اور ولی کیلئے
 کرامت کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ کرامت صرف اجراعِ نبوت ہی سے حاصل ہوتی
 ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا بیان شاد ہے کہ دیانے صادق نبوت کے چالیس حصوں
 میں سے ایک حصہ ہے۔

حضرت رابعہ مہری نے ایک مرتبہ حضرت حسن مہری کے لئے بلور ہدیہ
 مسموم ہوئی بلور ہال روانہ کیے اور یہ پیغام بھیجا کہ موسم کی طرح خود کو پگھلا کر روشنی فراہم
 کر اور سوئی کی طرح برہنہ کر غلوک کے کام آؤ اور جب تم ان دونوں چیزوں کی
 تکمیل کرو مجھے تو تمہاں کی طرح ہو جاؤ مجھے اور بھی تمہارا کوئی کام خراب نہیں ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت حسن مہری نے آپ سے سوال کیا کہ کیا تمہیں نکاح کی
 خواہش نہیں ہوتی؟ آپ نے جواب دیا کہ نکاح کا تعلق تو جسم و وجود سے ہے اور جس
 کا وجود ہی ہائی نہ رہا تو اسے شادی کی حاجت نہیں رہتی۔

حضرت رابعہ مہری نے تمام عمر شادی کے بغیر گزاری وہ بھی دیگر اہل اللہ کی
 طرح اپنی زندگی عبادت و ریاضت میں گزارنے کی عادی تھیں۔ از دواہمی رشتے



عبادت میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں اور وہ لمحہ بھر کے لئے بھی خدا سے دوری پسند نہ کرتیں تھیں۔ حضرت رابعہ بھری سے اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی کرامتیں ظاہر کروائیں جو بہت کم اولیاء کرام کو نصیب ہوتیں۔ وہ اپنے دور کی قافلہ سالار تھیں۔

ایک مرتبہ لوگوں سے بیان کیا کہ حضرت حسن بھری یہ کہتے ہیں کہ اگر میں روزِ محشر ایک لمحہ کے لئے بھی دیدارِ خداوندی سے محروم رہا تو اتنی گریہ و زاری کروں گا کہ اہلِ فردوس کو بھی مجھ پر رحم آجائے گا۔ حضرت رابعہ نے کہا کہ انہوں نے بالکل صحیح کہا ہے لیکن یہ شے بھی اسی کے شایانِ شان ہے جو آپنا واحد کیلئے بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہتا ہو۔

جب آپ سے نکاح نہ کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب دیا کہ نیک چیزیں میرے لئے وجہِ غم بنی ہوئی ہیں اور اگر تم یہ غم دور کر دو تو میں یقیناً شادی کر لوں گی۔ اول یہ کہ کیا خبر کہ میری موت اسلام پر ہوگی یا نہیں! دوم میرا ائمہٴ اعمال روزِ محشر میرے سیدھے ہاتھ میں ہو گا یا الٹے ہاتھ میں! سوم جب روزِ محشر ایک جماعت جنت میں دائیں طرف سے اور دوسری بائیں طرف سے داخل ہوگی تو نہ جانے میرا شمار کس جماعت میں ہوگا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ان تینوں سوالوں کے جواب تو ہمارے پاس نہیں تو آپ نے فرمایا کہ جس کو اتنے غم ہوں وہ شادی کی تمنا کیسے کر سکتا ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں اور کہاں جائیں گی تو آپ نے فرمایا کہ جس جہاں سے آئی تھی اس جہاں میں لوٹ جاؤں گی۔ پھر سوال کیا گیا کہ اس جہاں میں آپ کا کیا کام ہے؟ فرمایا کہ کفِ المسوس ملتا

اور جب کہ انہوں نے کیا وہ پہنچی گی تو آپ نے مجاہد دیا کہ میں رزق تو اس جہاں کا کھاتی ہوں اور کام اس جہاں کے کرتی ہوں۔

حضرت عبداللہ عسکری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ماہ حضرت سفیان حضرت صاحب مری کی حجاج پری کے لئے مجھے تو ایسے موعوب ہوئے کہ لب کشائی کی مصیبت ہو گئی تھی کہ حضرت صاحب نے خود فرمایا کہ مجھے ٹھکڑ کریں تو ہم دونوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مرض دور فرما دے۔

حضرت صاحب نے عرض کیا کہ مرض تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور میں اس کی طاقت سے کاشفہ کیسے کر سکتی ہوں۔ کیونکہ یہ کسی دوسرے کے لئے بھی مناسب نہیں کہ مضائقہ دوسرے کی طاقت کرے۔ پھر حضرت سفیان نے پوچھا کہ آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا کہ تم صاحب معرفت ہو کر ایسا سوال کرتے ہو اور میری کمجوری اور اہلی کے باوجود ہر سال سے کھانے کی خواہش ہے لیکن میں نے صرف اس لئے نہیں چھٹی کہ میرے کاپی مرضی کے مطابق کوئی کام نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مضائقہ الہی کے بغیر کوئی کام کرنا کفر کے حریف ہے۔ پھر حضرت سفیان بکھٹنے لگے دعا کی وہ خواہش کی تو فرمایا کہ اگر تمہارے اعدائے دنیائے حق تو تم نیک کا جسم ہوتے انہوں نے عرض کیا کہ یہ کیا فرمادی ہیں؟ آپ نے کہا کہ بھئی بات کہہ دی ہوں کیونکہ اگر ایمان نہ تھا تو تم کھلی کی باتیں نہ کرتے ہاں لئے کہ جب تمہیں علم ہے کہ دنیا فانی ہے اور فانی شے کی برائے فانی ہوتی ہے اس کے باوجود تم نے یہ سوال کیا کہ تمہاری طبیعت کس چیز کو چاہتی ہے۔ یہ سن کر حضرت سفیان نے توحیرت ہو کر ہار گاہ ایسی میں عرض کیا کہ اسے غلطی میں حیرت رضا کا جو باہوں۔ حضرت رابع نے فرمایا کہ تمہیں



رضائے الہی کی جستجو کرتے ہوئے عداوت نہیں ہوتی جب کہ تم خود اس کی رضا کے طالب نہیں ہو۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ میں ایک دن بغرض ملاقات حضرت رابعہ کے ہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک ٹوٹا ہوا مٹی کا لوٹا تھا جس سے آپ وضو کرتی ہیں اور پانی چھتی ہیں اور ایک بوسیدہ چٹائی ہے جس پر اینٹ کا ٹکڑہ بنا کر استراحت فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے بہت سے دوست احباب مالدار ہیں اگر اجازت ہو تو ان سے آپ کیلئے کچھ طلب کروں؟ آپ نے سوال کیا کہ مجھے اور تمہیں اور ان دولت مندوں کو عطا کرنے والی ایک ہی ذات نہیں ہے؟ تو پھر کیا درویشوں کو ان کی غربت کی وجہ سے اس ذات نے فراموش کر دیا ہے اور امیروں کو رزق دینا یاد رہ گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایسا تو نہیں ہے۔ فرمایا کہ مجھے طلب سے اس لئے حیا آتی ہے کہ مالک دنیا تو خدا ہے اور اہل دنیا کو ہر شے عاریتاً عطا کی گئی ہے اور جس کے پاس ہر شے خود عاریتاً ہو اس سے کچھ طلب باعث عداوت ہے۔ یہ سن کر ان بزرگ نے آپ کے صبر و بے نیازی کی داد دی۔

آزمائش:

بطور آزمائش کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ خدا نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور شرفِ نبوت صرف مردوں ہی کو حاصل ہے اس کے باوجود بھی آپ کو اپنے اوپر فخر و تکبر ہے اور لا حاصل ریا کاری میں مبتلا ہیں۔ فرمایا کہ یہ تو تم لوگ بجا کہتے ہو لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا کسی عورت نے بھی خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کیا کوئی عورت بھی محنت ہوئی ہے جب کہ سینکڑوں مرد محنت پھرتے ہیں۔

زعمری کے آخری دور میں آپ وصالِ خداوندی کے لئے بہت بے چین رہا کرتی تھیں۔ دلِ مہاتِ خدا کی یاد میں بسر ہو جاتے۔ آنسوؤں کی قطریاں آنکھوں سے رواں رہتیں۔ پھر ہمارے نام نہ ہو گی۔ جسم کزور ہو گیا۔ جسم تو کزور ہوتا کیا مگر دل بیدار اور خدا کی یاد سے قوی ہوتا گیا۔

قربِ خداوندی کے طریق کا یہ طریق تھا کہ ان کے مختصر سالان میں کفنِ ہر وقت تیار سامنے رہتا کفن کی خواہش تھی کہ ان کے کفن میں کمالِ نظام و آداب کی طرح کیا جائے اور ان کو اس طرح سپردِ خاک کیا جائے کہ ان کی قبر بھی مکمل تک تمہیں رہے۔ آخری ایام میں انہوں نے کھانا پیانا بالکل ترک کر دیا تھا بہت کم سیر کرتی تھیں۔ لاشوں کے چہرہ میں پری نما پڑتیں تھیں۔ اسی پر زما سنا لینے کے بعد مہلت میں مشغول ہو جاتیں۔

۵۸۰ھ ہجری میں ایک دن لوگوں کو دس محرفت دینے میں مشغول تھیں کہ انہوں نے اپنے سامنے سکر کر دیکھا۔ سامعین اہلوت و معدول اور مشائخ کو جب پھوڑ دینے کیلئے کہا۔ جب سب لوگ باہر آ گئے تو عمرے کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اس طرح آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ نے خدا کی شان میں کبھی گستاخی نہ کی۔ مخلوقِ خدا سے درگزر خدا سے بھی کبھی کچھ طلب نہ کیا۔

حُشوعی کچھ سکا ہے جو عاشق بنا ہو۔ طلبِ انسان کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ دلِ ماتمہار نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ دل کو اس طرح سنبھالے رکھنا چاہیے جب تک اسرارِ کامیاں وہ ذاتِ پاک خود نہ کرے اور اس کے بعد جو سرت اور سکون حاصل ہو۔ یہودی حقیقی ہو۔ یہ صرف حضرت ابو ہریرہ کے نصیب میں تھا

وفات کے وقت آپ نے مجلس میں حاضر مشائخین سے فرمایا کہ آپ حضرات یہاں سے ہٹ کر ملائکہ کے لئے جگہ چھوڑ دیں چنانچہ سب باہر نکل آئے اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد اندر سے یہ آواز سنائی دی کہ اے مطمئن نفس اپنے مولا کی جانب لوٹ چل۔ اور جب اندر سے آواز آئی بند ہو گئی تو لوگوں نے جب اندر جا کر دیکھا تو روح نفس مضری سے پر دوازہ کھلی تھی۔ مشائخین کا قول ہے کہ حضرت رابعہ نے خدا کی شان میں کبھی کچھ گستاخی نہیں کی۔ مخلوق سے طلب کرتا تو درکنار اپنے مالک حقیقی سے کبھی کچھ نہیں مانگا اور انوکھی شان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ (امامہ وانا الیہ راجعون)

کسی نے حضرت رابعہ بھری کو خواب میں دیکھا اور دیانت فرمایا کہ مگر کبیر کے ساتھ کیسا معاملہ ہا؟ جواب دیا کہ کبیر بن نے مجھ سے سوال کیا کہ تیرا رب کون ہے؟ تو میں نے کہا کہ وہی جس کا اللہ سے عرض کر دو کہ جب تو نے پہلی مخلوق کے خیال کے باوجود ایک نابجہ عورت کو کبھی فراموش نہیں کیا تو وہ بھروسہ تھے کیسے بھول سکتی ہے اور جب دنیا میں تیرے سوا اس کا کسی سے تعلق نہ تھا تو پھر ملائکہ کے ذریعے جواب طلبی کے کیا معنی؟

نوٹ: یہ مضمون ڈاکٹر ظہور الحسن شارب کی مشہور کتاب مذکرہ حضرت رابعہ بھری رحمۃ اللہ علیہا سے مرتب کیا گیا ہے۔



صحابی رسول

حضرت ضرار بن ازور اور آپ کی مجاہدہ بہن

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ مسلمانوں کو ان کا عظیم جہادبانی اور کشور کشائی کا جذبہ حدود عرب سے نکال کر روم و ایران کی حدود میں داخل کر چکا ہے۔ اسلامی افواج کے پہلا دار حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ ہیں اور اس وقت دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ دمشق میں موجود فوج نے کئے بندوں لڑنے کے بجائے صلحت اسی میں دیکھی کہ قلعہ بند ہو جائے کیونکہ ایک تو اس کی تعداد کم تھی اور دوسرے انہیں قیصر روم کی طرف سے جلد از جلد کمک کی توقع تھی کیونکہ وہ اسے پہلی صورت حال سے آگاہ کر چکے تھے اور قیصر روم کا ایک نامہ قیصر کی طرف سے یہ پیغام لے کر ان تک پہنچ چکا تھا کہ جلد کو جلد ہی کمک پہنچنے والی ہے۔ چنانچہ محصورین ہر روز کمک کا انتظار کیا کرتے تھے۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے محاصرہ میں بڑی شدت برتی تھی اس لئے محصورین بھی تنگ آ چکے تھے۔ کمک کا انتظار کرتے انہیں کئی روز گزر چکے تھے۔ تنگ آ کر انہوں نے آج یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر شام تک کمک نہ پہنچی تو وہ صبح چھ مناسب شرائط پر قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی ان کی حالت بھانپ چکے تھے۔



ابھی چاشت کا وقت ہو گا کہ اچانک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ محصورین قلعہ کی فسیل پر جمع خوشی سے نعرے لگا رہے ہیں اور تالیاں بجا رہے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ انہیں تو امید تھی کہ قلعہ آج یا



کل ان کے حوالے ہونے والا ہے کیونکہ وہی بہت جگہ آپ کے ہیں پھر خوشی کیسی؟ اسے
میں کچھ کا شکار ایک طرف سے بھاگتے ہوئے آئے اور جب ان سے پریشانی کی وجہ
پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ایک بہت بڑی رومی فوج "بیتِ مہا" کے قریب پہنچ چکی
ہے اور جلد ہی یہاں آنے والی ہے۔ حضرت خالد مجھ گئے کہ کھنڈ کس مقام پر خوشیاں منا
رہے ہیں۔ آپ کی خواہش تھی کہ کل ایک دو روز تک نہ کھینچے پائے دو نہ سارے کئے
کرائے پر پانی بھر جائے گا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیلئے سرداروں کی ایک میٹنگ بلائی
اور پھر ان سے دریافت کیا کہ کون اپنے آپ کو اس ہم کیلئے پیش کرتا ہے۔ ابھی باقی سو قی
رہے تھے کہ حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں اپنے
آپ کو پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت خالد نے اسی وقت پانچ چھ سو سواروں کا ایک دستہ ان
کی کمان میں دے کر انہیں رومی فوج کو روکنے کیلئے "بیتِ مہا" کی طرف روانہ کر دیا۔

جب یہ مختصر سادہ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی قیادت میں "بیتِ مہا" کے
مقام پر پہنچا تو ایک بہت بڑے رومی لشکر کو مقابلہ کیلئے تیار پایا۔ مسلمانوں کو امید نہیں تھی
کہ رومی اتنا بڑا لشکر لے آئیں گے۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں نے انہیں
مشورہ دیا کہ ہمیں واپس چلنا چاہیے کیونکہ اسے بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنا خود کشی
کے مترادف ہے۔ مگر حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے جوش سے کہا:

"مسلمان تعدادِ لشکر پر نہیں بلکہ اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرتا ہے تم میں سے جو
واپس جانا چاہتا ہے چلا جائے" میں میدانِ جنگ سے بھاگ کر حاصل ہونے والی زندگی
کے بجائے شہادت کو بہتر سمجھتا ہوں۔"

یہ دیکھ کر آپ کے حلقیوں نے کہا "ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" حضرت ضرار



- چنانچہ یہ اپنے خیمے کے اندر بیٹھی تھیں کہ ایک عورت نے کہا ”خولہ!“ کچھ خبر بھی ہے؟“
خولہ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگیں ”کیسی خبر؟“

تمہارا بھائی رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو چکا ہے۔“ خولہ یہ سنتے ہی بے قرار ہو گئیں۔ مردانہ لباس پہنا، تھیلا سجائے اور ابھی باہر نکلنے ہی والی تھیں کہ ایک عورت نے کہا ”خولہ! ہوش کی دوا کر دو تم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کیا کرو گی؟“ خولہ نے صبر سے جواب دیا:

”میری جان ایک مجاہد اور بہادر بھائی کی جان سے قیمتی نہیں ہے۔“

اتنے میں ایک اور عورت اندر داخل ہوئی اور کہنے لگی ”خولہ! لشکر نہ کرو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو خبر مل چکی ہے اور انہوں نے حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو چھڑوانے کیلئے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک اور دستہ روانہ کر دیا ہے“ مگر حضرت خولہ نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں کہ ”یہ نہیں ہو سکا کہ بھائی دشمنوں کی قید میں ہو اور بہمن آرام سے بیٹھی رہے۔“



جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ گرفتار ہو چکے ہیں تو انہوں نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک اور دستہ انہیں رہا کرانے کے لئے میدان جنگ کی طرف روانہ کر دیا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ یہ بھی رومی لشکر سے نہر د آزما ہونے کیلئے ناکافی ہے تو خود بھی تھوڑی سی فوج کو قلعہ کے پاس چھوڑ کر باقی فوج کو لے کر میدان جنگ کی طرف چلے گئے تاکہ رومی لشکر سے مقابلہ ہو سکے۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ جا رہے تھے تو ان کو راستہ میں ایک سوار گھوڑا سر پٹ دوڑتا ہوا میدان جنگ کی طرف جاتا ہوا ملا۔ انہوں نے اس سوار کو روکنے کی کوشش کی تاکہ لشکر

کے ساتھ ہے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں سے بے خبر ہو۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اس سوار کا تعاقب کرنے کو بھیجا مگر وہ اس کی صرف گروہی پاسا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ میدان جنگ کے قریب پہنچے تو وہ سوار لڑا تھا وہ کھائی دیا۔ وہ اس بھادری سے لڑ رہا تھا کہ حضرت خالد جیسے بہادر کے منہ سے داد و تحسین کے الفاظ نکل رہے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ سوار کون ہے؟

حضرت رافع نے جواب دیا "خدا کی قسم آپ کے سوال کرنے سے قبل میں یہی سمجھتا تھا کہ آپ ہیں۔"

وہ سوار کچھ اس طرح چلے کر رہا تھا جیسے باز فکار پر بھٹ رہا ہو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تعاقب سے اسے دیکھ رہے تھے اور ابھی تک نہیں سمجھ پاتے تھے کہ وہ سوار کون ہے؟ اسلامی اور دیوئی فکرمزگم تھا اور ہے تھے۔ لڑتے لڑتے کافی وقت گزر گیا مگر حضرت فرار رضی اللہ عنہ کا کچھ پتہ نہ لگا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس سوار کے تعاقب کی دشمنی اور اس کے پیچھے گھس گئے جس سے وہ سوار جانتا ہی نہیں اسی طرف جاتے۔ وہ سوار بہت دیر تک غلبہ فریاد تمام فکرمزگم میں پھرا کی روئی اس کا نشانہ بنے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے جب وہ سوار خون میں نہایا ہوا باہر نکلا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی باہر نکل آئے اور اس کا گھوڑا روک کر پوچھا..... تم کون ہو؟

"میں"..... ایک کمزوری آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحہ اس سوار نے اپنی ٹوپی اٹا دی اور اس کے لیے لیے ہال شانوں پر بکھر گئے۔ تم؟

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرانی سے کہا:

مئی ہاں..... میں ہوں خولہ بنت اذور



”کہو بھائی کا پتہ چلا“ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا؟

”مجھے غمِ غم ہے میں نے تمام لشکر چھان مارا مگر بھائی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ میرا خیال ہے وہ لشکر میں نہیں ہیں۔“



حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خولہ کو قتل دے کر پیچھے بھیج دیا اور چھ سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ کسی رومی سپاہی کو زندہ گرفتار کر لائیں، تھوڑی دیر بعد مسلمان سپاہی دو رومی سپاہیوں کو گرفتار کر لائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دریافت کی ”بتاؤ ضرار کہاں ہیں؟“ قیدیوں نے بتانے سے تامل کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا ”میں تمہیں پانچ سو دیناروں اگر تم نے کچھ بتا دیا تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا اور اگر تم نے بتانے سے انکار کیا تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔“

یہ ممکن سن کر انہوں نے کچھ دیر سوچا اور پھر کہا:

”ہم بتا سکتے ہیں؟“ ”بتاؤ ضرار کہاں ہیں؟“ حضرت خالد نے پوچھا۔

انہوں نے کہا ”دردان نے انہیں گرفتار کر کے دو سو سواروں کے ہمراہ ہر قل کے دربار میں روانہ کر دیا ہے۔“

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا ”یہ بتاؤ اگر ہم ان سے راستہ میں ٹکرائے ہیں تو کس جگہ تصادم ہو سکتا ہے۔“

انہوں نے کہا ”دورات کے پچھلے پہر سلیمان کے مقام تک پہنچیں گے۔ اگر آپ کے ساتھی وہاں جا کر پہلے ہی چھپ رہے ہیں تو چھرا سکتے ہیں۔“

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فوراً دو سو سواروں کا ایک دستہ منتخب کیا اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں انہیں سلیمان کی طرف بھیج دیا اور تاکید کی کہ وہاں تیزی

سے پہنچ کر چھپ رہیں اور جتنی روی دست وہاں پہنچیں اس پر حملہ کر کے ضرار رضی اللہ عنہ کو رہا کروائیں اور ساتھ ہی قیدیوں کو بھی روانہ کر دیا کہ انہما کی کر سکیں۔ اس مختصر سے دستہ کے ساتھ حضرت خلد رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ ساتھیوں سمیت ”مسلینا“ کی کمائیوں میں چپے ہوئے روی دستہ کے پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرت خلد رضی اللہ عنہ بہت بے قرار تھیں وہ بار بار ٹیلہ سے نکل کر دیکھتے مگر کچھ دکھائی نہ دیتا۔ ان کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال آتا کہ کہیں قافلہ گزر رہی نہ چکا ہو یا کہیں قیدیوں نے مقام ہی غلط بتایا ہو۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ انہیں بار بار تسلی دیتے۔

رات کے پچھلے پھر اونٹوں کی گھنٹوں کے بجنے کی آوازیں آنے لگیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی قافلہ آ رہا ہے۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور تیار رہنے کو کہا۔ آہستہ آہستہ گھنٹیوں کے بجنے کی آواز قریب آتی گئی۔ پھر ایک آدمی کی آواز سنائی دینے لگی جو بڑے دردناک انداز میں عربی کے اشعار پڑھ رہا تھا جن کا ترجمہ کچھ یوں تھا:

”اے ہواؤ!..... میرا پیغام قافلہ سالار تک پہنچاؤ اس بد نصیب مسافر کا پیغام جو منزل تک پہنچنے سے قفل ہی ٹکڑ ہو گیا ہو۔ ہوا ساکن ہے اونٹوں کی گھنٹیوں سے صرف میرے نالہ کی صدا ہی بلند ہو رہی ہے۔ حدی خوانوں کی آواز میں بھی میرا نالہ ہے۔ میری بہن جانتی ہے میں شیر ہوں جس نے ہمیشہ اپنی ماں کے دودھ کی لالچ رکھی ہے۔“

حضرت خلد رضی اللہ عنہا نے فوراً اپنے بھائی کی آواز پہچان لی اور زور سے پکاری ”بھائی“ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ پرز کئے کا اشارہ کیا مگر ان میں پامانے ضبط نہ ہوا فوراً کوا رو سنت کر یہ کہتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

”بھائی..... خولہ آنیچی اب تم دو کھو کے کسان خالوں میں سے ایک بھی نکال کر نہ جائے گا۔“

یہ دیکھ کر حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے بھی باقی سپاہیوں کو اشارہ کیا اور خود بھی باہر نکل کر رومیوں پر پل پڑے۔ رومی اس غیر حوثق حملے کیلئے تیار نہ تھے۔ حضرت خولہ بڑھ چڑھ کر حملے کر رہی ہیں۔ رومیوں نے کچھ دیر مقابلہ کیا اور پھر ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے ان کو گرفتار کرنے کو کہا۔ حضرت خولہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ بھائی تک پہنچیں زبیاں کاٹ ڈالیں اور چمڑے ہوئے بہن بھائی لگال گئے۔ پھر یہ سب اسلامی لشکر کی طرف واپس چلے ابھی تھوڑی سی دور گئے تھے کہ سامنے سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غبار کا پردہ چاک ہوا تو معلوم ہوا کہ رومی لشکر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا کر راہ فرار اختیار کر چکا ہے۔



حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں چھپ جانا چاہیے تاکہ یہ لشکر گزر جائے ورنہ لڑائی کی صورت میں ہماری تعداد کم ہے۔ مگر ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا ”خدا کی قسم نکال ہاتھ آ جائے اور شکاری متاقل برتے..... ایسا نہیں ہو سکتا۔“ باقی ساتھیوں نے بھی حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور آگے بڑھ کر لشکر کو روک دیا۔ تھوڑی سی دیر میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی رومیوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے۔ اب رومی لشکر گھر چکا تھا۔ دو طرف اونچے اونچے ٹیلے تھے۔ تیسری طرف ضرار رضی اللہ عنہ بنے جاں باز تھے اور چوتھی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کھوار۔ خون کی ندیاں بہاوی گئیں۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی کھوار بجلی کی طرح چمک کر رومیوں سے اپنی گرفتاری کا اعلان کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر رومیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔



ہو چکی تھیں اور ان دس سالوں میں کئی قسم کے تغیر و تبدل اپنی حشر سامانوں کا دامن پھیلا چکے تھے مگر پھر بھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یہاں کے ذرے ذرے سے آشنا ہو۔ نئی عمارتوں میں اسے مانوسیت جھلکتی دکھائی دے رہی تھی اس نے اپنے آپ پر نگاہ دوڑائی 'داڑھی بڑھ چکی تھی سر کے بال اُلجھے ہوئے تھے' جسم پر لباس نہیں چھینچھوے تھے۔ ان باتوں سے قطع تعلق کر کے جب اس نے پیٹ کے خور میں جھانکا تو اس کے چہرے پر مایوسی اور غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ آٹھ پہرے سے بھوکا تھا اسے کہیں سے بھی کھانا نہیں دستیاب ہو سکا تھا۔ اب اس کے سامنے سب سے پہلا اور بڑا سوال یہ تھا کہ پیٹ کو کیونکر بھرے پھر اس کی منٹیاں بچھ گئیں اس کا چہرہ تن گیا اس کی آنکھوں سے قطرے پلنے لگے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ بڑبڑایا۔

”ذنیامیں روٹی صرف جرم سے حاصل ہو سکتی ہے میں بھوکا نہیں مردوں کا۔“

اس کی یہ بڑبڑاہٹ اتنی شدید تھی کہ وہ خود ہی چوک پڑا۔ کسی نے سن تو نہیں لیا وہ شہر کے بیرونی حصے کی طرف تھا اور جس گلی سے گزر رہا تھا وہاں سناٹا طاری تھا۔ ایک خطرناک عزم کے ساتھ وہ آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سناٹا اس کی نظر اپنے کٹے ہوئے ہاتھ پر پڑی اسے اپنی مجبوری کا احساس ہوا اور اس کی بھیجی ہوئی منٹیاں کھل گئیں۔ ساتھ ہی مؤذن نے پکارا ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ اس نے محسوس کیا کہ لوگ تو بیدار ہونے لگے ہیں اور وہ دن کے اُجالے میں اپنے خطرناک عزم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے گا۔ اس کا کٹا ہوا ہاتھ پہنا ہوا لباس اور وحشیانہ سراپا اور بھرموں سی وحشت لوگ لازمی طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اس کی معمولی سی حرکت کو بھی کسی عظیم جرم پر محمول کیا جائے گا اور پھر وہ گرفتار ہو جائے گا جیل کا خیال آئے ہی اس کے دل میں نفرت کے جذبات

خلیفہ سوم
 رہے اور عمارت کو متعدد برادری کیلئے نکال دیا گیا جس کی اس تجربہ پر جسم نے اکتھا ر خوشنودی
 کیا اور نولے ہوئے چلے گا شہر کے باہر ایک سستہ ہو گیا۔



یہ اتن سابط تھا۔۔۔۔۔ بغداد کا شیطان..... مشہور و معروف ڈاکو تاریخی قافل
 اب کے چند سال کی سزا بھگت کر قتل سے رہا ہوا تھا۔ سزا تو میں سال کی تھی مگر خلیفہ
 کے گروہی عہد کی عداوت کی خوشی میں اس کی سزا پانچ سال کم کر دی گئی تھی اس کے آباء
 اجداد سابط کے رہنے والے تھے، بچپن میں ہی اس کی ماں مر گئی، مالی پریشانیوں کے
 ہاتھوں مجھ پر کرپا پ نے اسے ساتھ لیا اور ایک قافلے کے ساتھ ہو لیا جو بغداد جا رہا
 تھا اس کا باپ سات کے گروہرو کو برداشت نہ کر سکا اور ابھی جبکہ نصف منزل باقی تھی تو
 اس نے قافی اجل کو لبیک کہا۔

اتن سابط کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی جب قافلے اس کے باپ کی
 چھوڑ دیتے تھے سے فارغ ہوئے تو ان کی نظر دوتے بھٹکتے اور اچڑیاں رگڑتے ہوئے بچے پر
 پڑی۔ ایک امیر شخص نے اسے اٹھا لیا اور اپنا چٹا ہٹا کر بغداد لے آیا۔ ماحول ہر انسان کا
 استاد ہے اتن سابط کو گھر میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائی مگر اس کی دوستی برے لڑکوں سے
 ہو گئی اس برے ماحول سے اس نے بھی اثر قبول کیا اور چھوٹی چھوٹی چیزیں چراتا شروع
 کر دیں۔ چونکہ اسے پالنے والوں کی کوئی اولاد نہ تھی لہذا وہ اسے معمولی سرپرست کر
 کے چھوڑ دیا کرتے تھے اس پر وہ لود لیر ہوا اور اس کا بھرانہ ہاتھ بڑی بڑی چیزوں تک
 پہنچنے کا ایک ہاتھ پکڑا گیا مگر کوتاہی شہر نے اسے رحم کھا کر چندہ کوڑے لگا کر چھوڑ دیا۔

اس سزا کے بعد اس کے دل سے سزا اور قانون کا ڈر جاتا رہا۔ اب اس نے
 خود ہی گھر کو چھوڑ دیا تھا۔ چھوٹی میں اسے زانی ہی لذت نظر آئی تھی۔ اب اس کا بچہ نہیں



تھا بلکہ سمندرست و توانا نوجوان تھا۔ ایک گھر میں چوری کرنے پر اسے پانچ سال کی سزائے قید ہوئی۔ جیل میں اس کی بڑے بڑے عادی مجرموں سے ملاقات ہوئی اور بجائے تاب ہونے کے اس کے دل سے درہا سہا خوف بھی رخصت ہو گیا۔ جس وقت وہ رہا ہوا تو جرم و گناہ کا ایک اور ہی تصور لئے ہوئے تھا۔ اب اس نے گردہ بتالیا اور اس کے وہ بھولی جو بچپن میں اس کے دوست تھے اور جنہوں نے اسے غلط راہ دکھائی تھی اب اس کے ساتھ ہی جوانی کے حدود کو چھو کر اس کے بہترین رفیق بن چکے تھے۔ اس گردہ کا سرفروہ سردار یہی تھا۔ اس گردہ نے دنیا کے جرم کی میں ہی خالماندہ لیاقت کا ختم دیا تھا۔



شرافت، محبت اور نیکی و خلوص کی بن کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔ ان کے نزدیک شرافت سے رہنا خود کو بھوکوں مارنا تھا۔ گو یہ راستہ دشوار اور خاردار تھا مگر وہ انجام سے بے پرواہ تھے۔ وہ سماج کی ہر سفید پوشی سے قطع تعلق کر کے سماج کی ہر نعمت سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے۔ قانون ان کی نظر میں بے کار سا کھلوتا تھا۔ جب گردہ کا کوئی آدمی گرفتار ہو جاتا تو سم و زر کی چمک دمک اسے جیل کی کال کوٹھڑی سے بھی نکال لاتی۔ ایک روز انہوں نے ایک بہت بڑی جگہ اکڑا لیا۔ صبح وقت پر پولیس آگئی باقی تو فرار ہو گئے مگر ان ساہاڑ گرفتار ہو گیا۔ اس نے پولیس سے کہا کہ اسے سزا موت نہ دی جائے تو وہ باقی ساتھیوں کا پتہ بتا سکتا ہے۔ پولیس مان گئی باقی ساتھی اس کے بتلائے ہوئے گھکانوں سے گرفتار کر لئے گئے اور اس کا ہاتھ کاٹ کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ گو یہ دائیں ہاتھ کے کٹ جانے کی وجہ سے معاشرہ کی نظروں میں بیکار ہو گیا تھا مگر اس نے ایک ہاتھ سے دونوں ہاتھوں کا کام لیا اور اس طرح کہ اس کے دل سے دم کی آخری ریت بھی دور ہو گئی، ضمیر جھنجھوڑ بھنجوڑ کر مردہ ہو گیا۔ اب اس نے گردہ بتانے کے بجائے

اکیسویں کا شروع کیا اور پھر پندرہ سو سو کی خصوصیت کسی کی حرکت کی
 قیمت اس کی ضرورت میں نکلائی گئی تھی اس نے اس کے اس لئے رقم کا وہ طوطا
 پایا کیا کہ اس کی ضرورت میں اس کے پاس کے نام سے مشہور ہو گیا اور ایک دن
 پر کرنا دیا گیا اس کے پاس کی نہیں بلکہ وہاں سے جہیز چھوڑا اور کتنا
 قابل تھا مگر اس کا بڑا بڑا کام تھا اس نے اس کے پاس کی تیرہ سو سو کا حکم
 دیا گیا اس کے پاس سے پانچ سال پہلے ہی ہر ماہ کی کاغذ کرنے کے لئے تیل
 سے ہوا کہ گیا۔

وہاں کا ہر شخص اور چھوٹا بڑا اس نے دن بھر کی مشرتا میں اور ہنگاموں
 کے پہلے پہل میں سمیٹ لیا تھا اور ہر گھبراہٹ اور پست و بالا پر اپنے دامن کو
 باندھ لیا تھا اور کتنا جتنی بھی اس کے پاس سے مل کر اس کی طرف آیا تھا وہ
 نیک تھا کیا تھا اور اس کا ہر کام اس کے پاس کے دل میں خطرناک
 قرار دیا جاتا تھا اس لئے ہے۔ ہر کام کے پاس کی گئی میں حرم کیا۔
 تھوڑا سا آگے جا کر اسے ایک خاص مکان نکال دیا۔ وہ چھوٹے اس مکان کے
 صحن سے پر کرا لیا تھا کہ اس کے صحن سے اس کا گھر اس نے دور سے پر
 ہند کہ کہ تھوڑا سا دور صحن کے کل گیا اور اس نے پچھڑی گلی میں دیکھا
 کہ کل گھر میں رہا مگر اسے گلی میں کئی ہی دکانیں تھیں اور وہ اپنے خطرناک حرم کو
 اپنے گھر کے پاس کے لئے گلی میں تھا اور کیا مکان دیکھ لیا وہ گھر کو دیکھ کر آگے
 بڑھ کر وہاں کی ایک دکان تک پہنچی گئی تھی اسے کرے میں اسے چراغ جلا رہا
 تھا وہاں ایک اس کی بیوی تھی وہاں کے صحن سے اسے آگے لے کر آگے لے کر آگے

جا کر دروازے سے اندر جھانکا اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ ہاتھ لگانے سے دروازہ فوراً کھل گیا تو اندر داخل ہوا۔

اور پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ اسے کمرے کے ایک طرف کپڑوں کے بہت سے تھان پڑے دکھائی دیے۔ مالک مکان یقیناً کوئی بہت بڑا کپڑوں کا تاجر تھا کیونکہ یہ سارے تھان ریشمی اور قیمتی کپڑوں کے تھے اس کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا کیونکہ پہلے ہی روز قسمت نے یاد دہی کی تھی مگر پھر اپنے کئے ہوئے ہاتھ پر نظر پڑے ہی اس کی ساری خوشی کا فوراً ہو گئی اس کا ایک ہاتھ بیکار تھا۔ بال بھی داغ اور قیمتی ہاتھ لگا تھا مگر سب سے بڑا مسئلہ اس بوجھ کو باندھنے کا تھا۔ اس نے ایک پورے تھان کو کھول ڈالا اور باقی اچھے اچھے تھان اس میں رکھنے شروع کئے۔ کافی بوجھ رکھ کر اس نے باندھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا وہ مایوس ہوتا جا رہا تھا۔ کتوں پر پہنچ کر بھی وہ بیاسی رہا تھا۔ امید کا چراغ ناامیدی کے جھٹکوں سے ٹٹن رہا تھا۔ ”میں کیا کروں“ وہ سوچ رہا تھا کہ کڑاک کی بجلی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اس نے فوراً ہی پیچھے ہٹ کر دیکھا کیونکہ دروازہ کی طرف اس کی چپٹھی اور ہوشیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اندر داخل ہونے والا ایک سفید ریشمی ضعیف آدمی تھا سر پر بھاری عمامہ تھا۔ ان کے ساہمے نے تھوڑی دیر پوڑھے کی طرف خاموش ہو کر گھومنے پر استغنا کیا۔ اس پوڑھے میں اسے کوئی خاص بات دکھائی دی مگر جلد ہی شیطن اس جذبے پر غالب آگئی اور اس نے اسے بھی اپنی طرح کوئی چہرہ سمجھ لیا۔ پوچھتے ہوئے کہ کہیں یہ حصہ دار نہ بن جائے اس نے آگے بڑھ کر پوڑھے کا ہاتھ پکڑا اور سختی سے دباتے ہوئے کہا ”خبردار جو کوئی حرکت کی تو.....“

”مطمئن رہو! اجنبی..... اس کے جواب میں پوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ میں

وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔“

”تم بکلی ہی مدد نہیں دے سکتی، بروکس اس حرکت کو سچے لوگوں ہاتھ نہیں
 لگاؤ گے، لیکن سہارا دینا تو میری ذمہ داری ہے۔“

”میں نے سہارا دینا ہی نہیں سیکھا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ بیٹھی۔
 ”تم یہاں محوِ غور ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ بڑے کے اس جواب کو بھی ایکن سہارا
 نے لڑھی آنکھ سے پریشان کیا، وہاں تک کہ وہ بڑے سے ہٹ گیا۔

”تم بھی محوِ غور میں رہیں آؤ۔“ بڑا چاہے کہ کہہ دے، اس کی طرف بڑھا
 اور قبل اس کے کہ ایکن سہارا اسے پکارتا یا مارے گا وہ کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔ ایکن
 سہارا کسی نے اسے مارے بغیر وہ احساس کر کے ہوشیار ہو گیا۔ تھوڑی سی دیر بعد وہ بڑا باہر
 نکل آیا اور اب اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا دودھ کا بوتل تھا۔ بڑے نے وہ بوتل
 اسے پیش کرتے ہوئے کہا:

”میرا خیال ہے تم مجھ کے بھی ہونگے، اس لیے کہ چھٹی میں صرف دودھ ہی
 مل سکا۔“ ایکن سہارا اس پر ہنس کر ہنس گیا کہ دودھ کہاں سے ملے گا؟ لیکن یہ اس کے
 مانگے تو نہیں، مگر اس نے خود ہی اس کی تردید کر دی کہ اگر وہ مالک مکان ہوتا تو کمرے
 سے باہر جا کر ایک گلاس میں کھانا لے کر ساتھ لے جاتا اور پھر پیتے۔

یہ بڑا حاجی غافل ہے، مجھ سے پہلے آیا ہو گا مجھے داخل ہوتے دیکھ کر چھپ گیا
 ہو گا اور اب اس طرح مجھے خوش کرنا چاہتا ہے..... یہ خیال آتے ہی وہ مسکرایا۔ دل میں
 برتری کا احساس آتے ہی اس نے بڑے کی طرف ہانک سکڑ کر دیکھا اور پتالہ اس
 طرح اس کے ہاتھ سے چپٹے ہوئے تھے وہ اس کا نظام ہونے والا غلاف بن گیا۔
 بڑے نے اس کی طرف غور سے دیکھا تو کسی مگر کوئی خاص تاثر نہ لیا بلکہ اس نے بڑے کے
 کھانوں کو کھاتے ہوئے کہا: ”آؤ اسے مل کر کھانہ لیں۔“



”مگر تم کون ہو؟“ ابن سابط نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ بعد میں تکرار کرنے نہ لگ جائے اس سے کہا۔

”میں کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے سروکار نہیں رکھنا چاہئے میں ہر حالت میں تمہارا مددگار ہوں۔“

”ہوں ابن سابط نے کندھوں کو جھٹکا دے کر ہونٹوں کو سکڑاتے ہوئے کہا۔
”میرے مددگار کہاں میں اور کہاں تم..... ابن سابط تو تم جیسوں کو چکیوں میں مل سکتا ہے جانتے ہو ابن سابط کو۔“

ابن سابط کا نام سن کر بوڑھا چمک پڑا۔
”اچھا تو تم ابن سابط ہو خیر کوئی بھی ہو مجھے کیا غرض میں تمہیں پریشان دلچسپ رہا ہوں آؤ گھڑ باندھ لیں۔“

ابن سابط نے ایک ہار پھر جائزہ لیا۔ واقعی وہ بوڑھے کی لداؤ کا بھگارت تھا۔
بوڑھے کی یاد دہانی پر اس نے اسے گھود کر دیکھا اور پھر اس کے ساتھ مل کر گھڑ باندھنا شروع کر دیا۔ گھڑ باندھ گیا اب وہ اسے اٹھا نہیں سکتا تھا۔

”گھبرانے کی ضرورت نہیں تم یہ گھڑ میری پیٹھ پر لاؤ تم جہاں کھو گے میں وہیں پہنچا دوں گا۔“ بوڑھے کی پیشکش ابن سابط کو بہت قیمت محسوس ہوئی مگر پھر اس نے سوچا کہ کہیں یہ بوڑھا اسے فریب تو دیتا نہیں چاہتا۔ تو پھر کیا ہے یہ بھلا فریب کیا دے سکتا ہے۔ اس نے بوڑھے کی طرف دیکھا اور چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی مگر اس کا چہرہ کسی قسم کے جذبات سے بھی ماری نظر آیا۔ یہ بھی تو چہرہ ہے کیا اسے اپنا ڈر نہیں ہے اور اس نے فریب کے خیال کو دل سے نکال دیا۔

”کیا سوچ رہے ہو اجنبی! دیر نہ کرو“ ابن سابط نے پھر اس فیما مددگار کی



وہ بوڑھے پر اس طرح رعب بھار رہا تھا جیسے یہ اس کا پیرا کسی حق ہو۔ بعض اوقات وہ دو چار ہاتھ بھی جھاڑ دیتا۔ بوڑھا کانپ رہا تھا سانس پھولی ہوئی تھی قدم ڈاگ گئے جا رہے تھے اور اٹھائے سے نہیں اٹھتے تھے مگر ابن سابط اسے آگے بڑھنے اور تیز ہونے کی تلقین کر رہا تھا۔ آخر اس کی منزل آگئی یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جو کسی زمانہ میں ابن سابط اور اس کے گردہ کا اڈا رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کے اشارے پر بوڑھے نے بوجھ کو اتار دیا۔ ابن سابط نے دو تین تھان گھڑ گھول کر نکالے اور بوڑھے کی طرف بڑھا دیے

”لو یہ ہے تمہارا انعام!“

”نہیں تم انہیں بھی اپنے پاس ہی رکھو مجھے ہنسوس ہے کہ میں اور کوئی تمہاری خدمت نہ کر سکا“ تم پیچھے ہی اس وقت تھے جب میں کسی خدمت سے قاصر تھا۔ خیر میرے پاس جو کچھ بھی تھا میں نے وہ تمہیں دینے سے گریز نہیں کیا۔ ہاں اگر میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو معاف کر دینا میں بوڑھا آدمی تھا۔“

بوڑھا یہ سب کچھ کہے جا رہا اور ابن سابط حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی کہا ”تو کیا تم.....؟“

بوڑھے نے بات کاٹ دی۔ ہاں میں ہی مالک مکان ہوں فکر نہ کرو یہ تھان تمہارے ہیں اور تمہارے ہی رہیں گے میں نے یہ خود تمہیں دیئے ہیں ہو سکتا ہے تم مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو گے۔ چلو خدا نے تمہاری ضرورت پوری کر دی۔ اچھا اب میں جاتا ہوں میری کوتاہیوں کو معاف کر دینا۔“

یہ کہہ کر قبل اس کے کہ ابن سابط کچھ کہتا بوڑھا عجزی سے واپس مڑا اور تھوڑا سا آگے جا کر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔

ملاحظہ ہو

ان سہ ماہیہات کو بھی وہی لڑائی لڑنا پڑی جو ان کی والدین کی لڑائی میں ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا خیر خیرے عمر باندھنے کے لیے اس نے جس کو بھی خواہاں ہو کر دیا تھا اس کے دل میں ایک نگاہ کی پوری تھی جو وہ غفلت و غماز میں نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسی کی نگاہ میں اس کا دل بگڑا تھا۔ بڑے بڑے کے طرز عمل نے اس سہ ماہیہ کو بے ہوش کر دیا تھا اور وہ بے ہوش تھا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے ہاتھوں سے ہی اپنا دل بدروں کے حوالے کر دیں۔ بدروں کو سکھاتے دیکھتے کیلئے اپنے لہجوں کی مسکراہٹ سمجھ لیں۔ بدروں کو خوش و خرم دیکھتے کیلئے اپنی کاکت پر سے ہاتھ اٹھا لیں۔ بدروں کی ضروریات کو اپنی حاجات پر فتح دے دیں۔ اس کے اندر ہر ماہیہ اس کے کڑا ہوا تھا۔ پر وہ اس کے سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ گزشتہ عمر باندھنے کا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اسے اپنی گزشتہ زندگی کا کل نظریں دکھائی دے رہی تھی۔ گزشتہ کردار کا کل زور مت معلوم ہو رہا تھا۔ جس مقام پر تھا وہ مقام نیچے سے کھسکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اب اس نے بڑے بڑے کلاہٹ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ تاکہ اس سے معافی مانگ سکے۔ چنانچہ لڑنے کے لیے وہ شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔

شہر کے قریب پہنچ کر اسے ایک بڑی سی مسجد دکھائی دی اور اس کے قدم بے اختیار مسجد کی طرف اٹھ گئے مگر یہ کیا اسے اپنی قوت بصارت پر دھوکا ہو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں مل کر دیکھا وہی رات وہاں ہوا اب خبر پر کڑا تھا۔ اس کی حیرانی کی کوئی انتہاء نہ رہی اس نے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے دریافت کیا۔

”کیون شخص ہے؟“

”کیا تم نہیں جانتے باہر سے؟“ وہ کہتا ہے کہ انہیں تو سارا طاقہ جانتا ہے یہ

قاضی القضاۃ شیخ وقت سیدنا حبیب اللہ علی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔ اس شخص نے کہا۔

”کیا کہا سیدنا حبیب اللہ علی (رحمۃ اللہ علیہ)؟“

”ہاں ہاں خاموش بیٹھو سننے بھی دو گے یا نہیں“۔ وہ شخص یہ کہہ کر وحشتِ سننے میں مشغول ہو گیا۔ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امنِ سہاٹ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا وہ کہہ رہے تھے:

”ہر انسان بدی کا ارتکاب کے وقت کچھ نہ کچھ شرمِ ضرور محسوس کرتا ہے لیکن ایک شخص گناہ کا ارتکاب ثواب سمجھ کر اسی وقت کرتا ہے جب اس کا ضمیر اس کے ناپاک خیالات کے ہاتھوں دم توڑ چکا ہو مگر ضمیر کی یہ موت دائمی نہیں بلکہ ماضی ہوتی ہے جس طرح ساکن اور نہ سکون سمندر میں ایک چتر بھیجنے سے دور دور تک لہلہاٹ جاتی ہے اسی طرح بعض اوقات ایک چھوٹا سا واقعہ فی غیر معمولی بین کر ضمیر کی بیداری کا باعث بن کر اس کی زندگی میں لہلہاٹ پیدا کرتا ہے۔ ضمیر کی موت اس وقت ہوتی ہے جب انسان معاشرہ اور قانون کی نظروں میں ذلیل ہو چکا ہو مگر ضمیر کی دوبارہ بیداری اسی انسان کو اپنی نظروں میں ذلیل کر دیتی ہے اب وہ خود کو سب سے بڑا مجرم تصور کرنے لگتا ہے۔“

شیخ کے یہ الفاظ امنِ سہاٹ کے دل میں اترتے جا رہے تھے یہ الفاظ اس کی ساری زندگی کی تفسیر تھے اس کی کائنات کی تصویر تھے اور اس کے جرم و گناہ کا آئینہ تھے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دل کی کثافت دور ہوتی جا رہی ہو گناہوں کی سیاہیاں دھل رہی ہوں اور ضمیر جلا پڑا ہو۔



ادھر شیخ فرما رہے تھے: ”ہر طرف سے ذلیل ہو جانے پر اسے کوئی سہارا دکھائی نہیں دیتا جو اس کی مایوسِ زندگی کو تسکین دے سکے اور اس کے درد کا درماں بن کر اس کے زخموں پر مرہم رکھ سکے مگر ایک سہارا ہے اور وہ ہے رب اکبر کا جو ٹکرائے ہوئے انسانوں کو بھی قوتِ اعجاز عطا فرما دیتا ہے جو مایوس انسانوں کی سیاحتی کرتا ہے۔ لا تقسطوا من

وہ کتب جن سے استفادہ کیا گیا

- ۱ قرآن پاک
 - ۲ کتب احادیث
 - ۳ خیاماتی
 - ۴ سیرت رسول عربی
 - ۵ سیرۃ المصطفیٰ
 - ۶ روضۃ اللطائف
 - ۷ خیائے ازواج مطہرات
 - ۸ ازواج الرسول
 - ۹ امہات المؤمنین سلام اللہ علیہن
 - ۱۰ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن
 - ۱۱ نورانی زیور
 - ۱۲ جنتی زیور
 - ۱۳ شانِ حضرت عائشہ
 - ۱۴ عظمت سیدہ الرسلین
 - ۱۵ امہات المؤمنین
- عمر کریم شاہ لاہوری
علامہ پروفیسر نور بخش قذافی
علامہ عبدالصغیٰ اعظمی
قاضی محمد سلیمان منصور پوری
امام البرکات محمد افضل امجدی
اعظمی دانش روز و رات علوم ہدایت
اسلامیات آباد کراچی
نورید رضویہ جلی یکشنبہ کراچی
روڈ لاہور
کتب گیارہ گبرگ بی فیصل آباد
ذہبی علی گھوڑہ ہدایت لاہور
حضرت علامہ مولانا نور محمد نورید رضویہ جلی یکشنبہ گبرگ
قادی جنتی صاحب
حضرت علامہ عبدالصغیٰ اعظمی فریڈیک شال اردو بازار
لاہور
محمدی ہفتک
محمد عظیم یکشنبہ انجمن
نورید رضویہ علی گھوڑہ گبرگ
اے فیصل آباد
علامہ سید محمد ذاکر حسین شاہ کتب خیائے بزرگ بازار
روپڑی
سیالوی ایم اے
ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن
خیاماتی قرآن علی گھوڑہ لاہور
بہت شامل معری

۱۱	المطالع	۱۱	المطالع
۱۲	منازل کی حالت	۱۲	منازل کی حالت
۱۳	انجمنی	۱۳	انجمنی
۱۴	المدح والی	۱۴	المدح والی
۱۵	وہ کی کہانی	۱۵	وہ کی کہانی
۱۶	المدح والی	۱۶	المدح والی
۱۷	کی کہانی (مجموعہ)	۱۷	کی کہانی (مجموعہ)
۱۸	المدح والی	۱۸	المدح والی
۱۹	المدح والی	۱۹	المدح والی
۲۰	المدح والی	۲۰	المدح والی
۲۱	المدح والی	۲۱	المدح والی
۲۲	المدح والی	۲۲	المدح والی
۲۳	المدح والی	۲۳	المدح والی
۲۴	المدح والی	۲۴	المدح والی
۲۵	المدح والی	۲۵	المدح والی
۲۶	المدح والی	۲۶	المدح والی
۲۷	المدح والی	۲۷	المدح والی
۲۸	المدح والی	۲۸	المدح والی
۲۹	المدح والی	۲۹	المدح والی
۳۰	المدح والی	۳۰	المدح والی
۳۱	المدح والی	۳۱	المدح والی
۳۲	المدح والی	۳۲	المدح والی
۳۳	المدح والی	۳۳	المدح والی
۳۴	المدح والی	۳۴	المدح والی
۳۵	المدح والی	۳۵	المدح والی
۳۶	المدح والی	۳۶	المدح والی
۳۷	المدح والی	۳۷	المدح والی
۳۸	المدح والی	۳۸	المدح والی
۳۹	المدح والی	۳۹	المدح والی
۴۰	المدح والی	۴۰	المدح والی
۴۱	المدح والی	۴۱	المدح والی
۴۲	المدح والی	۴۲	المدح والی
۴۳	المدح والی	۴۳	المدح والی
۴۴	المدح والی	۴۴	المدح والی
۴۵	المدح والی	۴۵	المدح والی
۴۶	المدح والی	۴۶	المدح والی
۴۷	المدح والی	۴۷	المدح والی
۴۸	المدح والی	۴۸	المدح والی
۴۹	المدح والی	۴۹	المدح والی
۵۰	المدح والی	۵۰	المدح والی